

زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹرائزیشن

فتاویٰ رحمتیں

افادات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد رانڈر ضلع سرگودھا



کتابخانہ

آرٹو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان فون: 2631861

فَنَّا وَرَىٰ جَمِينًا

نذیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ
کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ رضویہ

جلد ششم

کتاب الصلوٰۃ

افادات

حضرت مولانا فاطمہ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد رانڈیر ضلع سوات

آؤن بازار ایم ای رینج روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

فتاویٰ رحیمیہ کے جملہ حقوق پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں
 نیز ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے بھی جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں
 کاپی رائٹ رجسٹریشن

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
 طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
 ضخامت : 291 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی گہرائی
 کے لئے ادارہ میں مستقل ایک مالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم
 مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
 بیت العلوم 20 نا بھرو ڈی لاہور
 یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
 مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
 کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
 بیت القرآن اردو بازار کراچی
 بیت القلم مقابل اشرف المدارس فلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
 مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
 مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
 119-121, Halli Well Road
 Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
 54-68 Little Ilford Lane
 Manor Park, London E12 5QA
 Tel : 020 8911 9797

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
 182 SOBIESKI STREET,
 BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
 6665 BINTLIFE, HOUSTON,
 TX-77074, U.S.A.

فہرست مضامین فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم

متفرقات صلوٰۃ

- | | |
|----|---|
| ۱۹ | قنوت نازلہ کس کس نماز میں پڑھے: |
| ۱۹ | بوقت ولادت نماز کا فرض ہونا: |
| ۲۰ | نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال: |
| ۲۱ | قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل: |
| ۲۱ | طریقہ: |
| ۲۳ | سودی رقم سے بنائے ہوئے گھر میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟: |
| ۲۳ | آلہ مکبر الصوت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟: |
| ۲۴ | (۱) فقیہ امت مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ! |
| | (۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب مدظلہ |
| ۲۵ | سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ |
| | (۳) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ |
| ۲۵ | مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ |
| | (۴) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب مدظلہ دامت برکاتہم |
| ۲۵ | صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ |
| | (۵) حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب مدظلہ |
| ۲۵ | شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ |
| ۲۶ | (۶) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدظلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ |
| ۲۶ | (۸) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان کا فتویٰ |
| ۲۶ | نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے متعلق سہارن پور کا ایک تازہ فتویٰ: |
| ۲۷ | قنوت نازلہ کب پڑھی جائے؟: |
| ۲۸ | نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال: |

صفحہ	مضمون
۲۸	نمازی سے آگے گزرنے والے کے لئے کیا وعید ہے؟
۲۹	نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟
۳۱	نقش و نگار والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا
۳۲	عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا
۳۳	دعاء قنوت نازلہ میں اضافہ کرنا
۳۴	قنوت نازلہ
۳۴	قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل
۳۶	نماز استخارہ
۳۶	اذان و خطبہ میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال
	بڑے اجتماعات میں مکبر مقرر کرنے کے باوجود آخری صفوں میں انتشار رہتا ہے تو ایسی صورت
۳۷	میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟
۳۷	نماز استخارہ کی اہمیت، اس کی دعا اور طریقہ
۳۹	انتظار نماز کی فضیلت و ثواب حاصل ہونے کے لئے با وضو ہونا شرط ہے
۳۹	فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ثبوت
۴۴	نماز کے بعد دعا نہ کرنے پر وعید
۴۴	ترمذی شریف کی شرح اللکوکب الدری میں ہے
۵۲	نیز بہشتی گوہر میں ہے :- مسئلہ :-
۵۲	مؤذن کو دعا شروع کرتے وقت اللھم آمین کہنے کا پابند بنانا
۵۳	عید کے دن خطبہ کے بعد اہتمام و التزام سے دعا مانگنا
۵۳	فجر اور عصر میں امام سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے کس طرف رخ کر کے بیٹھے
۵۴	فرض نماز کے بعد عاجز مانگے یا سرا؟
۵۵	فرض نماز کے بعد آواز سے دعا مانگنا
۵۵	نماز کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے
۵۵	فرض نماز کے بعد کوئی دعا پڑھی جائے
۵۶	فرض نماز کے بعد مسنون دعاء

صفحہ	مضمون
۵۷	فجر اور عصر میں امام دعاء کے لئے کس طرف منہ کرے؟
۵۷	نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا:
۵۸	دعاء مانورہ میں اضافہ:
۵۸	فرض نمازوں کے بعد سنن و نوافل سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھنا (دعاء ثانی)
۶۵	ایک بنیادی نکتہ جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہئے:
۶۶	نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا:
۶۶	استفسار:-
۶۸	عید کی نماز کے بعد دعا کرنا:
۷۰	فرض نماز کے بعد امام جہر او دعائے یاسر:
۷۵	فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتوے پر اشکال اور اس کا جواب:
۷۶	دعا نماز کے بعد کرے، خطبہ کے بعد ثابت نہیں:
۷۶	دعاء ثانی (فاتحہ) کرنا کیسا ہے؟
۸۰	دعا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟
۸۰	فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار:
۸۱	فجر و عصر کی نماز کے بعد قبل دعائے امام چلے جانا:
۸۱	بعد نماز جمعہ دعاء:
۸۱	نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا:
۸۲	کچھ لوگ جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکے تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟
۸۲	اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم ملازم کو دوکان پر بٹھا کر دوکان کھلی رکھنا:
۸۲	پہلی اذان جمعہ کے بعد امام کہاں بیٹھے؟
۸۳	جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہنا:
۸۳	صحیح جمعہ کے لئے اذان عام والے مسئلہ پر ایک مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا مفصل جواب!:
۸۹	مسافر اور نماز جمعہ:
۸۹	پچیس سو کی بستی ہے وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

صفحہ	مضمون
۹۰	مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟
۹۰	نمبر اذان اول کے بعد کاروبار کرنا نمبر ۲ سنت ادا کرنے سے پہلے دنیوی کام کرنا:
۹۱	ویران عید گاہ کو آباد کرنا اور بوقت توسیع محراب و منبر توڑ کر وسط میں بنانا:
۹۱	چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا:
۹۲	نماز جمعہ کی فضیلت اور کاروبار بند کرنا:
۹۳	چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز کیوں صحیح نہیں؟
۹۳	نماز جمعہ کی جماعت دوبارہ کرنا:
۹۴	جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا:
۹۴	گاؤں میں مسجد نہیں ہے تو نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں:
۹۴	نماز جمعہ جہاں صحیح نہ ہو وہاں سے دوسری جگہ جانا کیسا ہے؟
۹۵	نماز جمعہ کے قعدہ میں شرکت:
۹۵	ظہر و جمعہ کی سنت میں جماعت و خطبہ شروع ہو جائے:
۹۵	نماز جمعہ کے قعدہ میں شرکت:
۹۵	جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال:
۹۶	نماز جمعہ کی مسنون قرأت:
۹۷	نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر میں کوئی سورۃ پڑھنا مسنون ہے؟
۹۷	کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟
۹۸	جمعہ کے دن بوقت استواء نماز کا حکم:
۱۰۰	فنائے مصر سے باہر رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟
۱۰۰	چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:
۱۰۱	گاؤں قصبہ بن جائے تو نماز جمعہ وعیدین کا حکم:
۱۰۱	نماز جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں:
۱۰۲	صحت جمعہ کے لئے کس قدر آبادی شرط ہے؟
۱۰۲	رویدار میں نماز جمعہ وعیدین صحیح ہے یا نہیں؟

صفحہ	مضمون
۱۰۳	ملازمت کی وجہ سے جمعہ معاف اور ساقط نہیں ہوتا:
۱۰۴	شہر میں زیادہ مسجدیں ہوں تو جمعہ کہاں ادا کیا جائے؟:
۱۰۵	شب جمعہ میں جماع کی فضیلت:
۱۰۶	جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ الم سجدہ اور سورۃ دہر کی قرأت:
۱۰۶	صفوں کی درستگی کے انتظار میں نماز شروع کرنے میں تاخیر کرنا:
۱۰۸	جمعہ کے دن زوال کے بعد کب اذان دی جائے:
۱۰۸	جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے دینا کیسا ہے؟:
۱۱۱	جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعتیں؟:
۱۱۲	جمعہ کی نماز زوال سے پہلے صحیح نہیں ہے:
۱۱۴	کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے:
۱۱۷	ایک مسجد میں جمعہ کی دو جماعتیں کرنا:
۱۱۸	ایک مسجد میں تکرار جمعہ
۱۱۹	چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کیا جائے تو امام صاحب کیا کریں؟:
۱۱۹	سوال میں درج شدہ بستی میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟:
۱۲۰	جمعہ کی نماز ایک سے زیادہ مسجدوں میں ادا کرنا:
۱۲۱	گاؤں میں متروکہ جمعہ پھر سے جاری کرنا:
۱۲۳	شافعی مساجد میں نماز جمعہ:
۱۲۴	نماز جمعہ نئی مسجد میں پڑھیں یا پرانی میں:
۱۲۴	کارخانہ میں نماز جمعہ:
۱۲۵	عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز:
۱۲۵	عبادت خانہ میں دوبارہ جمعہ پڑھنا:
۱۲۶	فیکٹری میں نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو:
۱۲۶	جمعہ کے لئے دکان کب بند کرے؟:
۱۲۷	ہمیشہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے:
۱۲۷	بیان و خطبہ کے وقت چندہ کرنا:

صفحہ	مضمون
۱۲۸	خطبہ کے درمیان بچوں کو شرارت کرنے سے روکنا:
۱۲۸	خطبہ کے وقت پٹکا جھلنا کیسا ہے؟
۱۲۸	دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:
۱۲۹	خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا:
۱۲۹	خطبہ کے شروع میں دو مرتبہ الحمد للہ پڑھنا:
۱۳۰	خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا:
۱۳۰	عیدین کے موقع پر چندہ کرنا:
۱۳۰	کیا ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے؟
۱۳۱	عیدین کے خطبہ میں حاضرین کا تکبیر کہنا:
۱۳۱	ظہر و جمعہ کی سنت میں جماعت و خطبہ شروع ہو جائے:
۱۳۲	خطبہ ثانیہ میں خلفائے راشدین کا ذکر خیر:
۱۳۲	خطبہ میں عصا پکڑنا مستنون ہے یا نہیں؟
۱۳۲	خطبہ کے وقت درود شریف پڑھے یا نہیں:
۱۳۳	جمعہ کے خطبہ کے وقت پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا کیسا ہے؟
۱۳۳	خطبہ پڑھنے کے بعد وضو کی حاجت ہو تو خطبہ کا اعادہ ہو گا یا نہیں؟
۱۳۳	خطبہ اور نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:
۱۳۴	جمعہ کے دن عید آجائے تو خطبہ کا حکم:
۱۳۵	کیا خطبہ کے بعد وضو کرنے سے خطبہ دوبارہ پڑھا جائے:
۱۳۵	خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھنا:
۱۳۵	خطبہ میں آیہ کریمہ ”ان اللہ الخ“ پڑھنے پر حاضرین کا درود پڑھنا:
۱۳۶	کیا خطیب کے لئے نہی عن المنکر جائز ہے؟
۱۳۶	خطبوں کے درمیان کا جلسہ:
۱۳۶	خطیب عصا کس ہاتھ میں پکڑے؟
۱۳۶	خطبہ کس زبان میں پڑھا جائے:
۱۴۰	خطبہ پڑھنے کا طریقہ:

صفحہ	مضمون
۱۴۰	خطبہ سے پہلے احکام دین کا بیان اور وعظ:
۱۴۲	خطبہ کی بابت مزید وضاحت:
۱۴۳	رفع اشتباہ:
۱۴۵	خطبہ میں بدعت سے اجتناب:
۱۴۶	خطبہ عید سننے کا طریقہ:
۱۴۶	خطبہ کے وقت تقریر سننا افضل ہے یا تلاوت قرآن:
۱۴۶	اذان خطبہ کے جواب دینے کا حکم:
۱۴۷	بوقت خطبہ عصا لینا:
۱۴۸	عید و جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا:
۱۴۹	خطبہ جمعہ میں پڑھی جانے والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ، رضی اللہ عنہ کا اضافہ:
۱۴۹	خطبہ جمعہ سے پہلے امام کا منبر پر چڑھ کر اردو ترجمہ سنانا کیسا ہے:
۱۵۰	عید کی نماز دوسری مرتبہ پڑھنا:
۱۵۰	کھیل کود کے میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں؟
۱۵۱	عورتوں پر عید کی نماز ہے یا نہیں؟ اور وہ عید گاہ جائیں یا نہیں؟
۱۵۱	تفصیلی جواب:
۱۵۲	امام عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زائد بھول جائے تو کیا کرے؟
۱۵۳	ایک ہی جگہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز دو مرتبہ پڑھنا اور امام کے لئے چندہ کرنا
۱۵۳	عید کے دن فجر کی نماز نہ پڑھی تو؟
۱۵۳	عید کی نماز سے پہلے حاضرین کا آواز ملا کر زور سے تکبیر وغیرہ پڑھنا:
۱۵۵	تکبیر قبل از خطبہ عیدین:
۱۵۵	عیدین کا وقت:
۱۵۶	محلہ کی مسجد میں عذر شرعی کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا:
۱۵۶	عورتوں کا مسجد و عید گاہ میں جانا کیسا ہے؟
۱۶۵	قبرستان کی خالی جگہ میں عید کی نماز پڑھنا اور اس جگہ کو مصلحتاً عید گاہ بنانا:

مضمون

صفحہ

- ۱۶۶ ہر شہر کی عید گاہ الگ ہونی چاہئے۔
- ۱۶۶ بیمار اور ضعیفوں کے لئے جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا:
- ۱۶۷ عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرنا:
- ۱۶۷ عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے:
- ۱۶۷ امام نے دوسری رکعت میں چھٹی ہوئی تکبیر کہی، اس وقت مقتدیوں نے رکوع کر لیا تو؟:
- ۱۶۸ عید کے روز نماز عید سے پہلے نفل کا حکم:
- ۱۶۸ حنفی کا اقتداء کرنا شافعی کے پیچھے:
- ۱۶۸ نماز عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہے تو کیا حکم ہے:
- ۱۶۹ نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے:
- ۱۶۹ عید گاہ میں دوبارہ جماعت کرنا:
- ۱۶۹ نماز عید کے لئے حجرہ کرایہ پر لینا:
- ۱۷۱ تکبیرات عید بھول جائے تو کیا حکم ہے:
- ۱۷۱ نماز عید کی ترکیب:
- ۱۷۲ عورتوں کے لئے احکام عید:
- ۱۷۲ نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:
- ۱۷۲ نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:
- ۱۷۱ عید گاہ جانے سے قبل مسنون کیا ہے؟:
- ۱۷۳ عید گاہ بننے تک کسی میدان میں نماز پڑھیں:
- ۱۷۳ عید گاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:
- ۱۷۴ نماز عید میں بعد میں شریک ہونے والا زوائد تکبیر کب کہے؟:
- ۱۷۵ نماز عیدین کھلیان میں:
- ۱۷۵ نماز عید کے لئے مالک زمین سے اجازت لے لینی چاہئے:
- ۱۷۵ نماز عید دوبارہ پڑھنا:
- ۱۷۵ تکبیر تشریق ایک بار کہے یا تین بار؟:
- ۱۷۵ ایام تشریق میں تکبیرات پڑھنے کا حکم:

صفحہ	مضمون
۱۷۶	نماز عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟
۱۷۶	عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کھانا:
۱۷۷	”تکبیر تشریق کے متعلق“
۱۷۷	بڑے شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز اور عید گاہ قائم کرنا:
۱۷۸	عید گاہ اور عید کی نماز سے متعلق چند اہم مسائل:
۱۸۰	مشرقی سمت عید گاہ بنانا:
۱۸۰	حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟
۱۸۰	عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے:
۱۸۱	نماز عید محلہ در محلہ:
۱۸۲	کیا مسبوق پر تکبیر تشریق واجب ہے:
۱۸۲	نماز عیدین سے پہلے تکبیر تشریق پڑھانا:
۱۸۲	عید گاہ کے قرب و جوار میں قبریں ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟
۱۸۳	نماز عیدین میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال؟
۱۸۳	شہر کے بالکل قریب واقع زمین کو عید گاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟
۱۸۴	عید کی نماز کے لئے جانے والے لوگوں کو نماز سے روکنا کیسا ہے؟
۱۸۴	عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں تقریر اور بیان کا پروگرام افضل ہے یا تکبیر تشریق پڑھنا پڑھانا:
۱۸۵	ایام نحر میں تکبیر تشریق جہرا کہنی چاہئے:
۱۸۵	نماز عید کا عید گاہ میں سنت مؤکدہ ہونا اور اس کے تارک کا حکم:
	مسائل تراویح
۱۸۷	تراویح میں دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا:
۱۸۷	تراویح پڑھی اور روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟
۱۸۷	تراویح پڑھانے والا پابند شرع نہ ہو تو شرعی حکم:
۱۸۸	تراویح پڑھنے والے کو لقمہ کون دے؟

صفحہ	مضمون
۱۸۸	بیس ۲۰ رکعت تراویح سنت مؤکدہ
۱۸۸	سامرودی صاحب کے اعتراضات اور مفصل جوابات
۱۹۱	(۱) طحاوی:
۱۹۲	(۲) مراقی الفلاح:
۱۹۲	(۳) الاشباہ والنظائر:
۱۹۲	(۴) لطائف قاسمی:
۱۹۲	(۵) حضرت علامہ انور کشمیری:
۱۹۳	(۶) علامہ ابن ہمام:
۱۹۳	(۷) عینی شرح بخاری:
۱۹۳	(۸) علامہ حلبی:
۱۹۴	(۹) علامہ ملا علی قاری:
۱۹۴	(۱۰) طحاوی شریف:
۱۹۴	احادیث اور حضرات محدثین و ائمہ مجتہدین کے اقوال و ارشادات تفصیلی جائزہ
۲۰۱	سنجیدہ تنقیحات - منصفانہ فیصلے کے لئے عادلانہ شرائط اور ان کے تقاضے
۲۰۳	صحابہ کرام اور بدعت سے نفرت:
۲۰۴	(۱) بانی بدعت سے سلام بند:
۲۰۴	(۲) اذان کے بعد تہویب پر اظہار نفرت:
۲۰۵	(۵) خلاف سنت تقریب سے مقاطعہ:
۲۰۵	(۶) تلبیہ کے ایک لفظ کے اضافہ سے ناراضگی:
۲۰۵	(۸) بے وقت نوافل پر تنبیہ:
۲۰۶	(۱۰) مسنون وقت سے پہلے خطبہ پر حاکم وقت کو تنبیہ:
۲۰۶	(۱۱) بہتیت مسنونہ کے خلاف خطبہ پڑھنے پر عتاب اور برہمی:
۲۰۶	(۱۲) غلط فتوے پر حاکم اور قاضی (جج) کو تنبیہ:
۲۰۶	(۱۳) عایا خطبہ میں خلاف سنت باتھراٹھانے پر تنبیہ:

صفحہ	مضمون
۲۰۷	(۱۶) خلاف سنت تسبیح و تہلیل اور ذکر اللہ پر ناراضگی:
۲۰۹	اتباع سنت کا شوق:
۲۱۲	تراویح اور حفاظت قرآن
۲۱۲	ان علینا جمعہ وقرآنہ
۲۱۲	وضاحت:
	جماعت صحابہ معیار حق ہے
۲۱۶	کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں
۲۲۱	بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات
۲۲۱	دلیل اول:
۲۲۵	دلیل ثانی:-
۲۲۶	بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب کا ایک شگوفہ اور اس کی تردید:
۲۳۰	تراویح اور وتر کے متعلق متفرق مسائل
۲۳۲	وتر پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے والا:
۲۳۲	تراویح کی نیت سے وتر کی اقتدا کی تو شرعاً کیا حکم ہے؟
۲۳۳	عورتوں کو تراویح میں جماعت کرنا کیسا ہے؟
۲۳۳	تراویح میں چار رکعات کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟
۲۳۳	وتر نماز میں تراویح کی نیت کرنا شرعاً کیسا ہے؟
۲۳۳	نابالغ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے؟
۲۳۳	نابالغ بچہ تراویح میں لقمہ دے تو کیا حکم ہے؟
۲۳۳	تراویح میں سجدہ تلاوت کے بعد سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟
۲۳۳	نماز عشاء باجماعت پڑھنے والا تراویح گھر پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟
۲۳۳	تراویح پڑھانے پر معاوضہ:
۲۳۵	امام تراویح وغیرہ میں قرأت کیسی آواز سے پڑھے:
۲۳۶	تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے؟
۲۳۶	فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے وقت آیت سجدہ امام سے سنے تو کیا حکم ہے؟

صفحہ	مضمون
۲۳۶	تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں
۲۳۷	تراویح یا جماعت سنت ہے یا نہیں؟
۲۳۷	داڑھی منڈھے کا تراویح پڑھانا:
۲۳۷	تابالغ کو امام بنانا:
۲۳۸	تراویح سمجھ کر وتر میں اقتداء کرنا:
۲۳۸	تراویح میں قرأت قرآن کے وقت بیٹھے رہنا:
۲۳۸	مقتدی تراویح میں قعدۂ اخیرہ میں سو جائے:
۲۳۸	یکبارگی تراویح میں بیس ۲۰ رکعت کی نیت کرنا:
۲۳۹	تراویح کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے:
۲۳۹	رکعات تراویح میں اختلاف واقع ہو جائے
۲۳۹	نماز عشاء تنہا پڑھنے والا تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے
۲۳۹	تراویح میں درمیان سورہ بسم اللہ جہر پڑھی جائے یا سرا:
۲۴۰	بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا مانگنا کیسا ہے؟
۱۴۱	تراویح میں ختم قرآن کے وقت آخری رکعت میں اَلَمْ سے مفلحون تک پڑھنا:
۲۴۱	کیا قرآن کی تراویح پڑھانا ابام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟
۲۴۲	ادائیگی سنن کے بغیر تراویح میں شامل ہو سکتا ہے؟
۲۴۲	جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی اس کے پیچھے تراویح پڑھی گئی تو
۲۴۲	تراویح کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے:
۲۴۲	جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت ادا کر سکتا ہے یہی صحیح ہے!:
۲۴۳	تراویح پڑھانے والے کو خوشی سے ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ قبول کر سکتا ہے یا نہیں؟
۲۴۳	تراویح میں سجدہ سہونہ کیا تو دو رکعتیں قابل اعادہ ہیں:
۲۴۳	تراویح میں ختم قرآن کے بعد شیرینی تقسیم کرنا!:
۲۴۴	چند حفاظ مل کر تراویح پڑھائیں تو درست ہے یا نہیں؟
۲۴۴	ترویحوں میں سوال میں مندرج کلمات پڑھنا کیسا ہے؟
۲۴۵	تراویح پر اجرت لینا:

صفحہ	مضمون
۲۳۶	تراویح میں دوسری رکعت میں قرائت طویل کرنا:
۲۳۶	تراویح کے بعد باری باری ہر گھر پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے:
۲۳۶	امام تراویح سامع کا لقمہ لینے تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے؟:
۲۳۷	ایک شخص فرض اور وتر پڑھائے اور حافظ صرف تراویح پڑھائے تو کیسا ہے؟:
۲۳۷	تراویح میں تنہا عورتوں کی جماعت:
۲۳۸	میں رکعت تراویح سنت ہے یا بدعت ہے:
۲۳۹	تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے:
	ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں ادا کیں، دو رکعت پر نہ قعدہ کیا
۲۵۳	اور نہ سجدہ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟:
۲۵۳	تراویح کی دو جماعتیں کرنا:
۲۵۵	گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے مائک میں تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:
۲۵۵	تراویح کی تین رکعتیں پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟:
۲۵۵	تراویح میں دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا اور چار رکعت پر قعدہ کیا تو کیا حکم ہے؟:
۲۵۶	تراویح پڑھانے پر اجرت لینا اور رہینا کیوں درست نہیں؟:
۲۵۷	تراویح کے لئے نائب امام رکھا تو اصل امام کی تنخواہ کم کر سکتے ہیں یا نہیں؟:
۲۵۷	لڑکا جب پندرہ برس کا ہو جائے تو وہ شرعاً بالغ ہے تراویح پڑھا سکتا ہے:
۲۵۷	مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے:
۲۵۸	گھر میں حافظ بالغ لڑکے کی اقتداء میں محرم وغیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو کیا حکم ہے؟:
۲۵۸	ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنانا:
	(۱) رمضان المبارک میں امام و مؤذن کے لئے چندہ کرنا۔ (۲) تراویح میں ختم کے دن شیرینی
۲۵۸	تقسیم کرنا۔ (۳) امام کا اپنے شاگرد کو ختم کے دن مسجد میں تحفہ گھڑی دینا:
۲۶۰	تراویح سے متعلق ایک اہم سوال:
۲۶۳	گھر میں عورتوں کو تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:
	نماز عشاء کی چار رکعت تنہا پڑھ لینے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو کیا جماعت والی
۲۶۳	چار رکعت تراویح میں شام کی جا سکیں گی؟:

صفحہ	مضمون
۲۶۴	کیا جماعت والی نماز قضا میں شمار کی جاسکے گی؟
۲۶۴	مسجد کے اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت
۲۶۴	مسجد کا مستقل امام تراویح پڑھانے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟
۲۶۶	تراویح میں کس تاریخ کو قرآن شریف ختم کیا جائے؟
۲۶۷	تراویح میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنا ضروری ہے؟
۲۶۹	جس لڑکے کی عمر اسلامی حساب سے پندرہ سال ہو چکی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے؟
۲۷۰	جس کا پیشہ دائرہ مونیٹنگ کا ہو وہ امام تراویح بن سکتا ہے یا نہیں؟
۲۷۰	تراویح کے وقت بیٹھے رہنا اور باتیں کرنا؟
۲۷۱	تراویح کی قضا
۲۷۱	فاسد شدہ رکعت کی قرأت کا اعادہ
۲۷۱	تراویح میں سامع نے بھول سے سجدہ کی آیت پڑھ دی
۲۷۲	بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے حدیث اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے اس کے منکر سنت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور اجماع صحابہ کی خلاف ورزی کرتے والے ہیں؟
۲۸۴	بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات
۲۸۵	دلیل اول :-
۲۸۷	دلیل ثانی :-
	باب صلوٰۃ الاستسقاء
۲۸۹	نماز استسقاء کا طریقہ :-
۲۹۰	نماز استسقاء کے لئے جنگل میں کب نکالے؟

متفرقات صلوٰۃ

قنوت نازلہ کس کس نماز میں پڑھے:

(سوال ۱) قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھے یا مغرب و عشاء میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نماز جمعہ میں پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) امام طحاوی وغیرہ محققین علماء قنوت نازلہ کو نماز فجر کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔ شامی میں ہے۔ ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوة الفجر دون غیرها من الصلوة الجهریة او السریة یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کی سوا دوسری نماز میں نہیں۔ سری نماز ہو یا جہری (ج ۱ ص ۲۴۸ باب مطلب فی قنوت النازلة) بعض علماء جہری نماز میں یعنی فجر و مغرب اور عشاء اور نماز جمعہ میں پڑھنے کے بھی قائل ہیں۔ لہذا حسب حال پڑھ سکتے ہیں منع نہیں۔ فقط۔

بوقت ولادت نماز کا فرض ہونا:

(سوال ۲) ایک مولوی صاحب نے تقریر میں مسئلہ بیان کیا کہ عورت کے بچہ پیدا ہو رہا ہے سر نکلا اور اذان کی آواز سنی تو اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے کڑھا کھود کر سر اس میں رکھ کر نماز پڑھے کیا اس صورت میں نماز پڑھنی جائز ہے؟ کیا مولوی صاحب کا بیان کردہ مسئلہ درست ہے؟

(الجواب) مولوی صاحب نے نماز کی اہمیت بتائی ہے وہ صحیح ہے اسلام میں نماز پڑھنے کا بڑا مرتبہ ہے۔ بچہ سات برس کا ہو جائے تو نماز کی تاکید کا حکم ہے ورس برس ہو جانے پر نماز نہ پڑھے تو مار کر پڑھنے کا حکم ہے اگرچہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور نماز اس پر فرض نہیں ہوتی۔ بالغ جس کے ہوش و حواس صحیح ہوں بیماری سے اس پر غشی چھائی ہوئی نہ ہو یا مجنون اور پاگل نہ ہو جن عورتوں کو حیض و نفاس نہ ہو ان کے لئے نماز معاف نہیں بلکہ مؤخر کرنے کی اور قضا کرنے کی بھی اجازت نہیں وضو نہ کر سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، کھڑا نہ رہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے نماز نہ چھوڑے۔ اس حالت میں بھی معاف نہیں حتیٰ کہ جو شخص دریا میں تختہ پر پڑا ہو اور نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اعضا وضو پانی میں داخل کرے اور نماز اشارہ سے پڑھے نماز نہ چھوڑے اسی طرح جس آدمی کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور وضو و تیمم نہ کر سکے تو جس طرح ممکن ہو اپنا منہ اور دونوں ہاتھ بنیت تیمم دیوار پر گھس کر نماز پڑھے اس کو مؤخر کرنے اور ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ (مجالس الا برار عربی ص ۳۰۲) اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے جو مولوی صاحب نے تقریر میں ارشاد فرمایا ہے اگر بچہ پیدا ہو رہا ہو اور سر باہر آ گیا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خوف ہو تو ہو سکے تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے بچہ کو تحفظ کرتے ہوئے بیٹھ کر رکوع جو نہ کر سکے تو اشارے سے نماز ادا کرے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔ اگر نماز مؤخر کر دے گی تو گنہگار ہوگی۔ ولو لم تصل تکن عاصیة لو بها (اگر نماز نہ پڑھے گی تو اپنے رب کی نافرمان ہوگی۔ طحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۳۱) اب یہ بچہ کس طرح محفوظ رہے، اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً پتیلی یا ہنڈیا رکھ لے یا کوئی

گڑھا ہو تو بچہ کو اس طرف کر دے وغیرہ کہ بچہ بھی محفوظ رہے اور نماز میں پامال نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال:

(سوال ۳) ایک مسجد بہت بڑی اور مصلیٰ بھی بہت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کا جماعت خانہ بھر جانے کے بعد باہر محن پر ہو جانے کے باوجود نمازی بیچ رہتے ہیں، ایسی مسجد کے لئے امام کی قرأت سننے کے واسطے لاؤڈ اسپیکر سے آواز پہنچانا کیسا ہے؟ اور نماز کے اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(الجواب) (الف) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور کے مصلیوں تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا (صدائے گنبد کے مانند) نقلی دوسری آواز ہے، اس میں سائنسدان مختلف ہیں، نقلی آواز ہے تو اس پر اقتداء صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صحت اقتداء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کی آواز پر اقتداء کا مدار ہے وہ مکلف ہو، ورنہ جس نے اس آواز کی اقتداء کی ہے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اعلم ان الامام اذا كبر للافتاح لا بد لصحة صلوته من قصده بالكبير الا حرام والا فلا صلوٰۃ له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بين الامرین فحسن وكذا المبلغ اذا قصد به التبليغ فقط خاليا عن الاحرام فلا صلوٰۃ له ولا لمن يصلي بتبليغه في هذه الحالة لانه اقتدا بمن لم يدخل في الصلوٰۃ طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۲۸ باب صفة الصلاة من الصلاة

(ب) اور اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز گنبد کی آواز کی طرح نقلی نہیں ہے، امام کی اصلی آواز ہے تو اس صورت میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ اس سادگی اور سادگی کے خلاف ہے جو اسلامی عبادات کی خصوصیت ہے اور ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں سراسر تکلف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عبادتوں میں تشدد اور تکلف من جملة اسباب تحریف دین ہے اور یہ وہی بیماری ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے راہب مبتلا ہوئے تھے۔ (حجة الله البالغة)

(ج) اس کے علاوہ بہت زیادہ قابل توجہ یہ ہے کہ خشوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کا تماشا اس خشوع میں خلل انداز دیتا ہے، نماز کی اسی روح کے پیش نظر زیادہ چینی کرچے سے دکان پر بند فرمایا گیا ہے اور احتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ولا تجهر بصلواتک ولا تحلف بها وایع بین ذلک سبیل (بنی اسرائیل) (اور اپنی جہری نمازوں میں نہ تیز دوزور سے پڑھو نہ پائل آیت۔ ان دونوں کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو) (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۶) آیت کی تفسیر میں مفسرین نے جو تفسیر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے میں دل پر اثر ہوتا ہے اور حمد سے توجہ دھرنے میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(د) رات دن کا مشاہدہ ہے کہ بلی خراب ہو جاتی ہے یا خورد لاؤڈ اسپیکر میں خرابی آ جاتی ہے تو انتشار پیدا ہو جاتا ہے خصوصاً بچپن صنف والوں کو امام کے رکوع جہد کی خبر بھی نہیں ہوتی انتشار نماز کا خطرہ خود موجب کراہت ہے۔

(۱) ومنها الشدد وحققة اختيار عبادات شاقة لم یأمر بها الشارع كدوام للصيام والقيام والتبذل وترك التزوج وان يلتزم السنن والاداب كاللزام الواجبات وهو حديث نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن عمرو وثمان بن مظعون عما قصد من العبادات الشاقة وهو قوله صلی اللہ علیہ وسلم لن يشاء الدين احدا لا غلبه فاذا اصرها المتعمق او المتشدد معلم قوم ورنسبهم ظنوا ان هذا داء رهبان اليهود والنصارى باب احكام الدين من التحريف ج ۱ ص ۳۳۶

(۵) شریعت کی اصول ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت، خرابی کو دور کرنا اور اس سے احتراز مقدم ہے۔
 الا شباه والنظائر میں ہے وہی درء المفسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً لان اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتناءہ بالمأمورات
 (ص ۱۴ حصہ قواعد القاعدہ الخامسة الضرریّات) (یعنی) فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت خرابیوں کا دور کرنا مقدم ہے پس جب مفسدہ اور مصلحت کا تعارض ہو تو عام طور پر مفسدہ کو مصلحت پر مقدم کیا جائے گا اور ترک کر دینے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ شرعیات میں مامورات کی بہ نسبت منہیات سے احتراز کا زیادہ اہتمام اور تاکید ہے۔
 دیکھئے وضو اور غسل میں غرغره سنت ہے، مگر پانی گلے میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے ممنوع ہے، اسی طرح داڑھی کے بالوں کا خال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے ڈر سے مکروہ ہے۔

الحاصل نماز میں امام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں فائدہ کی بہ نسبت خرابی کا پلہ بھاری و غالب ہے لہذا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ نماز کی صحت اور تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے اور تکبیرات انتقال سننے کی ضرورت جن پر اقتداء اور رکوع و سجود کا مدار ہے وہ مکبرین کے انتقام سے پوری ہو جاتی ہے، رہا نماز میں دل لگنے کا مسئلہ تو کیا مغرب کی آخری رکعت میں اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعتوں اور ظہر و عصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سنائی دیتی ہے؟ ارشاد خداوندی ہے و اذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ جب قرآن شریف پڑھا جائے تو کان لگا لو اور خاموش رہو۔ یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ امام کی قرأت ضرور سنو بلکہ حکم یہ ہے کہ کان لگا لو آواز آئے یا نہ آئے کان لگانے کا ثواب مل جائے گا۔ بہر حال عبادات خصوصاً نماز کی ادائیگی میں سلف صالحین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے اور اسی میں دین و دنیا کی کامیابی اور مذکورہ بالا مفسد سے نجات ہے۔

خطبہ میں بھی اس کا استعمال مناسب نہیں ہے، خطبہ کی شان کے خلاف ہے اور کبھی بگڑ جانے کی صورت میں حاضرین میں انتشار اور تشویش پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا ہے، لہذا عدم استعمال ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۴) فتوت نازلہ پڑھنے کے متعلق اختلاف نہیں ہے مگر نماز میں پڑھنے کو کہا جاتا ہے اس لئے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے، نماز میں خلل تو نہیں آئے گا؟ یہ بتلائیں کہ کن حالات میں پڑھی جائے؟ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کس طرح نماز میں دعا مانگی ہے؟ بحوالہ کتب بتلائیں؟ وہ دعا کونسی کتاب میں ملے گی؟ اکیلا شخص پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جماعت شرط ہے؟ عورتیں پڑھ سکتی ہیں یا مردوں کے لئے ہی یہ حکم ہے؟

(الجواب) جب قومی ملی یا اجتماعی طور پر کوئی مصیبت درپیش ہو۔ مثلاً دشمن چڑھ آیا ہو یا طاعون یا ہیضہ کی وبا پھیل جائے جس سے لوگ مضطرب اور پریشان ہوں تو فتوت نازلہ پڑھی جاسکتی ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دے۔

طریقہ:

نماز فجر کی دوسری رکعت کے آخر میں جب رکوع سے اٹھیں تو قومہ میں یہ دعا پڑھی جائے۔ ہاتھ باندھنا ضروری نہیں ہے ہاتھ چھوڑے بھی جاسکتے ہیں یہی طریقہ عام طور پر رائج ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔

آواز میں خشوع ہو۔ قرأت کی آواز سے کم ہو۔ مقتدی موقع بموقع آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں اور دعاء کے الفاظ یاد ہوں تو آہستہ آہستہ ادا کرتے رہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسے مواقع پر قنوت نازلہ پڑھی ہے۔ فقہاء کرام نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لہذا بحث و انکار اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ (۱)

اس کی ابتداء بیر معونہ کے واقعہ کے بعد سے ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کے اصرار پر سترہ صحابہ کرام کو نجد کی جانب تبلیغ اور تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔ یہ منتخب حضرات تھے۔ قرآن پاک کے حافظ تھے اسی لئے ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ اوقات شب میں تلاوت کیا کرتے تھے اور دن کو لکڑیاں چن کر بسر اوقات کرتے۔ راستہ میں کچھ قبائل نے بیر معونہ مقام پر گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی جو زخمی ہو کر ایشوں کے نیچے دب گئے تھے پھر ان کو ہوش آ گیا۔ وہ بچ گئے تھے۔ انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ کو اس حادثہ کی خبر دی۔ آنحضرت ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اور کسی حادثہ پر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ قبائل جو وحشیانہ جرم کے مرتکب ہوئے تھے ان کے لئے آپ ﷺ نے بددعا کی اور ایک مہینہ تک نماز صبح میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ رمل۔ ذکوان۔ عصیہ۔ بنو لحيان وہ قبائل ہیں جو اس جرم میں پیش پیش تھے (بخاری شریف ص ۵۸۶ کتاب المعازی باب غزوۃ الرزح و رمل و ذکوان و بیر معونہ الخ) حضرت انس فرماتے ہیں کہ دعاء قنوت پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی تھی۔ عن انس۔ وذلک بدء القنوت وما کنا نقنت ایضاً۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء پر جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے مسلمانوں کے لئے دعا اور کفار کے حق میں بددعا کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی نہیں چھوڑا۔ یعنی جب کوئی سخت مصیبت پیش آئی تو قنوت نازلہ ضرور پڑھی۔ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءہ اذانا بلہم امر دعوا للمسلمین وعلی الکافرین بعد الرکوع اوقبلہ ولم یترکوا بسعنی عدم القول عند النامۃ (حجة اللہ البالغة ج ۲ ص ۲۵ اذکار الصلاة وھینا تھا المندوب الیہا قنوت الصبح) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ”مسلمہ کذاب سے جب جنگ ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نماز میں دعائے قنوت پڑھی، حضرت عمرؓ نے اہل کتاب سے مقابلہ کے وقت دعائے قنوت پڑھی حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی جنگ کے وقت دونوں نے دعائے قنوت پڑھی واما المروی عن الصحابة فنوعان احدهما قنوت عند النوازل کقنوت الصدیق رضی اللہ عنہ فی محاربة الصحابة لمسیلمة وعند محاربة اهل الکتاب وکذا لک قنوت عمرو قنوت علی عند محاربته لمعاویة واهل الشام (زاد المعاد ج ۱ ص ۷۵ قیل، فصل فی ہدیۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی سجود السہو)

(۱) قوله فقنت الاصام فی الجہریۃ یوافقه ما فی البحر و الشر نیلالیۃ عن شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الا امام فی صلاة الجہر وهو قول الثوری واحمد وکذا ما فی شرح الشیخ اسمعیل عن النہایۃ اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلاة الجہریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلاة الفجر و یؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال لعدم کلام فتکون شرعیۃ ای شرعیۃ القنوت فی النوافل مستمر وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیہ الصلاة والسلام وهو مذهبنا وعلیہ الجمهور۔ اهل القنوت هنا قبل الرکوع ام بعده لم ارہ والذی یتظہر لی ان المقتدی یتابع امامہ اذا جہر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ۔ شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی قنوت النازلة ج ۱ ص ۲۲۸

قنوت نازلہ کا حکم عام ہے مرد، عورت، امام، منفرد ہر ایک کو شامل ہے، جماعت کی قید اور مردوں کی تخصیص اور منفرد یا عورتوں کے لئے ممانعت کی صریح اور صحیح دلیل منقول نہیں ہے، قنوت الامام اس کے لئے کامل دلیل نہیں ہے (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے) لہذا منفرد اور عورتیں اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھ سکتی ہیں، مگر عورتیں زور سے نہ پڑھیں۔

صبح کی نماز کے علاوہ دوسری جہری نمازوں (مغرب و عشاء) میں قنوت پڑھنے کے متعلق فقہائے احناف میں اختلاف ہے، لہذا پڑھنے یا نہ پڑھنے پر کسی کو مجبور کرنا اور جنگ و جدال مناسب نہیں ہے (اصح السیر) زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۲۶۰۔ ۲۵۹ باب القنوت (طحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل قنوت للنازلة ج ۱ ص ۴۴۴) (شامی ج ۱ ص ۶۲۸ ایضاً)

دعائے قنوت ایک مقرر نہیں ہے، وقت اور موقعہ کے مطابق ادعیہ ماثورہ میں سے مناسب دعا پڑھ سکتے ہیں۔ ذیل کی دعا زیادہ مناسب ہے۔

اللَّهُمَّ انصُرِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ وَانْجِزْ وَعْدَكَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ
الْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ أَصْلَحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَأَنْصِرْهُمْ عَلَى عَدُوِّكَ وَعَدُوَّهُمْ اللَّهُمَّ أَهْلِكَ الْكُفْرَةَ الَّذِينَ
يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ وَيُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ وَيَقَاتِلُونَ أَوْلِيَاءَكَ اللَّهُمَّ خَالَفَ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزَلْ
أَقْدَامَهُمْ اللَّهُمَّ شَتَّ شَمْلَهُمْ وَفَرَّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرَّبْ بِلَادَهُمْ اللَّهُمَّ أَلْقِ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ اللَّهُمَّ
خُذْهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُقْتَدِرٌ اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ اللَّهُمَّ انْزِلْ بِهِمْ
بَأْسَكَ الَّذِي لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ

نوٹ:- کسی بڑے عالم کے پاس دعا پڑھ کر صحیح کر لیں تاکہ زبردستی کی غلطی نہ رہے۔ فقط۔

سودی رقم سے بنائے ہوئے گھر میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۵) یہاں انگلینڈ میں اکثر آدمیوں کے پاس ذاتی مکانات ہیں اور تقریباً ہر مکان سوسائٹی کے پاس ہے۔ سود پر رقم قرض لے کر خریدا ہے تو اب اس میں نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(الجواب) وہاں کے اصول کے مطابق سوسائٹی سے سود پر قرض لے کر بنائے ہوئے مکانوں میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ شک و شبہ سے خالی جگہ ہو تو اولیٰ ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آلہ مکبر الصوت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر (برما میں) بعض مسجدوں میں نماز کے اندر آلہ مکبر الصوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات اس کی بھدی اور کریمہ آواز سے شور و غل ہوتا ہے اور نمازی حضرات کو تہیف پہنچتی ہے۔ خشوع و خضوع میں خلل ہوتا ہے۔ لہذا اس کے متعلق مدلل و مفصل فتویٰ کی ضرورت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین سے مکان مل جاتا ہو تو ایسی صورت میں نماز مذکورہ گھروں میں مکروہ ہوگی اگر جائز ذریعہ سے نہیں ملتا تو مکروہ نہ ہوگی، کتھاوی باشیاء المحرمۃ عند عدم الشفاء فی اشیاء المبیحۃ۔

کہ اس کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرا کے مساجد میں رکھا جائے! بیوقوف جروا۔ مستفتی۔ یونس آ بوٹ (از رنگون)
 (الجواب) آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ امام کی آواز مقتدیوں کو پہنچائی جاتی ہے۔ وہ امام کی اصلی آواز ہے یا صدائے
 بازگشت کی طرح نقلی ہے اس میں ہنوز اختلاف ہے۔ جو علماء نقلی آواز فرماتے ہیں وہ نماز کے فساد کے قائل ہیں اور جن
 کے نزدیک نقلی نہیں ہے وہ فساد صلوٰۃ کا حکم تو نہیں لگاتے مگر اس آلہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ بلکہ
 ممنوع قرار دیتے ہیں اور یہی اصح اور احوط اور الاق عمل ہے۔ نماز افضل العبادات ہے۔ اس میں بڑے احتیاط کی
 ضرورت ہے۔ لہذا آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔ فی
 المبسوط السرخصی الاخذ بالا احتیاط فی العبادات واجب! یعنی کتاب مبسوط سرخصی میں ہے کہ عبادات
 کے بارے میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (ص ۱۰۶ ج ۲ باب صدقۃ الفطر) آج کل لوگوں کی بالخصوص نوجوانوں
 کی طبیعتیں فیشن پرست بن گئی ہے۔ عبادتوں میں لاؤڈ اسپیکر کی نمائش نہ ہو۔ تو انہیں لطف نہیں آتا۔ حقیقت فنا
 ہو جانے کی کچھ پرواہ نہیں خشوع اور خضوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے حضور قلب میں ضرور خلل آتا ہے۔
 ایک یہ بھی خرابی ہے کہ حاجت سے بہت زیادہ جہر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ قراءت اور تکبیر انتقالات کے جہر میں بھی
 اعتدال کا حکم ہے حاجت سے زائد کو فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے مکروہ لکھا ہے۔

(قوله بقدر حاجة الا علام الخ) وان زاد کره (درمختار باب صفة الصلاة مطلب فی
 التبلیغ خلف الامام طحطاوی ص ۳۲۸ ج ۱ و شامی ص ۴۴۳ ج ۱) ویجهر الامام وجوباً
 بحسب الجماعة فان زاد علیه اساء! درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۹۷ فصل فی القراءة) اس کا
 عام رواج ہو گیا تو امام کی آواز پہنچ جانے پر بھی اس کا استعمال ہوتا رہے گا (عوام کا حدود میں رہنا عادتہ محال ہے) اور
 اس صورت کا ناجائز اور بدعت مکروہ ہونا ظاہر ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ امام کی تکبیروں کی آواز مقتدیوں
 تک پہنچ رہی ہو تو مکبرین کا تقرر یعنی تکبیر کہنے کے لئے لوگوں کو کھڑا کر دینا مکروہ اور بدعت ہے۔ چاروں اماموں کا یہی
 مسلک ہے۔ ”رد المحتار“ میں ہے۔ واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه بان بلغهم صوت الامام مکروہ
 وفي السیرة الحلبة اتفق الا ئمة الاربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منكرة ای مکروہہ (شامی
 ص ۴۴۳ ج ۱ باب صفة الصلاة مطلب فی التبلیغ خلف الامام) لہذا ائمہ مساجد کو لازم ہے کہ نماز میں
 لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے قطعی احتراز کریں اللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر السید عبدالرحیم اولاد جعفری غفرلہ اللہ ولوالدیہ (راندیر سورت) احقر کی یہ تحقیق ہندوپاک کے
 بے مثال و ممتاز ترین مفتیان کرام کی تحقیق کے مطابق ہے۔ میری تنہا تحقیق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) فقیہ امت مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ!

”لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ وعیدین میں استعمال کرنا جائز ہے۔ مگر امام کی قرأت کو بلند کرنے کے لئے اس کا
 استعمال جائز نہیں ہے۔“ (رسالہ لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ ص ۴)

(۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب مدظلہ

سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

”جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی، پڑھائی جائے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز کو نادرست کہتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقے سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علمائے کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہو جائے اور وہ پرانے طریقے پر، کہ جب مجمع زیادہ ہو تو مکملین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔“ (۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔)

(۳) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ

مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

”یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء اس نماز کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں۔ احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔“ (۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔)

(۴) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب مدظلہ دامت برکاتہم

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

”لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔“ (ماہنامہ ”نظام“ کا پیوری ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ۔)

(۵) حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ

(الجواب) کچھ علماء تو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز ہی نہیں کہتے۔ ان کی تحقیق کے بموجب ان مقتدیوں کی نماز ہی نہیں ہوتی جو صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع کریں اور امام کی اصلی آواز ان کو نہ پہنچے۔ اور جو حضرات جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی اس کو پسندیدہ اور بہتر نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایجاد جدید ہے۔ سلف صالح کی سنت سے نا آشنا ضروریات اور لوازم سے خارج ہے، آداب نماز کے لحاظ سے قطعاً زائد بلکہ بعض آداب مثلاً خشوع و خضوع کے منافی۔ لہذا اس کا استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔ (روزنامہ الجمعۃ نمبر ۱۹۷۱ء۔)

(۶) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدظلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

اس آلہ کا استعمال نماز میں جائز نہیں۔ اور چونکہ علماء کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ اس آلہ پر نماز صحیح ہو جاتی ہے (فاسد نہیں ہوتی) مگر ابھی تک یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر نماز کے فساد کا حکم تو نہیں دیا جائے گا۔ مگر نماز اہم عبادات سے ہے اور اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ ملک العلماء "بدائع" میں لکھتے ہیں۔ "ان الصلوة اذا ترددت بین الجواز والفساد کان الحکم بالفساد اولیٰ وان کان للجواز وجوہ وللفساد وجد واحد لان الوجوب کان ثابتاً بالیقین فلا یسقط بالشک۔ اس لئے حتی الوسع اس پر نماز ادا نہ کی جائے (۵) محرم الحرام ۱۳۸۸ھ)۔

(۷) (۱) الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین صاحب مدظلہ

(مفتی مظاہر علوم سہارنپور)

(۲) الجواب صحیح مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب

مفتی مظاہر علوم سہارنپور (۷ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ)

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان کا فتویٰ

"نماز میں آلہ ملکہ الصوت کے استعمال پر احقر کی آخری رائے یہ ہے کہ اس کے مفاسد اس کی مصلحت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے نماز میں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور ترک و منع ہی کا فتویٰ دینا چاہئے۔" (آلہ ملکہ الصوت کے شرعی احکام) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے متعلق سہارن پور کا ایک تازہ فتویٰ:

(سوال ۷) کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان عظام و علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں: ہمارے یہاں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بہت عام ہوتا جا رہا ہے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی مساجد میں بھی اس کے استعمال کا رواج ہو رہا ہے اب دریافت طلب چند امور ہیں۔

(۱) بڑی مساجد میں نمازیوں کی کثرت اور ہجوم کے وقت اس آلہ کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟
(۲) آخری صفوں کے معتدیوں کا امام کی آواز سننا شرعاً ضروری ہے یا مستحب ہے یا اولیٰ ہے کہ امام کی قرائت کی آواز ان تک پہنچے؟

(۳) اگر نمازیوں کو جماعت کی نماز میں قرائت کی آواز سننے بغیر دلجمعی حاصل نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں اس آلہ کے استعمال کی شرعاً ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً:۔ (۱) نماز اس آلہ کے استعمال کرنے میں متعدد مفاسد ہیں، جن کی بناء پر اس آلہ کا استعمال

نمازیوں میں درست و مناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے، سادہ اور مسنون طریقہ کے موافق بڑی جماعتوں میں مکہرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز کو آخری صفوں تک پہنچایا جائے۔ یہ طریقہ مفاسد سے پاک ہے۔ البتہ مکہرین کا انتظام عمدہ طریقہ پر کیا جائے (مفاسد کی تفصیل رسالہ۔) ”آلات جدیدہ کے شرعی احکام“ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) آخری صفوں کے نمازیوں کو امام کی قرأت کا پہنچانا نہ ضروری ہے۔ نہ امام کے ذمہ لازم ہے بلکہ امام کو اپنی متوسط طاقت کے مطابق آواز بلند کرنے کا حکم ہے۔ طاقت سے زیادہ جہر کرنے والے امام کو اسات کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

(۳) ایسی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فقط

(کتبہ حضرت مولانا مفتی) یحییٰ غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظہر حسین ۲۴-۹۲/۹ھ۔ (فتویٰ نمبر ۱۱۴۶)

حضرت مفتی صاحب دامت فیوضہم کا جواب صحیح اور قواعد اصول کے عین مطابق اور ضروری العمل ہے نماز افضل عبادت ہے سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق بلا تکلف و بلا تصنع ادا کرنا چاہئے۔ علیکم بزمذہب السلف الصالح امشوا فی الجادة المستقیمة، لا تشبیه ولا تعطیل، بل اتباعاً لسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من غیر تکلف، ولا تطیع ولا تشدد ولا تمشدد، ولا تمعقل یسعکم من کان قبلکم یعنی لازم پکڑوں سلف صالحین کی مذہب کو، چلو راہ مستقیم پر جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ اتباع ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بلا تکلف، بلا تصنع بلا تشدد اور لسانی اور عقل کے گھوڑے دوڑائے بغیر جس قدر تمہارے اگلوں نے گنجائش سمجھی تم بھی سمجھو۔ (الفتح الربانی مع ترجمہ ص ۶۰) لہذا اس کے ادا کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتاب مبسوط سرخسی میں ہے ”الاخذ بالاحتیاط فی العبادات واجب یعنی عبادات میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا اور تکلفات سے بچنا لازم ہے۔ لہذا نماز کو لاؤڈ اسپیکر کے بے جا تکلفات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ حضور قلب اور توجہ کے لئے نفل ہے۔ نماز کی صحت یا تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو ظہر اور عصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی جبری ہوتی۔ نیز عشاء اور مغرب کی کچھلی رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی، البتہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز سنانا ضروری ہے تو اس کے لئے بڑی جماعت میں جب کہ امام کی آواز کچھلی صفوں کو نہ پہنچتی ہو۔ تو شریعت نے مکہرین قائم کرنے کی خاص ہدایت کی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فتوت نازلہ کب پڑھی جائے؟

(سوال ۸) مسلمانوں کی اسرائیل کے ساتھ بہت شدید جنگ چل رہی ہے مسلمانوں کے حالات ناسازگار معلوم ہوتے ہیں تو کیا ہمیں فجر کی نماز میں فتوت نازلہ پڑھنے کی اجازت ہے؟ یہاں اطراف کے بعض دیہات والوں نے فتوت نازلہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ اس کے شرائط اس وقت پائے جا رہے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مذکورہ حالت کا تقاضا یہ ہے کہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھی جائے، دوسری جہری نمازوں میں بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔^(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

(سوال ۹) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کا کیا حکم؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اگرچہ نماز درست ہو جاتی ہے مگر اس کا استعمال نماز کے مناسب نہیں ہے اور خلاف احتیاط ہے لہذا اخالی از کرامت نہیں۔ فی مبسوط السرخسی بالا خذا بالا احتیاط فی باب العبادات واجب۔ یعنی مبسوط سرخسی میں ہے کہ باب عبادات میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۸۴ باب صدقة الفطر)

اور اگر امام کی تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات کی آواز آخری صف والوں کو پہنچ جاتی ہے تو اس صورت میں جس طرح مکبر کا تعین بالاتفاق ممنوع و بدعت ہے اسی طرح لاؤڈ اسپیکر رکھنا بھی ناجائز اور بدعت مکروہ ہوگا۔

واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیہ بان بلغہم صوت الامام مکروہ و فی الذخیرۃ و فی السیرۃ الحلیۃ اتفق الائمۃ الاربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منکرۃ ای مکروہۃ (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ صفة الصلاة مطلب فی تبلیغ خلف الامام) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ شوال ۱۴۰۸ھ

نمازی سے آگے گزرنے والے کے لئے کیا وعید ہے؟:

(سوال ۱۰) مسجد میں سنت و نوافل پڑھنے والوں کے آگے سے لوگ گزرتے ہیں باوجود منع کرنے کے نہیں رکتے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) نماز کا احترام ضروری ہے نمازی اپنے مولیٰ سے گفتگو کرتا ہے اور دنیوی ماحول میں باہم گفتگو کرنے والوں کے درمیان سے گزرنے والا ہے۔ تو خدا پاک اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والا کس قدر برا ہوگا۔ اس سے نمازی کے خشوع و خضوع میں خلل آتا ہے لہذا اس کے آگے سے گزرنے والے کو حدیث میں شیطان کہا ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع الصلوۃ منشی وادری واما استطعتم فانما هو شیطان۔ رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۷۴ وعن ابی جہم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم الماریین یدی المصلی ما ذا علیہ لکان ان یقف خیراً لہ من ان یمر بین یدیه

قال ابو النضر لا ادری قال اربعین یوماً او شہراً او سنة متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۷۴) وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم احدکم ماله فی ان یمر بین یدی اخیه معترضاً فی الصلوۃ کان لان یمم ما تہ عام خیر لہ من الخطوۃ الی خطا رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۷۴ باب السترة) کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر جان لے کہ اس کا وبال کس قدر سخت اور سنگین ہے تو برسوں کھڑا رہے گا۔ مگر آگے سے گزرنے کی ہمت نہ کرے گا۔ نمازی کو بھی چاہئے کہ ایسی جگہ نماز نہ پڑھے یا اپنے

(۱) فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا بأس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلہ ج ۱ ص ۲۲۸

آگے سترہ رکھ لے۔ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ یا دو بالشت اور موٹائی ایک انگل کے برابر ہو (شامی ج ۱ ص ۵۹۵) (۱) بعض جگہ لوگ صحن میں سنت پڑھتے ہیں اور اس کے برآمدہ میں سے لوگ گذرتے ہیں اور برآمدہ صحن سے کچھ اونچا ہوتا ہے اس کو سترہ خیال کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ لہذا نمازی کے آگے برآمدہ میں سے گذرنے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ حرم شریف میں نمازیوں کے آگے سے لوگ گذرتے ہیں اس پر یہاں کی مسجدوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالاسواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۱) نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس کے ذریعہ جو آواز مصلیٰ تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے نقلی نہیں ہے یہ تحقیق ہو چکی ہے، تو اب میرے خیال میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی مولانا جمیل الرحمن صاحب کا لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہونے کا تازہ فتویٰ، جس پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے دستخط بھی ہیں، ”الجمعیۃ“ شیخ الاسلام نمبر ۶۰۵ کالم دو پر شائع ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ”لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا درست ہے اور دور و نزدیک کی صفوں کو اس آواز پر اقتدا کرنا صحیح ہے۔“

(الجواب) جس وقت اہل سائنس کی تحقیق اور تجربہ یہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کی جو آواز دور کے مقتدی کو پہنچتی ہے، وہ اصلی آواز نہیں نقلی ہوتی ہے۔ اس وقت علماء نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء کی عدم صحت اور فساد صلوٰۃ کا فتویٰ دیا تھا، اب جب سے سائنسدانوں کی رائے بدل گئی کہ نقلی نہیں اصلی آواز ہے اس وقت سے علماء کا فتویٰ بھی بدل گیا ہے، لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء صحیح ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر صحت اقتداء اور عدم فساد صلوٰۃ کا مسئلہ حل ہو جانے سے دوسری وجوہات ممانعت و کراہت دور نہیں ہو سکتیں وہ تو اپنی جگہ پر قائم ہیں، لہذا اعلیٰ الاطلاق اور عام طور پر اجازت کا فتویٰ اور استعمال کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا محض اتنی گنجائش نکلی کہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے، فاسد اور واجب الاعادہ نہیں کراہت کی چند وجہ یہ ہیں: (۱) نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر بگڑ جاتا ہے تو لامحالہ دور کی صفوں کی نماز میں خلفشار اور پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے درء المفسد اولیٰ من جلب المنافع (یعنی) فائدے حاصل کرنے کی نسبت خرابیوں کو دور کرنا اور ان سے احتراز کرنا مقدم اور ضروری ہے جب فائدے کیساتھ خرابی بھی ہو تو خرابی سے بچنے کے لئے مامور بہ فعل (مثلاً نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال) سے باز رہنا ضروری ہے، دیکھئے وضو اور غسل میں غرغره کرنا اور ناک کے اندر اخیر تک پانی پہنچانا مسنون ہے مگر حلق میں پانی اتر جانے کے خوف اور دماغ پر پانی چرہ جانے کے احتمال کی وجہ سے روزہ دار کے لئے ممنوع اور مکروہ ہے، نیز بالوں کا خلال کرنا مسنون ہے مگر بال کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالت احرام میں بالوں کا خلال منع اور مکروہ ہے (الاشباء والنظائر ص ۱۱۴-۱۱۵ القاعدۃ الخامس الضرر یزال)

(۲) لاؤڈ اسپیکر میں قراءت اور تکبیروں کی آواز ضرورت سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے اور اعتدال اور کنٹرول میں نہیں رہتی، حالانکہ قراءت و رکوع و سجود کی تکبیرات میں آواز میں اعتدال کا حکم ہے، حد سے زیادہ آواز نکالنا

(۱) ویغرز ند با بدائع الامام و کذا المنفرد وفي الصحراء ونحوها سترۃ بقدر ذراع طولا و غلط اصبع لتبدو للناظر بقرب قبیل مکروہات الصلاۃ ص ۵۹۶

مکروہ ہے (درمختار طحطاوی ص ۲۲۸ ج ۱) (قوله بقدر حاجته للاعلام الخ) وان زاد مکروہ (شامی ج ۱ ص ۲۲۳ باب صفة الصلاة مطلب فی التبلیغ خلف الامام) ویجہر الامام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد علیه اساء (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۲۹۷ فصل فی القراءة)

(۳) لاؤڈ اسپیکر کی حد سے زیادہ بلند آواز کے سبب سے خشوع و خضوع اور حضور قلب میں (جو نماز کی روح ہے) خلل پڑتا ہے۔ آیت کریمہ ولا تجہر بصلواتک ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلا (بنی اسرائیل) (اور اپنی نماز میں نہ تو بہت زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ سے، دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرلو) کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے اور حد سے زیادہ میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(۴) لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سراسر تکلف ہے، حالانکہ عبادات میں خصوصاً نماز میں سادگی اختیار کرنے اور تکلف سے احتراز کرنے کا خاص اہتمام ہے حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ”عبادات میں تشدد اور تکلفات برتنا دین کی تحریفات کے وجہ میں سے ہے اور یہ یہود و نصاریٰ کے راہبوں کی بیماری ہے (حجۃ اللہ الباقیہ باب احکام الدین من التحریف) (یہ حوالہ نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال، عنوان کے تحت گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ص ۱۲۱-مرتب)

(۵) لاؤڈ اسپیکر کا رواج عام ہو جانے سے امام کی آواز کافی ہونے کے باوجود اس کا استعمال ہوگا (عوام کا حدود میں رہنا عادی ناممکن ہے) اس کا ناجائز اور بدعت کبیرہ ہونا ظاہر ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ امام کی آواز مصلیوں تک پہنچ جاتی ہو تو مکبروں کا انتظام کرنا چاروں اماموں کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے۔ واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیہ بان بلغهم صوت الامام مکروہ وفي السيرة الحلبيه اتفق الاثمة الاربعة على ان التبلیغ حينئذ بدعة منكرة ای مکروہ (شامی ج ۱ ص ۲۳۲ باب صفة الصلوة مطلب فی التبلیغ خلف الامام) اسی طرح اور بھی خرابیاں ہیں۔

یہ فتویٰ پیغام جلد اول شمارہ پانچ اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کے دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۵۳ء میں کراچی (پاکستان) سے ”آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام“ نامی رسالہ شائع ہوا، جس میں پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت مفتی صاحب کے فتوے سے بھی احقر کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے، اس فتوے میں اہل سائنس کی تحقیق معتبر مان کر یعنی لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی اصلی آواز تسلیم کر کے اقتداء کے صحیح ہونے اور نماز کے درست ہو جانے کا فیصلہ دیا ہے، ساتھ ہی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں کیا کیا قباحتیں ہیں وہ گنوا کر فرمایا ہے کہ:۔ ان مغاسد کثیرہ اور ایک فائدے کا مقابلہ کر کے دیکھیں تو کوئی سمجھ دار انسان اس کے نماز میں استعمال کو مستحسن نہیں کہہ سکتا، کسی چیز کے مقاصد سے قطع نظر کر کے اس کے سٹی فائدے کو دیکھنا اور اس کے پیچھے پڑ جانا کسی دانشمند کا کام نہیں ہو سکتا“ (ص ۱۹) اور فرماتے ہیں کہ ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ قواعد و اصول شرعیہ و عقلیہ کا مقتضی اس معاملے میں یہ معلوم ہوتا ہے (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم) کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نمازوں میں درست اور مناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ سادہ طریقہ

سنوں کے ساتھ بڑی جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز آخری صفوں تک پہنچائی جائے یہی جامع خیرات و برکات اور مفاسد سے پاک طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے (ص ۲۰)

حضرت مفتی شفیع صاحب نے مزید ایک خرابی یہ بتلائی کہ جہاں قریب قریب مسجدیں ہوں گی تو ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے ٹکرائے گی اور نماز میں خلل آئے گا جیسا کہ یہاں کراچی میں ہو رہا ہے (ص ۱۸)

”مذکورہ رسالہ پر اکابرین علمائے دیوبند وغیرہ کے تصدیقی نوٹ اور دستخط حسب ذیل ہیں:-“
”موجودہ حالات و واقعات اور علمائے عصر کے اقوال و مباحث نیز سائنسدانوں کی آراء و تحقیقات کی روشنی میں یہ ایک معتدل اور متوسط فیصلہ ہے کہ نمازوں میں اس آلہ کے استعمال سے (ان مفاسد کی بنا پر جن کو اس تحریر میں ہایت و ضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) احتراز کیا جائے کہ اس کا استعمال کراہت سے خالی نہیں ہے۔“ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الاسلام مولانا ندنی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت مولانا سید مبارک علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اعجاز علی صاحب وغیرہ وغیرہ۔

اکابرین مظاہر علوم سہارنپور کے تصدیقی نوٹ اور دستخط:
اگر اس فن (سائنس) کے اکثر قابل اعتماد ماہرین کی رائے ہے کہ یہ عین آواز ہے تو نماز اس پر ہو جائے گی مگر اس کا استعمال نماز میں ان عوارض کی وجہ سے جن کو آپ نے مفصل بیان فرمایا ہے ناجائز ہی رہے گا۔“ حضرت مولانا سعید احمد صاحب صدر مفتی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اسد اللہ صاحب۔

خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان کے دس علماء کا تصدیقی نوٹ۔
”حضرت مفتی اعظم مولانا شفیع صاحب مدظلہ نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے متعلق جو رائے ائمہ فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور مسئلے کے اعتدال کے موافق ہے یعنی نماز میں اس آلہ کے استعمال کو بوجہ مفاسد عدیدہ منع یا فتویٰ دیا ہے اور یہ مفاسد ایسے ہیں جن کی واقعیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔“
الحاصل اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اعادہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس کے استعمال میں بہت سے مقاصد ہیں، نفع کی یہ نسبت نقصان کا پہلو غالب ہے، قرآن مجید کی آیت ”اٹمھما اکبر من نفعھما“ کے ایماء کا مصداق ہے، لہذا سلف صالحین کی سادہ اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی عبادت میں ایسے محذو ش طریقہ کو اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا، خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کی شایان شان نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نقش و نگار والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا:

سوال ۱۲) ایک مصلیٰ (جائے نماز) ایسا ہے کہ اس پر مسجد نبوی و کعبۃ اللہ وغیرہ کا نقش ہوتا ہے اگر ایسے مصلیٰ کے

ان نقوش پر پیر پڑ جائے تو شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) کعبہ وغیرہ کا مصلیٰ پر جو نقشہ ہوتا ہے چونکہ وہ اصل نہیں ہے بلکہ اس جیسا ایک مصنوعی نقشہ ہے لہذا اس کا احترام ضروری نہیں۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت ہوتی ہے اہانت کا خیال بھی نہیں ہوتا اس لئے اگر نادانستہ اتفاقاً پیر پڑ جائے تو گناہ نہ ہوگا اور بہتر تو یہ ہے کہ ایسے مصلیٰ (جائے نماز) پر نماز نہ پڑھی جائے کہ خشوع و خضوع میں خلل ہوگا اور نماز کی روح خشوع و خضوع ہے بغیر اس کے نماز بے جان ہے، نمازی کے سامنے نقش و نگار کا ہونا نمازی کی توجہ اور خیال کو اپنی طرف متوجہ کرے گا کھینچتا رہے گا، آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا اس کو ہٹا لو اس کے نیل بوئے میری نماز میں عارض ہو کر خلل انداز ہوتے ہیں (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴) (۱) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھول دار چا در بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر مجھے نماز میں غافل کرتی ہیں (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۸) (۲) اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ محراب مسجد اور قبلہ کی دیوار کے نقش و نگار کی کراہت اس لئے ہے کہ یہ چیزیں نمازیوں کے خیالات اور توجہات کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پھول دار چادر کو اتار دینے پر یہی علت بیان فرمائی تھی کہ اس کے نقش و نگار نے میری توجہ نماز سے ہٹا دی (نووی شرح مسلم) (۳) (فتاویٰ رحمیہ ج ۲ ص ۱۷۲) (۴) فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا:

(سوال ۱۳) مسجد میں مجلس جما کر رات کے بارہ بارہ بجے تک دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مسجد میں دنیوی باتیں کرنا حرام ہے، مسجد کے باہر بھی اتنی دیر تک دنیوی غیر ضروری باتوں میں مشغول رہنا برا ہے اس لئے کہ عشاء کے بعد جلدی سونے کا حکم ہے، حدیث میں عشاء کے بعد بے کار دنیوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا عشاء کے بعد اتنی رات تک دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے اور اکثر ایسے لوگوں کی صبح کی جماعت فوت ہو جاتی ہے بلکہ بعض کی تو نماز بھی قضا ہو جاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے، شامی میں ہے ویکرہ النوم قبلہا والحديث بعدها لنهى النبي صلى الله عليه وسلم عنهما الا حديثا في خير لقوله صلى الله عليه وسلم لا سمر بعد الصلوة يعنى العشاء الا خيرة الخ..... وانما كره الحديث بعدها لانه ربما يؤدى الى اللغو والى تفويت الصبح او قيام الليل لمن له عادة به واذا كان لحاجة مهمة فلا بأس۔

یعنی عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا مکروہ ہے البتہ خیر اور دین کی بات مکروہ نہیں آنحضور ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر "لا سمر بعد الصلوة" عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

(۱) عن انس كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها فقال النبي صلى الله عليه وسلم اميطي عنه قرامك هذا فانه لا تزال تصاويره تعرض في صلاتي. كتاب الصلاة، باب ان صلى في ثوب مصلب او تصاوير الخ (۲)

(۲) عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم كانت له خمصة لها علم فكان يتشاغل بها في الصلوة فأعطاها ابا جهم وأخذ كساء له الجانيه باب كراهية الصلاة في ثوب له اعلام (۳)

(۳) و كراهية تزويق محراب المسجد وحائطه ونقشه وغيره ذلك من الشاغلات لأن النبي صلى الله عليه وسلم جعل العلة في ازالة الحمذيصة هذا المعنى ايضا (۴)

(۴) جدید ترتیب کے مطابق احکام مسجد میں محراب میں تصویر آفتاب بنانا، عنوان کے تحت دیکھیں۔ ص ۹ ج ۹ صحیح

اور یہ اس بنا پر مکروہ ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے لغو اور بیکار باتوں میں مشغولی ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کی نماز یا تہجد گزار کی تہجد فوت ہو جاتی ہے، البتہ ضروری بات ہو تو حرج نہیں (شامی ج ۱ ص ۳۴۱) کتاب الصلوٰۃ تحت قول وتأخیر عشاء الی ثلث الیل)

ابوداؤد شریف میں حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہی عن النوم قبلہا (ای قبل صلوٰۃ العشاء لما فیہ من خوف فوت الجماعة فی العشاء) والحديث بعدها (لانه یؤدی الی الا کثار فیؤدی الی تفویت قیام اللیل بل صلوٰۃ الصبح ایضاً) (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۱۸ باب فی السمر بعد العشاء)

خدا را وقت کی قدر کیجئے اور زندگی کو غنیمت سمجھئے جو مانند برف کے پگھل رہی ہے۔ بزرگوں کی زریں نصیحت

ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر

زماں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

یعنی: نیکی کے کاموں میں لگے رہو اور عمر عزیز کو غنیمت سمجھو اس سے قبل کہ یہ اعلان ہو کہ فلاں چل بسا (گلستاں) شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است

جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق

علمی کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی: اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول رہنا زندگی پر باد کرنا ہے عشق الہی کے سوا جو کچھ پڑھا جائے بیکار ہے، اے سعدی! تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے صاف کر دے جس علم سے اللہ تک رسائی نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء قنوت نازلہ میں اضافہ کرنا:

(سوال ۱۴) ہمارے یہاں امام صاحب موجودہ حالات کے اعتبار سے نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں، جس کا ایک جزاں طرح پڑھتے ہیں۔

اللہم اہلک الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاءک، اللہم انا نجعلک فی نحورہم ونعوذ بک من شرورہم اللہم اجعل کیدہم فی تضلیل، اللہم من یرد الا سلام خیراً وبالمسلمین خیراً فوفقه کل خیر واجعلنا منہم اللہم من یرد الا سلام شراً وبالمسلمین شراً فاهلکہ کما اہلکت عاداً وثمود ولا تجعلنا معہم، اللہم خذہم اخذ عزیز مقتدر، اللہم الق فی قلوبہم الرعب، اللہم لا تسلط علینا بذنوبنا من لا ینحافک ولا

یرحمنا، اللہم خالف بین کلمتہم ورنزل اقدامہم وانزل بہم بأسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین۔ مطلب یہ کہ عام مروجہ دعا، سے کچھ زائد جملے پڑھتے ہیں تو یہ زائد دعائیہ جملے پڑھنا کیسا ہے؟ (الجواب) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیہم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ما شاء متفق علیہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے کہ جماعت میں بیمار ضعیف اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ باب الامامۃ) لہذا اصل حکم تخفیف کا ہے اور یہ طوالت تخفیف کے خلاف ہے، اس لئے اس کی عادت نہ بنائی جائے اگر کسی وقت موقع کی مناسبت سے پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ:

(سوال ۱۵) حالات حاضرہ میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں موجودہ حالات میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں مگر امام صاحب پر جبر مناسب نہیں، امام صاحب خود اس کی ضرورت محسوس فرما کر پڑھیں، شدید مصیبت و پریشانی کے وقت قنوت نازلہ کا پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، لیکن معمولی حادثہ کے وقت پڑھنا اور مدت مدیدہ تک جاری رکھنا مناسب نہیں، یہ طریقہ قنوت نازلہ کی اہمیت اور لوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت ختم کرنے کے مترادف ہے۔

فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیۃ اى شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرة وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیہ الصلوۃ والسلام (شامی ج ۲ ص ۱۱ باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۱۶) آج ملت اسلامیہ کی سینکڑوں سالہ عزت اور اسلام کی عظمت کو دشمنان اسلام (یہود و نصاریٰ) پامال کرنے کی انتھک اور جان توڑ سعی کر رہے ہیں ایسے نازک حالات میں قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور موجودہ حالات میں کون سی دعا کا ورد چاہئے، تحریر فرمائیے۔

(الجواب) بے شک موجودہ حالات میں تاؤتئیک کہ بیت المقدس کی جنگ جاری رہے قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے، امام کو جوئی قنوت نازلہ یاد ہو وہ پڑھیں، حسب ذیل دعا، پڑھنا بھی اچھا ہے۔

اللہم انصر الاسلام والمسلمین وانزل وعدک وکان حقاً علینا نصر المؤمنین والمؤمنات والمسلمات والفق بین قلوبہم واصلاح ذات بینہم وانصرہم علی عدوہم، اللہم اہلک کفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاءک

اللهم خالف بين كلمتهم وزلزل اقدامهم وشتت شملهم وفتق جمعهم وانزل بهم بأسك الذي لا تدره عن القوم المجرمين O

اسی طرح جب سخت آندھی ہو یا زلزلہ آوے، بجلی گرے، ستارے ٹوٹیں، سخت برف باری ہو اور ایسی دیگر آفات کے وقت نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کا حکم ہے۔

إذا فرغوا من الصلوة دعوا الله وتضرعوا الى ان تجلي الشمس وفي خسوف القمر لا يصلون جماعة بل فرادی فرادی کذا اذا اشتدت الالهوال والا فزاع كالريح والبرق اذا اشتدت والسماء اذا ادمت مطرا او ثلجا او احمرت والنهار اذا اظلم وسائر المخلوقات وكذا عم المرض. (فتاویٰ سراجیہ، ص ۲۱، و ص ۲۲)

ایسے ہی کوئی سخت مصیبت اور ناگاہ آفت آپڑے جنگ کی ہلاکت خیزی سر پر منڈا رہی ہو، قومی فساد کا اندیشہ ہو، طاعون پھیل رہا ہو، کالیرا کا زور ہو تو ایسی پریشانی سے بچنے کے لئے اور ان آفتوں کے ختم ہونے تک فجر کی دوسری رکعت میں بعد رکوع حالت قومہ میں ہاتھ باندھ کر یا بلا ہاتھ باندھے (از روئے دلیل ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ ہے) امام و مقتدی آہستہ آہستہ قنوت نازلہ پڑھیں، اگر مقتدی کو دعا یاد نہ ہو تو امام ذرا جہرا پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں۔

والذي يظهر لي ان المقتدى يتابع امامه الا اذا جهر فيؤمن وانه يقنت بعد الركوع لا قبله (شامی ج ۱ ص ۲۲۸ باب الوتر والتوافل مطلب في القنوت للنازلة)

قنوت نازلہ یہ ہے۔ اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتو لنا فيمن توليت وبارك لنا فيما اعطيت وقنا شر ما قضيت فانك تقضي ولا يقضى عليك وانه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت، نستغفرک ونتوب اليک وصلى الله على النبي الامي واله واصحابه وسلم (مشکوٰۃ شریف باب الوتر ص ۱۱۲) (نور الايضاح ايضاً ج ۹۳)

ترجمہ:- اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ ہمیں ہدایت دے، جنہیں تو نے ہدایت بخشی اور ہمیں ان لوگوں نے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہمیں محبت عطا فرما جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں، بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے، ہم مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور رحمت و سلامتی نازل فرمائی ﷺ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر۔

بے شک مصائب و آفات کے ازالہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ خاص وقت ہے لیکن صرف دعا کرنا کافی نہیں بلکہ جن معاصی کے پاداش میں یہ مصائب آتے ہیں ان معاصی سے توبہ کرنا اور ان کو ترک کرنا لازمی اور ضروری ہے، قنوت نازلہ کب پڑھیں؟ اور کب تک پڑھیں اس کی تعیین اہل علم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ايدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم

سرجعون یعنی پھیل پڑی ہے خرابی جنگل اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہئے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں (سورہ روم رکوع ۵ پارہ ۲۱)

لہذا معاصی میں انہماک کے ساتھ رکھی طور پر قنوت نازلہ پڑھ لینا بے معنی ہے، جیسے کنویں میں چوہے کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاوے تو پہلے چوہا نکالنے کے بعد بیس سے تیس ڈول پانی نکال لینے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے، چوہا نکالے بغیر بیس سے تیس ڈول پانی نکالنے کے باوجود کنواں پاک نہ ہوگا۔

بالکل اسی طرح سب سے پہلے گناہوں سے توبہ کر کے پھر آفات کے ازلہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھی جائے تب ہی مقصود حاصل ہوگا، گناہوں سے سچی اور سچی توبہ کئے بغیر گناہوں میں ملوث رہنے کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھنے کا کیا مطلب؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز استخارہ:

(سوال ۱۷) شادی اور دیگر اہم امور کے لئے استخارہ کیا جاتا ہے اس کا طریقہ اور دعاء تحریر فرمائیں۔
(الجواب) جن امور کے لئے استخارہ مستحب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے، سلام کے بعد خوب دل لگا کر حسب ذیل دعا پڑھے۔

اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واستلک من فضلک العظیم،
فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب، اللھم ان کنت تعلم ان هذا الامر خیر
لی فی دینی و معاشی و عاقبة امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان هذا
الامر شر لی فی دینی و معاشی و عاقبة امری فاصرفہ عنی واصر فنی عنہ و اقدر لی الخیر حیث
کان ثم ارضنی بہ۔

اس کے بعد پاک و صاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کر کے با وضو سو جاوے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو
بہشتی زیور دوسرا حصہ استخارہ کا بیان ص ۳۳، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان و خطبہ میں مکبر الصوت (لا وواہیکر) کا استعمال

(سوال ۱۸) ہمارے یہاں ایک فیاض شخص نے مسجد کے لئے مانگ دیا ہے جس کا استعمال پنجگانہ اذان اور خطبہ
جمعہ میں ہوتا ہے، اذان میں تو اس کا استعمال بجا ہے کیونکہ (بلا مانگ) اذان کی آواز گاؤں کے لئے ناکافی ہے لیکن
خطبہ کی آواز تو حاضرین کو پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں مانگ کا استعمال کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئول میں جب اذان کی آواز سارے گاؤں میں نہیں پہنچتی ہے تو بلا تردد مانگ کا استعمال جائز
ہے (افضل تو یہی ہے کہ بلند آواز مؤذن کا تقرر ہو سکتا ہو تو مانگ استعمال نہ کرے اور خطبہ میں خطیب کی آواز
حاضرین تک نہ پہنچتی ہو تو علماء کرام نے طوعاً و کرہاً (چار و ناچار) مانگ کے استعمال کی اجازت دی ہے، لیکن خطیب کی
آواز حاضرین تک پہنچنے کی صورت میں خطبہ میں مانگ کا استعمال ایک لغو فعل ہے، در باب عبادات لغو فعل جائز نہیں۔

کتب فقہ میں تصریح ہے کہ امام کی تکبیرات انتقالات کی آواز مقتدیوں تک پہنچنے کی صورت میں مکبرین

(تکبیر کہنے والوں) کا تقرر ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے وفي حاشية ابی السعود واعلم ان التبليغ عند عدم الحاجة اليه بان بلغهم صوت الامام مكروه وفي السيرة الحلبيه اتفق الاثمة الاربعة على ان التبليغ حينئذ بدعة منكروها (شامي ج ۱ ص ۴۴۴ باب صفة الصلوة، تحت مطلب في التبليغ خلف الامام).

لہذا صورت مسئلہ میں جب خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے تو مانک کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، خطبہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے اس عبادت کی عظمت کا لحاظ فرما کر تمام مصلیٰ باتفاق رائے خطبہ میں مانک کا استعمال نہ ہونے دیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بڑے اجتماعات میں مکبر مقرر کرنے کے باوجود آخری صفوں میں انتشار رہتا ہے تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۹) نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کے متعلق آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹ ج ۶ نیز ص ۲۰ ج ۶ وغیرہ مقامات میں جو جوابات ہیں وہ ماشاء اللہ بہت مدلل اور قابل عمل ہیں، لیکن حضرت ایک بات عرض ہے کبھی تبلیغی اجتماع میں مجمع بہت بڑا ہوتا ہے مکبرین مقرر کرنے کے باوجود پیچھے کی صفوں میں انتشار رہتا ہے، گا ہے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی خراب ہو جاتی ہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر اگر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) نماز جیسی اہم عبادت تو وہی سلف صالحین کے سادہ اور بابرکت طریقہ کے مطابق ادا کی جائے، مذکورہ صورت میں امام کے بجائے امام کے قریب رہنے والا مکبر آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ طریقہ اختیار کرنے سے جو تکلیف اور شکایت ہے وہ دور ہو جائے گی اور تکلفات سے بچیں اور اس طرح استعمال کریں کہ جگہ نہ رکے، آج کل چھوٹا سا مانک بھی ملتا ہے جو گریبان یا گلے میں ڈال لیا جاتا ہے وہ استعمال کریں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز استخارہ کی اہمیت، اس کی دعا اور طریقہ:

(سوال ۲۰) نماز استخارہ کا کیا طریقہ ہے؟ کیا استخارہ حدیث سے ثابت ہے؟ استخارہ کتنے دنوں تک کرنا چاہئے؟ اور استخارہ میں دل کا میلان کافی ہے یا خواب میں کچھ دیکھنا ضروری ہے، بینوا تو جروا۔

(الجواب) جی ہاں جب کسی کام کا ارادہ ہو تو استخارہ کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ میاں سے صلاح لیوے، اس صلاح لینے کو استخارہ کہتے ہیں، حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بد بختی اور کم نصیبی کی بات ہے، کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا کوئی اور کام کرے تو بے استخارہ نہ کرے تو انشاء اللہ کبھی اپنے کئے پر پشیمان نہ ہوگی (بہشتی زیور ص ۳۷، دوسرا حصہ، استخارہ کی نماز کا بیان)

حدیث میں ہے:

عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الامور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن يقول اذا هم احدكم بالا مرفلير كع ركعتين من غير الفريضة ثم ليقل اللهم اني استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الا مرف خير لي في ديني ومعيشتي (ومعاشي) وعاقبة امري فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه وان كنت تعلم ان هذا الا مرف شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث كان ثم ارضني به.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۳ باب ماجاء في صلوة الاستخارة)
ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز، فرض نماز کے علاوہ پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے، اللہم انی... اے اللہ میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے اور آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں بوجہ آپ کی قدرت کے اور مانگتا ہوں میں آپ کے بڑے فضل میں سے کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں ہوں اور آپ عالم ہیں میں عالم نہیں ہوں، اے اللہ اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام (جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہوں اس کا دھیان کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو میرے لئے تجویز کر دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے پھر برکت دیجئے اس میں میرے لئے، اور اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھ کو اس سے ہٹا دیجئے اور مجھے بھلائی (خیر) نصیب کر دیجئے جہاں کہیں بھی ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھئے۔

(شامی ج ۱ ص ۶۴۲ مطلب فی رکعتی الاستخارہ باب الوتر والنوافل) (بہشتی زیور ص ۳۷ دوسرا حصہ۔)
اگر ایک دن میں کچھ معلوم نہ ہو اور شرح صدر نہ ہو تو دوسرے دن پھر یہی عمل کرے اس طرح ساتھ دن تک کرے، انشاء اللہ اس کام کی اچھائی یا برائی معلوم ہو جائے گی، خواب دیکھنا ضروری نہیں ہے، اصل چیز دل کا میلان ہے، اگرچہ گاہے خواب کے ذریعہ بھی رہنمائی ہو جاتی ہے، اگر کسی وجہ سے نماز پڑھنا متعذر ہو تو صرف مذکورہ دعا پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے، مناسب یہ ہے کہ نماز استخارہ میں پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں یہ زیادہ کرے وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لہم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالی عما یشر کون وربک یعلم ما تکن صدورہم وما یعلنون۔ (سورۃ قصص کی ساتویں رکوع کی آٹھویں اور نویں آیت پارہ نمبر ۲۰) اور دوسری رکعت میں یہ زیادہ کرے وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ... الخ (پارہ نمبر ۲۲ سورہ احزاب آیت نمبر ۲۶)

شامی میں ہے: وفي الحلیۃ ویستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلہ والصلوة وفي الا

ذکارانہ یقرء فی الركعة الاولى الکافرون وفي الثانية الا خلاصه وعن بعض السلف انه يزيد فی الاولی وربک یخلق ما یشاء ویختار الی قوله یعلنون وفي الثانية وما کان لمؤمن ولا مؤمنة الا ینبغی ان یکررها سبعا لماروی ابن السنی یا انس اذا هممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوة استخار بالدعاء ملخصاً وفي شرح الشرعة المسموع من المشائخ انه ینبغی ان ینام علی طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور فان رأى منامه بیاضاً او خضرة فذلک الا مر خیر وان رأى فیہ سواداً او حمرة فهو شر ینبغی ان یجتنبه (شامی ص ۱۲۲ و ص ۶۲۳ ج ۱ مطلب فی رکعتی الاستخارة) فقط واللہ اعلم بالصواب

انتظار نماز کی فضیلت و ثواب حاصل ہونے کے لئے با وضو ہونا شرط ہے:

(سوال ۲۱) حدیث میں ہے لا یزال احدکم فی صلوة ما انتظر الصلوة یعنی جب تک تم میں سے کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے، تو کیا اس کے لئے با وضو ہونا شرط ہے یا یہ فضیلت بلا وضو انتظار کرنے والے کے لئے بھی ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) حاد او مصلیاً و مسلماً۔ ہاں وضو شرط ہے، با وضو انتظار کرنے والے کے لئے یہ فضیلت اور ثواب ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں وانما انقصی ثواب الانتظار بالحدث لانه لا یسقى متھینة للصلوة یعنی جزاء بصورت عمل ہوتی ہے اور وضو جاتے رہنے سے انتظار کا ثواب اس لئے منقطع ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں اس کو نماز کے لئے تیاری باقی نہیں رہتی (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۷۹) واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ثبوت:

(سوال ۲۲) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاچپوری صاحب مد فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مؤدبانہ خدمت اقدس میں گزارش یہ ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۲۱۵ ص ۲۱۶ (جدید ترتیب کے مطابق یہ سوال اسی باب میں فرض نمازوں کے بعد سنن و نوافل سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھنا، کے عنوان سے ص ۲۱۶ پر لکھا ہے کہ جیسے فرض نماز جماعت سے صحابہ و سلف صالحین پڑھتے تھے ویسے ہی جماعت سے امام و مقتدی مل کر دعائیں مانگتے تھے اس کا بندہ نے ثبوت و دلیل طلب کی تھی آپ نے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۳ (یہ سوال بھی نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا، کے عنوان پر آ رہا ہے۔ مرتب) کا حوالہ دیا احقر نے اسے دیکھا مگر اس میں بھی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کا ثبوت نہیں ہے، آپ سے درخواست ہے کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین سے اجتماعی دعا کا ثبوت ہو تو مدلل تحریر فرمائیں، آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ بینوا تو جروا۔ (از جلال آباد)؟

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً ومسلماً وبالله التوفيق دعا کی بڑی فضیلت و تاکید آئی ہے، قرآن حکیم میں ہے۔

(۱) واذا سألك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان.

(سورة بقرہ. پارہ دوسرا)

ترجمہ: اور میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں پس بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا میں قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

(۲) ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جہنم داخرین.

(سورة مؤمن پارہ نمبر ۲۴)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت (دعاء) سے سرتابی کرتے ہیں وہ غمگین (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نیز ارشاد فرمایا:

(۳) ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً انه لا یحب المعتدین.

(سورة اعراف پارہ نمبر ۸)

ترجمہ: تم اپنے رب سے عاجزانہ اور خفیہ دعا کرو بے شک خدا تعالیٰ حداب سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

احادیث میں بھی دعاء کی بہت فضیلت اور تاکید آئی ہے۔

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادة.

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء عبادت کا مغز ہے۔

(۲) عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء هو

العبادة ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۴ ایضاً)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء ہی عبادت ہے پھر

رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وقال ربکم..... اور فرمایا تمہارے رب نے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دعاء اللہ کے نزدیک سب سے مکرم چیز ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس شئی اکرم

علی اللہ من الدعاء.

(رواہ الترمذی) مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک دعاء سے بڑھ کر

کوئی معزز اور مکرم چیز نہیں ہے۔

جب بندہ دعاء کرتا ہے تو اللہ کو حیا آتی ہے کہ اس کا ہاتھ خالی لوٹا دے، حدیث میں ہے۔

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم
یستحی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردھما صفراً رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا رب شرم والا اور کریم
ہے اپنے بندے سے شرم کرتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے اٹھاتا ہے کہ ان کو خالی واپس لوٹا دے۔
جس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فتح لہ منکم
باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمة (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵ ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس کے
لئے دعاء کا دروازہ کھل گیا تو اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھل گیا۔
بندوں کو دعاء کا حکم دیا گیا ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ علیہ وسلم فعلیکم عباد اللہ بالدعاء

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵ ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ کی بندو
دعاء کو لازم کرلو۔

دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے اور فارغ ہو کر ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لے
حدیث میں ہے۔

عن مالک بن یسار رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ
فاسئلوه بطون اکفکم ولا تسئلوه بظہورہا وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سلوا اللہ
ببطون اکفکم ولا تسألوه بظہورہا فاذا افرغتم فامسحوا بہا وجوہکم رواہ ابو دائود۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعاء کرو تو
ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو پس جب دعاء سے فارغ ہو جاؤ تو
ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لو۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔

عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح

وجہہ بیدیدہ

(مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات ص ۱۹۶)

ترجمہ: حضرت سائبؓ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا فرماتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے اور فارغ ہوتے تو ان دونوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیدہ فی الدعاء لم یحطہما حتی یمسح بہما وجہہ رواہ الترمذی۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعا میں اٹھاتے تھے تو جب تک ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ انور پر نہ پھیر لیتے نیچے نہ اتارتے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا قبولیت دعا کی علامت ہے حدیث میں ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد یرفع یدیدہ حتی یدور ابتلہ یسال اللہ مسئلۃ الا اناھا ایاء ما لم یعجل قالوا یا رسول اللہ و کیف عجلتہ قال فیقول قد سالت و سالت فلم اعط شینا

(ترمذی شریف ص ۲۲ * کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی بندہ یہاں تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہوں اور اللہ سے سوال کرے تو اللہ اس کی مراد پوری کرتا ہے جب تک جلدی نہ کرے صحابہؓ نے عرض کیا اس کے جلدی کرنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کہے ”میں نے سوال کیا اور سوال کیا اور مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔“

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کی بہت اہمیت ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود بھی دعا کا حکم فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کو عبادت کا مغر فرمایا ہے، عبادت کی حقیقت خضوع و تذلل ہے جو دعا میں کامل طور پر موجود ہے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے میں اپنی عبدیت اور ذلت و احتیاج کا ایسا مظاہرہ ہے جو کسی اور طریقہ میں نظر نہیں آتا، دور ہی سے دیکھنے والا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے والے کو محتاج سمجھتا ہے، کیونکہ جو محتاج ہوتا ہے وہ ہی دست سوال ہرا کر گرتا ہے، الغرض دعا میں مکمل طور پر اپنی عبدیت اور احتیاج کا اظہار ہے اور اللہ رب العزت کی معبودیت اور وحدیت اور قادر مطلق و معطی ہونے کا اقرار ہے اس لئے دعا کو مخ العبادۃ فرمایا گیا ہے اور اس کی اہمیت و فضائل بیان کئے گئے ہیں جن میں سے کچھ اوپر بیان ہوئے۔

احادیث میں مختلف مواقع کی دعائیں بیان کی گئی ہیں جو مخفی نہیں ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نماز جو افضل العبادۃ ہے اس کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث رسول میں کیا ہدایات ہیں۔

تحقیق کرے سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ نماز کے بعد دعا کی خاص اہمیت ہے دعا کی قبولیت کا وقت ہے دعا نہ کرنے پر وعید ہے اور خود نبی کریم ﷺ کا بھی یہی عمل ہے قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

نماز کے بعد دعا اور اس کی ترغیب اور مقبولیت کا وقت احادیث کی روشنی میں۔

(۱) عن معاذ بن جبل رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له اوصيك يا معاذ الا تدعن دبر كل صلوة ان تقول اللهم اعني على ذكرك وشرك وحسن عبادتك رواه احمد و ابو داود والنسائي بسند قوى كذا فى بلوغ المرام وقال الزيلعى فى تخریجه قال النووى فى الخلاصة اسناده صحيح .

(اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۰۲ باب الانحراف بعد السلام و كيفية وسنية الدعاء رواه الذكر بعد الصلاة) (بلوغ المرام ص ۳۷)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑو دعا یہ ہے اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔

(۲) عن ابی امامة رضى الله عنه قال قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الاخر و دبر الصلوات المكتوبات ، رواه الترمذی .

(مشکوٰۃ شریف ص ۸۹ باب الذكر بعد الصلوة)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

کتاب ”دلیل الطالب علی ارجح المطالب“ (مصنفہ مولانا نواب صدیق حسن صاحبؒ) میں یہ دونوں حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے ”وایں ہر دو حدیث دلالت وارو برآں کہ دعا بعد فریضہ می یا بذیہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں (ص ۳۲۳) حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی نے کتاب ”عمل یوم واللیلہ“ میں حدیث نقل کی ہے۔

(۳) حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیاسی حدثنا عبد العزيز بن عبد الرحمن القرشي من حنیف عن انس رضى الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم انه قال ما من عبد بسط كفيه فى دبر كل صلوة ثم يقول اللهم الهی واله ابراهيم واسحاق ويعقوب واله جبريل وميكائيل و اسرافيل اسئلك ان تستجيب دعوتی فانی مضطر و تعصمى فی دینی فانی مبتلى و تنالنی برحمتك فانی مذب و تنفی عن الفقر فانی متمسكن الا كان حقاً علی الله عزوجل ان لا یرد یدیه خائبین (عمل الیوم واللیلہ ص ۳۸، ص ۳۹)

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو بندہ نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے پھر یوں دعا کرتا ہے اللھم الهی واله ابراهیم واسحاق و یعقوب واله جبریل و میکائیل و اسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمى فی دینی فانی مبتلى و تنالنی برحمتك فانی مذب و تنفی عن الفقر فانی متمسكن تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کے دونوں

ہاتھوں کو ناکام (اور خالی) واپس نہ کرے۔

اس حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی اسی سلسلہ کے ایک استفتاء کے جواب میں نقل فرمایا ہے اور حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے ”اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جائے گا کہ حدیث ضعیف اثبات انتخاب کے لئے کافی ہے چنانچہ ابن الہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں والا استحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھی واللہ اعلم (بحوالہ فتاویٰ رحمیہ ج ۵ ص ۱۳۱ حوالہ اسی سوال کے شروع میں ہے۔)

یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث کو اور اس جیسی دوسری احادیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور خود غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں ”بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے“ (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء)

نماز کے بعد دعائے کرنے پر وعید

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوة مشنی مشنی فی کل رکعتین وتخشع وتمسکن یدیک یقول ترفعہما الی ربک مستقبلًا ببطونہما وجھک وتقول یا رب یا رب من لم یفعل ذلک فھو کذا وکذا۔

(ترمذی شریف ص ۵۰ ج ۱ باب ماجاء فی التخشع فی الصلوة)

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے اور خشوع اور عاجزی اور مسکینی ہے اور دونوں ہاتھوں کا اپنے رب کی طرف اٹھانا اس حالت میں کہ تم کہو یا رب یا رب (اے میرے رب اے میرے رب) اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ ایسا ویسا ہے۔

ترمذی شریف کی شرح الکوکب الدری میں ہے:

وهذا يثبت الدعاء بعد الصلوة برفع يديه كما هو المعمول وانكار الجهلة عليه مردود.

(الكوكب الدري ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً)

ترجمہ: اس حدیث میں لفظ مستقبلًا سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے یہی معمول ہے اور اس پر جبلاء کا انکار مردود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ نفس نفیس نماز کے بعد دعا کرنا اور مختلف دعاؤں کا آپ سے منقول ہونا، احادیث کی روشنی میں۔

(۱) عن وداود... قال املی علی المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ فی کتاب الی معاویة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوة مکتوبة لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو علی کل شی قدیر اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت ولا

ينفع ذا الجد منك الجد.

(بخاری شریف ص ۱۱۷ ج ۱ باب الذکر بعد الصلوة) (ابو داؤد شریف ص ۲۱۸

ج ۱) (باب ما یقول الرجل اذا سلم) (مشکوٰۃ شریف ص ۸۸ ایضاً) (بلوغ المرام ص ۷۷ صفة الصلاة)

ترجمہ: حضرت واد سے روایت ہے..... حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز

کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شئی قدير اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد پڑھتے تھے

(۲) عن ام سلمة رضي الله عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول اذا صلى

الصبح حين يسلم اللهم اني اسئلك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً رواه احمد و ابن ماجه قال في النيل ورجاله ثقات. (اعلاء السنن ص ۲۰۲، ص ۲۰۳ حصہ سوم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سلام

پھیر کر یہ دعا کرتے اللہم انی اسئلك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً اس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے نیل الاوطار میں ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۳) عن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم لم يقعد

الا مقدار ما يقول اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والا کرام رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۸۸ باب الذکر بعد الصلوة)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد اللہم انت السلام

ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والا کرام پڑھنے کی مقدار بیٹھا کرتے تھے۔

(۴) عن ثوبان رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انصرف من

صلوته استغفر الله ثلاثاً وقال اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والا کرام.

(رواه مسلم) (بلوغ المرام ص ۷۷ باب صفة الصلوة)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ استغفار

فرماتے اور یہ دعائیں اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والا کرام.

(۵) عن سعد بن ابی وقاص رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ بهن

دبراً لصلوة اللهم انی اعوذ بک من البخل واعوذ بک من الجبن واعوذ بک من ان ارد الى اذل

العمر واعوذ بک من فتنه الدنيا واعوذ بک من عذاب القبر. رواه البخاری. (بلوغ المرام ص ۷۷)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے

تھے اللہم انی اعوذ بک من البخل واعوذ بک من الجبن واعوذ بک من ان ارد الى اذل العمر

واعوذ بک من فتنه الدنيا واعوذ بک من عذاب القبر.

(۶) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوۃ قال اللہم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۱۹ باب ما یقول اذا سلم)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے۔ اللہم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت۔

(۷) اخرج الحافظ ابو یکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن الاسود بن العامری عن ابی ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا بحوالہ مسلك السادات الی سبیل الدعوات، امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۹۸) نیز، النفائس المرغوبہ تحت تصویب قاضی رحمۃ اللہ محدث رانندیری ص ۳۴

ترجمہ: اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ مڑ گئے اور آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعاء فرمائی۔

(۸) حدثنا محمد بن یحییٰ الاسلمی قال رأیت عبداللہ بن الزبیری رأی رجلاً رافعاً یدیه یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منها قال لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع حتی یفرغ من صلوۃ تہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ ورجالہ ثقات قالہ الحافظ السیوطی فی رسالہ "فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء کذا فی رسالۃ رفع الدین فی الدعاء لمحمد بن عبدالرحمن الزبیدی الیمانی

(اعلاء السنن باب الانحراف بعد السلام و کیفیۃ وسنتیہ الدعاء والذکر بعد الصلاۃ)

ترجمہ: محمد بن یحییٰ اسلمی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ان احادیث سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ دعاء فرماتے تھے اس میں کسی طالب حق کو شک و شبہ کی گنجائش نہ ہونی چاہئے اور انہی احادیث سے بطریقہ اشارۃ النص یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے تو صحابہ یقیناً اس دعاء میں آپ کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اس لئے مقام غور ہے کہ اگر کوئی مرشد کامل کسی مجلس میں ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائیں تو کیا مریدین مرشد کی موافقت نہیں کریں گے؟ اگر استاذ درس میں اتفاقاً ہاتھ اٹھا کر دعاء کریں تو کیا درس میں حاضر باش طلباء استاذ کا منہ تکتے رہیں گے؟ اور دعاء میں شرکت نہیں کریں گے؟ کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ تو جب یہ مسلم ہے کہ یقیناً مریدین اور طلبہ ضرور بالضرور مرشد اور استاذ کی اتباع میں ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت کریں گے تو رسول مقبول رحمۃ اللعالمین ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو مجسم اطاعت اور جذبۂ اتباع سے سرشار تھے (جن کی اطاعت اور اتباع کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے) وہ حضور اکرم ﷺ کا منہ دیکھتے رہے ہوں اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے میں حضور اکرم ﷺ

کی موافقت کی سعادت حاصل نہ کی ہو نہ یہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً ضرور بالضرور صحابہؓ نے موافقت کی ہوگی اور اس سعادت کے حصول سے مجتنب نہ رہے ہوں گے اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائی تو حاضر باش صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے۔

قال يحيى بن سعيد سمعت انس بن مالك قال اتى رجل اعرابي من اهل البدو الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة فقال يا رسول الله هلكت الماشية هلكت العيال هلكت الناس فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه يدعور ورفع الناس ايديهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعون الخ .

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۰ باب دفع الناس ايديهم مع الامام في الاستسقاء)
ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہوئے، عیال ہلاک ہو گئے، لوگ ہلاک ہو گئے پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست اقدس کو اٹھا کر دعاء فرمائی اور تمام لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعا مانگی۔

ملاحظہ فرمائیے اس حدیث میں صراحت ذکر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دعاء میں شرکت فرمائی لہذا یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جب نماز کے بعد حضور ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعاء فرماتے تھے تو صحابہ بھی ضرور شرکت فرماتے تھے یہی اجتماعی دعاء ہے اور اجتماعی دعا کے ثبوت کے لئے انشاء اللہ یہی کافی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد تابعین پھر ان کے بعد تابع تابعین پھر ان کے بعد اسلاف عظام اور علماء اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے سوائے شذوذہ قلیلہ کے کوئی اس کا منکر نہیں امت کا یہ توارث اور تعامل بھی اس کے ثبوت کے لئے قوی دلیل ہے، حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی توارث کی اہمیت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اتفاق سلف و توارث ایشاں اصل عظیم امت و رفقاء سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵)

اس واضح ثبوت کے بعد بھی ثبوت کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک بے وقوف خادم نے اپنے آقا سے کہا تھا..... ایک خادم بڑا کوتاہ فہم اور بے ذہن گا تھا اس کی بے وقوفی اور بے عقلی سے تنگ آ کر آقا نے ایک فہرست بنا کر اسے دے رکھی تھی کہ اس میں جو جو کام لکھے ہوئے ہیں انہیں کیا کر، ایک مرتبہ آقا اور غلام گھوڑے پر سفر کر رہے تھے راستہ میں آقا کی شال گر گئی، آقا نے اگلی منزل پر دیکھا کہ شال نہیں ہے تو خادم نے کہا وہ تو بہت دور گر گئی ہے آقا نے کہا: اٹھائی کیوں نہیں؟ یا مجھے کیوں نہیں کہا؟ خادم نے وہ فہرست دکھلا دی اور کہا کہ تلاؤ اس میں کہاں لکھا ہے کہ ”شال گر جائے تو اٹھالینا یا کہہ دینا“ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اس واضح ثبوت کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ایسی حدیث دکھاؤ جس میں صراحت اجتماعی دعاء کا تذکرہ ہو، کیا مندرجہ بالا احادیث اور ان سے ثابت ہونے والا مضمون کافی نہیں ہے؟ انشاء اللہ یقیناً کافی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اسی پر عمل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور محدثین عظام اور فقہاء کرام نے بھی یہی لکھا ہے فقہاء کرام وہ حضرات ہیں۔ جو بقول امام ترمذی العلم بمافی الحدیث ہیں اللہ نے ان وفقہ فی الدین کی دولت سے نوازا ہے، قرآن و حدیث میں وفقہ فی الدین کی تعریف فرمائی گئی ہے، حجۃ الاسلام

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔

فاما هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والاثر فان اكثرهم منهم انما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذي اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعاني ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركاذا وفقها وروايات الفقهاء وتناوولوهم بالظعن وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما او تروا العلم قاصرون ولسوء القول فيهم آثمون۔ (الانصاف مع ترجمة كشف ص ۵۳)

ترجمہ: طبقہ اہل حدیث واثار کا حال یہ ہے کہ ان میں اکثر کی کوشش روایتوں کا بیان کرنا اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور غریب اور شاذ کو اس حدیث سے تلاش کرنا ہے جس کا اکثر موضوع یا مقلوب ہے یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کریں اور نہ معانی کو سمجھیں اور نہ ان کے راز کو استنباط کریں اور نہ ان کے دقینہ اور فقہ کو نکالیں اور بعض اوقات فقہاء عیب لگا دیں اور ظعن سے ان کو برا کہیں اور ان پر مخالفت سنت کا دعویٰ کریں اور یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

یہ ہے فقہاء کرام رحمہم اللہ کی علمی جلالت شان۔

جب محدثین اور فقہاء یہی بات لکھ رہے ہیں تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے بلا ثبوت ہی یہ لکھ دیا ہوگا یقیناً ثبوت ہے جب ہی لکھا ہے، اب بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔
محدث جلیل علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الامام والمأموم يخفيان الذكر الا ان احتاج الى التعليم۔

(فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۲)

ترجمہ: مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں ہاں جب دعاء کی تعلیم کی ضرورت ہو تو (سیکھنے تک) جہر ادعا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔
الکوکب الدرر شرح ترمذی میں ہے۔

بل لا بد من اتيان الدعاء مستقلاً على حدة فيعزّر تارك الدعوات بعد الصلوات ولا

يعذر على تركها۔ (باب ما يقول اذا سلم۔ الكوكب الدرر ص ۲۹۱ ج ۲)

ترجمہ: بلکہ اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ مستقلاً الگ دعا کی جاتی رہے اسی لئے نمازوں کے بعد تارک دعاء کو سزا دی جائے اور ترک دعا پر معذور نہ سمجھا جائے۔
حاشیہ میں ہے۔

وفي شرح شرعة الاسلام ويغتم الدعاء بعد المكتوبة فانه مستجاب بالحديث وقد قال النبي صلى الله عليه في حديث رواه ابن عباس من لم يفعل ذلك فهو خداج اي من لم يدع بعد الصلوة رافعا يديه الى ربه مستقبلاً ببطونها الى وجهه ولم يطلب حاجاته قائلاً يارب يارب فما فعله من الصلوة ناقصة عنده الحق سبحانه كذا حقق في التتوير وروى انه كان للحسن البصري جارية تطب على ظهره فكان

اذا سلم الامام خرج من المسجد سريعا فقال له الحسن يوماً يا رسول الله لم تجلس ساعة ان لم تكن لك حاجة في الآخرة افلا حاجة لك في الدنيا قف بعد الصلوة وادع الله واسأله حمولة تحمل على ظهرها ذكره في الخلاصة.

(حاشیہ علی الکوکب الدرۃ ص ۲۹۱ ج ۲ باب ما یقول اذا سلم)

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے فرض نماز کے بعد دعاء کرنے کو غنیمت سمجھے اس لئے کہ یہ دعا مقبول ہوتی ہے حدیث کی بناء پر تحقیق کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں جس کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی ہے فرمایا ہے من لم یفعل... جس نے ایسا نہیں کیا وہ ناقص ہے (الحدیث) یعنی جس نے اپنے رب کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں اپنے چہرہ کی طرف کر کے دعاء نہ کی اور یا رب رب کہہ کر اپنی حاجات اللہ سے نہ مانگے تو نماز کے جو افعال اس نے ادا کئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نزدیک باطل ہیں ایسا ہی تنویر میں ہے اور مروی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر ڈھویا کرتا تھا، امام جب سلام پھیرتا تو وہ شخص تیزی کے ساتھ مسجد سے نکل جاتا تھا ایک روز حضرت حسن بصری نے اس سے فرمایا اے شخص تھوڑی دیر کیوں نہیں بیٹھ جاتا اگر تجھے اخروی ضرورت نہیں ہے تو کیا دنیوی حاجات بھی نہیں ہیں دعاء کیا کر اور اس سے بار برداری کا جانور مانگ کہ ان کی پیٹھ پر بوجھ اٹھایا کرے، یہ خلاصہ میں مذکور ہے۔

غور کیجئے اسلاف میں یہ طریقہ رائج تھا کہ نماز کے بعد دعاء کیا کرتے تھے (جس سے اجتماعی صورت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے) جب ہی تو حضرت حسن بصریؒ نے اپنے پڑوسی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے فرمایا، اگر دعا کا طریقہ رائج نہ ہوتا تو آپ ہرگز اسے دعا کی ترغیب نہ دیتے، حضرت ابو امامہؓ کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا ای الدعاء اسمع کوئی دعاء زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو ف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا (یہ حدیث اسی جواب میں پہلے نقل کی جا چکی ہے) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن مولانا ظفر احمد تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله عن ابی امامۃ الخ قلت فیہ اثبات الدعاء بعد الصلوۃ فاندحض بہ ما اورده ابن القیم ان الدعاء بعد السلام من الصلوۃ مستقبل القبلة او المامومین فلم یکن من ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلا ولا روی عنہ باسناد صحیح ولا حسن اه۔ (زاد المعاد ص ۶۷ ج ۱)

ترجمہ: یعنی حضرت ابو امامہؓ کی اس حدیث سے نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے لہذا جوابات علامہ ابن قیمؒ نے کہی ہے کہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہو کر یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دعا کرنا یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نہیں ہے یہ چیز حضور ﷺ سے نہ سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور نہ سند صحیح کے ساتھ۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۷)

قلت قد ثبت ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم قوله وفعلا فہذا حدیث ابی امامۃ فیہ ارشاد

الامۃ بالدعاء بعد الصلوات المکتوبات۔ (اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳) باب الانحراف بعد السلام۔ الخ

ترجمہ: اس حدیث سے علامہ ابن قیمؒ کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے، میں کہتا ہوں نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ

کا دعاء کرنا قولاً اور فعلاً ثابت ہے اور اس حدیث میں فرض نمازوں کے بعد دعاء کی ترغیب ہے پس صلحا، کاجو معمول ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کرتے ہیں بے اصل نہ ہوا۔ (اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳ مع حاشیہ)

حضرت ابو امامہؓ کی مذکورہ حدیث اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث (جس کا ذکر اس جواب میں پہلے آیا ہے) ان دونوں حدیثوں کو مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب ”دلیل الطالب علی ارجح المطالب“ میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”وایں ہر دو حدیث دلالت دارد بر آں کہ دعاء بعد فریضہ می باید“ یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۲۳)

ظاہر ہے کہ یہ مسنونیت ہر ایک کے لئے ہے جب تمام اس سنت پر عمل کریں گے تو اجتماع ہو گا یا نہیں؟ (یہ حوالہ پہلے آچکا ہے موقع کی مناسبت سے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

يدعوا لامام جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم القوم ويخافت هو ايضاً وان جهراً فهو بدعة

(فتاویٰ زازیہ جلد اول مع الہندیۃ کتاب الصلوۃ الحادی عشر فی القراءۃ ص ۴۲ ج ۴)

ترجمہ: امام مقتدیوں کو سکھانے کے لئے جہراً دعا کرے اور قوم آہستہ دعاء کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعاء کریں اگر زور سے دعاء کی تو یہ بدعت ہے۔

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين بالادعية الماثورة الجامعة لقول ابى امامة قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات رواه الترمذى والنسائى وكان صلى الله عليه وسلم يدعو دبر كل صلوة رواه البخارى فى تاريخه الا وسط الى قوله . رافعى ايديهم حذو الصدور ويطونها مما يلي الوجه بخشوع وسكون ثم يختمون بقول سبحان ربك رب العزة عما يصفون الاية الى (قوله) ثم يمسحون بها اي بايد يمسحون بها وجوههم فى آخره يعنى عند الفراغ منه لقول ابن عباس رضى الله عنهما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعوت الله فادع بباطن كفيك ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بها وجهك رواه ابن ماجه وللقول ابن عمر رضى الله عنهما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رفع يده فى الدعاء لم يحطهما وفى رواية لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه رواه الترمذى.

(امداد الفتاح شرح نور الایضاح فصل فى الاذکار الوارده بعد الفرض ص ۱۳۷ ج ۱۲۸) (نور الایضاح ص ۸۵)

ترجمہ: پھر (تسبیحات کے بعد امام اور مقتدی) اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے جامع منقول دعاؤں کے ساتھ دعاء کریں حضرت ابو امامہؓ اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کوئی دعاء زیادہ قبول ہوتی

ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا، رواہ الترمذی والنسائی اور خود رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد دعا فرماتے تھے رواہ البخاری فی تاریخہ الاوسط۔

اپنے ہاتھوں کو سینوں کے مقابل اٹھا کر اس حال میں کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں خشوع اور سکون کے ساتھ پھر سبحان ربك رب العزة عما يصفون پڑھ کر دعاء ختم کریں پھر دعاء فارغ ہو کر اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر پھیر لیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دعا کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لو، رواہ ابن ماجہ، اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتے تو جب تک اپنے چہرے پر ہاتھ نہ پھیر لیتے ان دونوں کو نیچے نہیں کرتے۔ رواہ الترمذی۔

امداد الفتاویٰ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دعا کی تحقیق اور بالخصوص دعاء کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے، میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ ان بیباک لوگوں کی زبان بند ہو جائے جو دعا بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس تلخیص کا نام استجاب الدعوات عقیب الصلوات رکھ دیا الخ۔ یہ پورا رسالہ قابل مطالعہ ہے (امداد الفتاویٰ ص ۹۶ تا ص ۸۱۶ جلد نمبر امبوب مع حاشیہ جدیدہ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری)۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں فرائض کے بعد دعا مانگنا آنحضرت ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سنت ہے (النفائس المرغوبة فی الدعاء بعد المكتوبة ص ۱۰) (یہ پورا رسالہ بھی قابل مطالعہ ہے)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

”امام اور مقتدی سب آہستہ آہستہ دعا مانگیں۔“ (احکام دعاء ص ۱۱)

مفتاح الجنۃ میں ہے اور امام سلام سے فراغت پائے تب داہنے یا بائیں پھر کے اور جو دعاء چاہے پڑھے مگر بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے بعد اس کے دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے برابر اٹھاوے اس طرح پر کہ دونوں بغل ظاہر ہوئے اور جو حاجت چاہے اللہ سے مانگے اور چاہے تو یہ مناجات پڑھے ربنا لا تزغ قلوبنا الخ (مفتاح الجنۃ ص ۶۸، مؤلفہ مولانا شاہ کرامت علی جون پوری)

نیز بہشتی گوہر میں ہے:- مسئلہ بعد نماز (فرض) ختم کر چکنے کے دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا کر پھیلائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے دعا مانگے اور امام ہو تو تمام مقتدیوں کے لئے بھی اور بعد دعاء مانگ چکنے کے دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لے۔ مقتدی خواہ اپنی اپنی دعا مانگیں یا امام کی دعا سنائی دے تو خواہ سب آمین کہتے رہیں۔ (بہشتی گوہر ص ۱۰۶)

عید کے دن خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا مانگنا:

(سوال ۲۴) احقر کے یہاں عید گاہ میں عیدین کی نماز میں ایک دعا نماز کے بعد اور دوسری دعا خطبہ کے بعد بڑے اہتمام والتزام سے ہوتی ہے بندہ نے اس سال خطبہ کے بعد کی دعا ختم کرنے کی کوشش کی جس سے ناواقف عوام میں خلجان ہے تو اہتمام والتزام سے خطبہ کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) عید کے دن عید کی نماز یا خطبہ کے بعد موقع کی تعیین و تخصیص کے ساتھ کسی حدیث میں دعا کا ذکر نہیں ملتا، البتہ عید کے خطبہ میں دعا کا ثبوت ملتا ہے اور اس پر ہر جگہ ماشاء اللہ عمل ہو رہا ہے جب خطبہ میں دعا ماثورہ وغیرہ بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہے تو خطبہ کی بعد اجتماعی دعا کا اہتمام والتزام کا کیا موقع ہے؟ لہذا خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا کرنا بے اصل اور خلاف سنت ہے، عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کرنے کی گنجائش ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور نصوص عام ہیں، اس مسئلہ سے متعلق ایک فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۱ تا ص ۸۴ پر چھپ چکا ہے، وہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان عید کی نماز کے بعد دعا کرنا کے تحت دیکھ لیا جائے مرتب)۔ فقط واللہ اعلم۔

فجر اور عصر میں امام سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے کس طرف رخ کر کے بیٹھے:

(سوال ۲۵) جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہے جیسے عصر اور فجر، ان نمازوں میں امام کس طرف رخ کر کے بیٹھے؟ دائیں طرف یا بائیں طرف یا مقتدیوں کی طرف؟ ہمارے یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، خالد کہتا ہے دائیں طرف رخ کر کے بیٹھے، حامد کہتا ہے مقتدیوں کی طرف اور حامد کو اپنی بات پر اصرار ہے کس کا قول صحیح ہے، حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ فقط، بیٹو اتوجروا۔

(الجواب) دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنا اولیٰ ہے مگر اس پر مداومت نہ کرے گا ہے بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھے تاکہ لوگ دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنے کو ضروری نہ سمجھ لیں اور سامنے کوئی مقتدی نماز نہ پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا بھی جائز ہے حضور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے عن سمرة بن جندب رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى صلوة اقبل علينا بوجهه رواه البخارى عن البراء قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال فسمعته يقول رب قنى عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك، رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف باب الدعاء فى التشهد ص ۸۷)

مراقی الفلاح میں ہے وعقب الفرض ان لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) ان شاء ان لم يكن فى مقابلة مصل لما فى الصحيحين كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا صلى اقبل علينا بوجهه، وان شاء الا امام انحرف عن يمينه وان شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا اولى لما فى مسلم كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه..... الخ (مراقی الفلاح مع طحطاوى ص ۱۷۱ باب

الامامة فصل فی صفة الاذکار

مذکورہ حدیثوں اور عبارت سے ثابت ہوا کہ تینوں طرح بیٹھنا درست ہے، البتہ دائیں طرف متوجہ ہونا اولیٰ ہے لیکن کسی ایک کا الزام اور اصرار صحیح نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ، لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلواته يرى ان حقاً عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره، متفق عليه، مشکوٰۃ ص ۸۷۔

یعنی تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ (دائیں طرف ہی مڑنے کو لازم اور ضروری سمجھے) بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے بھی دیکھا، مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله غمماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة او منكر۔ یعنی جو شخص امر مندوب (مستحب) پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو لازم (اور واجب) سمجھ لے اور (کبھی) رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا (جب مستحب پر اصرار کا یہ حال ہے) تو جو شخص بدعت او منکر پر اصرار کرے اس کا کیا حال ہوگا، مرقات شرح مشکوٰۃ باب الدعاء، فی التشهد ج ۲ ص ۲۵۳ مطبع امدادیہ ملتان، فتاویٰ رحیمیہ۔ ص ۶۷ ۵۷ فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۲-۱۳۵ فقط واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد دعا جہراً مانگے یا سراً؟

(سوال ۲۶) فرض نماز کے بعد دعا زور سے مانگنی چاہئے یا آہستہ سے؟ شریعت کے اصول کے مطابق کتاب کے نام کی تعیین کے ساتھ بتلائیں؟

(الجواب) حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مسلک میں امام اور متفرد کے لئے دعا آہستہ مانگنا مستحب ہے، شیخ منصور بن ادریس رقم طراز ہیں والدعاء سراً افضل منه جهرأ لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعاً وخفية لانه اقرب الى الاخلاص ويكره رفع الصوت به فى الصلوة وغيرها الا الحاج فانه رفع الصوت له افضل لحديث افضل الحجب العج والتج (ترجمہ) اور دعا سری (آہستہ) افضل ہے، جہری کی بہ نسبت، اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے ادعوا ربكم تضرعاً وخفيه (کہ تم اپنے رب کو پکارو یعنی اپنے رب سے مانگو آہ و زاری کے ساتھ دھیمی آواز سے) اس لئے کہ سری دعا میں اخلاص زیادہ ہے اور (شیخ منصور بن ادریس نے فرمایا کہ) نماز کے اندر اور نماز کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے مگر حاجی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کہ حدیث کی رو سے حاجی کے لئے لبیک وغیرہ دعاؤں میں بلند آواز کرنا افضل ہے۔ (مسلک السادات الی سبیل الدعوات)

مالکی اور شافعی علماء زور سے دعاء مانگنے کی اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ حاضرین محفوظ کر لیں (یعنی یاد کر لیں) یا آمین کہہ سکیں، مگر اس شرط سے کہ کسی نماز پڑھنے والے کو تکلیف نہ پہنچتی ہو، اگر مصلیوں کی نماز میں اس سے خلل پڑتا ہو تو کسی کے نزدیک بھی دعا جہراً جائز نہیں ہے اماموں کو چاہئے کہ مکروہ اور ناجائز کا ارتکاب کر کے گنہگار نہ بنیں، سنت طریقہ کے خلاف رواج قائم رکھنا گناہ کا کام ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد آواز سے دعائے مانگنا:

(سوال ۲۷) بہت سی جگہ نماز کے بعد امام زور زور سے دعائے مانگتا ہے، مسبوق وغیرہ نماز پڑھنے والوں کو بہت تشویش ہوتی ہے، نماز میں غلطی ہو جاتی ہے تو کیا اس طرح دعائے مانگنے کی شرعاً ممانعت نہیں ہے؟

(الجواب) آہستہ اور پست آواز سے دعائے مانگنا افضل ہے، مصلیٰ دعائے ذکر لیں یا دعائے جملہ ختم ہونے پر آمین کہہ سکیں اس غرض سے ذرا آواز سے دعائے مانگنا جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اس طرح دعائے مانگنا کہ نمازیوں کو تشویش ہو، نماز میں خلل واقع ہو اور غلطی ہو جائے اس طرح دعائے مانگنا جائز نہیں ہے، امام گنہگار ہوتا ہے اور جو لوگ امام کو اس طرح دعائے مانگنے پر مجبور کرتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں (روح المعانی ج ۸ ص ۱۲۲) (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز کے بعد دعائے آہستہ مانگنے یا زور سے:

(سوال ۲۸) فرض باجماعت کے بعد دعائے آہستہ مانگنے یا زور سے۔ اگر آہستہ کا حکم ہے تو کس قدر؟ اور اگر زور سے مانگنے کا حکم ہے تو کس قدر؟ دونوں میں کون سا افضل ہے؟ حدیث میں نماز کے بعد کس قدر دعائیں مانگنا وارد ہے؟ وہ سب بغیر کس طرح مروی ہیں؟ لہذا افضل کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

(الجواب) سری دعائے افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے جائز ہے، ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ (۲) حدیثوں میں جس طرح دعاء کے متعلق روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھی ایسے ہی یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا لیکن جس طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی روایتوں سے جہر نہیں ثابت ہوتا۔ دعا کی روایتوں سے بھی جہر نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد کوئی دعا پڑھی جائے:

(سوال ۲۹) ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد جن میں فرض کے بعد سنن و نوافل پڑھے جاتے ہیں دعا اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام کے ساتھ دوسری دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اور خلاف سنت بتلاتے ہیں اور دلیل میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت پیش فرماتے

(۱) من هنا جمع بکراهة رفع الصوت به وفي الانتصاف حسبك في تعيين الاسرار في اقترانه في الآية بالتضرع للاخلاق به كالا خلال بالضراعة الى الله تعالى وان دعاء لا تضرع فيه ولا خشوع لقليل الجدوى فكذلك دعاء لا خفية فيه ولا وقار يصحبه وترى كثيرا من اهل زمانك يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصا في الجوامع حتى يعظم اللفظ ويستند وتستك المسامع وتستند ولا يدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعاء كون ذلك في المسجد سورة اعراف تحت ادعوا ربكم تضرعا۔

(۲) وفصل آخرون فقالوا الا خفاء افضل عند خوف الرياء والاجهار افضل عند عدم خوفه واولى منه القول بتقديم الاخفاء على الجهر فيما اذا خيف الرياء او كان في الجهر تشوش على نحو مصل او نائم او قارى او مشغل بعلم شرعي وبتقديم الجهر على الا خفاء فيما اذا خلا عن ذلك وكان بينه قصد تعليم جاهل روح المعاني سورة اعراف تحت قوله ادعوا ربكم تضرعا ج ۸ ص ۲۰۸۔

ہیں کہ الإمام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بادعية طويلة (جب امام ظہر، مغرب، عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو سنت شروع کر دے اور طویل دعاؤں میں مشغول نہ ہو لہذا اس کی تفصیل فرمائیں؟)

(الجواب) ظہر، مغرب اور عشاء کی فرض نماز کے بعد اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والا کرام کے ساتھ چند دوسرے اذکار ماثورہ پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے، خلاف سنت نہیں ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا رات کے آخری حصہ کی اور فرض نماز کے بعد کی دعا، دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ سے فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا، دعا یہ ہے اللھم اعنی ذکوک وشکوک وحسن عبادتک۔

کتاب ”دلیل الطالب علی ارجح المطالب“ میں یہ دو حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے ”وایں ہر دو حدیث دلالت دارد بر آن کہ دعا بعد فرضی باید (یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں) (ص ۳۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے وہ کلمات یاد کئے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں! آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے: سبحان رب العزۃ عما یصفون ولسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین (مجمع الزوائد ص ۲۰۱ باب ما یقول من الذکر الدعاء عقیب الصلاۃ) بخاری شریف میں ہے آنحضرت ﷺ ہر فرض نماز کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لمانعت ولا ینفع ذا الجدمنک الجدم پڑھتے تھے (ج ۱ ص ۱۱۱ الباب الذکر بعد الصلوة)

فجر اور مغرب سب سے فارغ ہو کر اسی نشست میں دس مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شی قدیر پڑھنے کی بھی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرض نماز کے بعد استغفر اللہ تین بار اور۔

فرض نماز کے بعد مسنون دعاء:

(سوال ۳۰) فرض نماز کے بعد دعاء اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والا کرام ہی پڑھنا مسنون ہے۔ یا اس کی جگہ اور کوئی دعا پڑھنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ اللھم انت السلام ہی پڑھنے سے سنت ادا ہوگی۔ اور کوئی دعا پڑھنے سے سنت ادا نہ ہوگی، بلکہ خلاف سنت کہا جائے گا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) بے شک فرائض کے بعد ”اللھم انت السلام“ والی دعاء مسنون اور افضل ہے۔ اس لئے اکثر اسی کو پڑھا جاتا ہے۔ لیکن دوسری دعاء اور درود شریف پڑھنے سے بلکہ اس قدر خاموش بیٹھنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ لہذا کسی دوسری دعاء کو خلاف سنت کہنا صحیح نہیں ہے فالْمَسْنُونُ الْقَعُودُ بِهَذَا الْمَقْدَارِ سِوَاءَ قِرَاءَةِ هَذَا الدَّعَاءِ او

دعاء آخر او صلى على النبي صلى الله عليه وسلم او سكت (رسائل الا مكان ص ۱۴۳ فصل في النوافل الراتبه مع الفرائض) فقط والله تعالى اعلم بالصواب .

فجر اور عصر میں امام دعاء کے لئے کس طرف منہ کرے؟

(سوال ۱۳) فجر اور عصر کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد امام کو کس طرف منہ کر کے بیٹھنا افضل ہے؟
(الجواب) سیدھی طرف مڑ کر بیٹھنا افضل ہے لیکن اس پر مداومت نہ کرے گا ہے بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھے تاکہ سیدھی طرف مڑ کر بیٹھنے کو لوگ ضروری نہ سمجھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ۔ لا يجعل احدكم للشيطان شيئا من صلواته بربى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقدر آيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره (متفق عليه) یعنی: تم لوگ ایسا نہ کرو کہ اپنی نماز میں کچھ حصہ شیطان کے لئے کر لو کہ سمجھنے لگے کہ یہ لازم اور فرض ہے کہ صرف داہنی جانب ہی کو مڑے۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے دیکھا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷ باب الدعاء في التشهد) وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الا ضلال فكيف من اصر على بدعة او منكر . (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ایضاً ص ۵۳ ج ۲ مطبع امداد یہ ملتان)

ترجمہ:- جو کوئی امر مندوب یا مستحب پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو واجب اور لازم کر لے اور کبھی جواز اور رخصت پر عمل نہ کرے۔ تو بے شک ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں شیطان کامیاب ہو گیا (جب مستحب کا یہ حال ہو کہ اصرار کرنا اور ضرورت سے زیادہ اہمیت گمراہی ہو تو غور کرو) جو شخص بدعت اور فعل منکر پر اصرار کرے گا۔ اس کا کیا حکم ہوگا اور صاحب مجمع البحار نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان المندوب ينقلب مكرها اذا خيف ان يرفع عن رتبته.

ترجمہ:- بے شک کسی امر مستحب کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دیا جائے۔ یعنی اسے ضروری سمجھ لیا جائے اعتقاداً یا عملاً تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ (ج ۲ ص ۲۲۴) ایضاً فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اللهم انت السلام اور لا اله الا الله وغیرہ چند وظائف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ والاولی ان یأتی بھذہ الا ذکر قبل الرواتب فانہ جاء فی بعض الا ذکر ما یدل علی ذلک نصاً .

(ترجمہ) اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنتوں سے پہلے پڑھ لیا کریں کیونکہ بعض اذکار کے متعلق ایسے ارشادات موجود ہیں جو صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (اذکار الصلاۃ وھیاتھا المندوب الیہا، اذکار ما بعد الصلاۃ حجة الله البالغہ ج ۲ ص ۴۹)

الغرض بہت سی دعائیں اور وظائف ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ان کے پڑھنے کی فضیلت احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام اوراد ہر نماز کے بعد پڑھے جائیں بلکہ ان میں سے بعض کا پڑھ لینا ادائیگی سنت کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ظاہر آنست کہ فعل آنحضرت ﷺ ہم برس نما

بودہ نہ آں کہ بر جمع و عوات در جمع اوقات مواظبت نمودہ (شرح سفر السادة ص ۱۱۸)

الحاصل اللہم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری دعائیں ملائی جاسکتی ہیں۔ اگر سنت پڑھنے میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ ایسی ہی تاخیر ہے جیسے گھر جا کر سنتوں کے پڑھنے میں ہوتی ہے ایسی تاخیر سے ثواب میں کمی نہیں آتی، حضرت شام عبدالحق فرماتے ہیں کہ سنت پڑھنے میں تعجیل کا حکم، سنت سے پہلے آیت الکرسی اور ایسے دوسرے اذکار کے مخالف نہیں ہے۔ (اشعۃ الدعات ج ۱ ص ۱۹۸ باب الذکر بعد الصلوة)

البتہ طویل طویل دعائیں پڑھنے کی امام کو عادت نہ بنالینی چاہئے جس سے سنت میں تاخیر ہو (اور نمازی پر بھی گراں گزرے) فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المكتوبة" فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاما نگنا:

(سوال) نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاما نگنا کیسا ہے؟ بیوا تو جروا۔

(الجواب) نماز باجماعت کے بعد دعا عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف افضل ہے لہذا اس کی عادت نہ کی جائے۔ واللہ اعلم

دعاء ماثورہ میں اضافہ:

(سوال ۳۲) فرض نماز کے بعد اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام۔ میں بعض امام ومنک السلام کے بعد والیک يرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا وار السلام بڑھا دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے۔ حضرت علامہ جزری فرماتے ہیں کہ ومنک السلام کے بعد مذکورہ الفاظ کی زیادتی کی گئی ہے یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے اصل ہے واعظین کی ایجاد ہے قال الشیخ الجزری رحمہ اللہ فی تصحیح المصباح وامامنا یزاد بعد قوله ومنک السلام من نحو والیک يرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دارک دار السلام فلا اصل له بل مختلق بعض القصاص (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۵۸) ایضاً (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھنا (دعاء ثانی)

(سوال ۳۳) ظہر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد دعاما نگنے کے دو طریقے دیکھے جاتے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد امام ومقتدی مل کر اللہم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری چند ادعیہ ماثورہ (مگر زیادہ طویل نہیں) مانگی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سنن ونوافل مسجد میں یا گھر جا کر پڑھ کر خود دعا کر لیتے ہیں، امام ومقتدی جمع ہو کر دعا نہیں کی جاتی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض کے بعد فقط اللہم انت السلام الخ والی دعاما نگی جاتی ہے، پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام ومقتدی اکٹھے ہو کر فاتحہ کہہ کر جماعت سے دعا کی جاتی ہے، اس سے مصلیٰ کو بڑی تشویش ہوتی ہے، اس طریقہ کو (سنن کے بعد مل کر زور زور سے دعا کرنے کو) ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بڑے اہتمام، التزام اور

پابندیوں سے کیا جاتا ہے، کبھی بھی فوت نہ ہو، امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا۔ مذکورہ طریقہ کے ثبوت میں آیت قرآنی فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (آپ جب فارغ ہوں تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب کی طرف ہی رغبت کرو) اور حدیث رسول ﷺ الدعاء مخ العبادۃ (دعاء عبادت کا مغز ہے) پیش کرتے ہیں اور پہلے طریقہ والے کو تاریک فاتحہ، منکر دعا، وہابی، بدعقیدہ کہتے ہیں اور اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ان دونوں میں مطابق سنت کون سا طریقہ ہے پہلا یا دوسرا؟

(الجواب) مسنون یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز جماعت سے پڑھی دعاء بھی جماعت کے ساتھ کی جائے یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعائیں اور جس طرح سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں دعائیں بھی الگ الگ مانگیں۔

لہذا صورت مسئلہ میں دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ مسنون اور مطابق سنت ہے، دوسرا طریقہ خلاف سنت، بے اصل، منکھرات اور بلا دلیل ہے۔ الگ الگ سنتیں اور نقل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہو کر دعائیں مانگنا آنحضرت ﷺ کے کسی عمل اور فرمان سے ثابت ہے نہ صحابہؓ و تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول و عمل سے ثابت ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعاء بھی جماعت کے ساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تو دعاء بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہؓ کو بھی یہی ہدایت فرماتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسجد بنی عبدالاشہل میں نماز مغرب ادا فرمائی۔ نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں (ابوداؤد) اور ترمذی و نسائی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵) (۱)

بہر حال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اکثر و بیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام و مقتدی مل کر باجماعت عامانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ دعائیں مانگنے کے لئے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو درکنار واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تب بھی آپ ﷺ نے مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعائیں نہیں فرمائی بلکہ آنحضرت ﷺ سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ کی فراغت کا انتظار کئے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد میں سے چلے جاتے تھے (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی المغرب ابن تہلیان) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءة فی الركعتین بعد المغرب حتی یتفرق اهل المسجد۔

اور حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا۔

(۱) عن کعب بن عجرة قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی مسجد بنی عبدالاشہل و صلی فیہ المغرب فلما قضا صلوٰتہم راہم یسبحون بعدها فقال هذه صلوٰۃ البیوت۔ باب السنن وفضلہا

آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ ﷺ کے کوئی باقی نہ رہا۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۱ باب التطوع فی المسجد)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام و مقتدی مل کر دعائے مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں لہذا یہ دستور اور طریقہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے، اس لئے کہ قبولیت عمل کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ وہ مطابق سنت ہو۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ آیت کریمہ لیسلو کم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لان العمل اذا كان خالصا غير صواب لم يقبل وكذلك اذا كان صوابا غير خالص فالخالص ان يسكون لوجه الله والصواب ان يكون على السنة یعنی جو عمل خالص (خالص خدا کے لئے) ہو مگر صواب (مطابق سنت) نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہے، اس طرح جو عمل صواب (مطابق سنت) ہو مگر خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتا عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب یعنی مطابق سنت بھی ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۲) (العبد دیتس ۱۹۰۲۴)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔ لا يستقيم قول وعمل ونية الا بموافقة السنة (کوئی قول و عمل اور نیت لکیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے مطابق نہ ہو) (تلمیس ابلیس ص ۹)

حضرت غوث الاعظمؒ کا ارشاد ہے ولا عمل بلا اخلاص واصابة السنة (اور کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا بغیر اخلاص اور سنت کی موافقت کے۔) (فتح البانی م ۲ ص ۱۳)

حضرت احمد بن الحارثیؒ فرماتے ہیں کہ من عمل عملا بلا اتباع سنة فباطل عمله یعنی جو بھی عمل سنت کی اتباع کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد ہے ”اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ السلام کے کرو اگرچہ وہ شکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔“ (امام غزالی بنام خاص شاگرد خود ص ۷)

حضرت خولجہ محمد مصوم سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ”سعادت دارین سرور کوغین ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے، جہنم سے نجات اور دخول بسنت سید البرقہ والانبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدا کی رضا مندی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد و تقویٰ، توکل و تبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں ہے اور ذکر و فکر، ذوق و شوق آنحضرت ﷺ سے تعلق کے بغیر ناقابل اعتبار ہے (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) (مکتوب نمبر ۱۰ بنام خولجہ محمد دینار)

اور فرماتے ہیں کہ ”سنت نبوی کی روشنی کے بغیر صراط مستقیم دشوار ہے اور راہ نبوت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض خیال ہے۔“ (مکتوب نمبر ۲۲ بنام محمد حنیف)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے۔

(۱) زہد و ورع و کوش و صدق و صفا

ولیکن میفرمائے بر مصطفیٰ ﷺ

(ترجمہ) پرہیزگاری و پارسائی اور سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن آنحضرت ﷺ سے آگے نہ بڑھ

”طلب یہ کہ جیسا اور جتنا کیا ہے ایسا اور اتنا کر اپنی طرف سے زیادتی نہ کر۔

(۲) خلاف پیمبر کے رہ کر

کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ سے الٹی راہ اختیار کرے گا وہ کبھی منزل مقصود پر پہنچ نہ سکے گا۔

(۳) پندار سعدی کہ راہ صفا

تواں یا فتن جز برپے مصطفیٰ

سعدی۔ ایسا گمان ہرگز نہ کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط

مستقیم اور صفائی کا راستہ پاسکو گے۔

حضرت ابو العالیہ جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں علیکم بسلاسل الاول الذی کانوا علیہ قبل ان

یفتروا (تم پر وہ پہاڑی طریقہ واجب ہے کہ جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے) (تلمیس ابلیس ص ۸)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اصبر نفسک علی السنة وقف حیث وقف القوم وقل بما قالوا

و کف عما کنہوا عنہ واسلک سبیل سلفک الصالحین۔ طریقہ سنت پر اپنے آپ کو مضبوطی سے جمائے رکھو۔

جہاں قوم (جماعت صحابہ) ٹھہر گئی تم بھی ٹھہر جاؤ۔ جو ان بزرگوں نے فرمایا وہی تم بھی کہو۔ جس کے بیان سے یہ

حسرات رک گئے تم بھی رک جاؤ (عقل نہ چلاؤ) اور اپنے سلف صالحین کے راستے پر چلتے رہو۔ (تلمیس ابلیس)

حضرت علامہ ابن الحاج کا فرمان ہے فنحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا۔ یعنی

ہم سلف صالحین (صحابہ وغیرہم) کی پیروی کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے نہیں ہیں تو جہاں ہمارے سلف ٹھہر گئے

ہم بھی ٹھہر جائیں گے۔ (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴)

اسی لئے سورج گوہن کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے کہ ثابت ہے اور چاند گرہن کی نماز الگ الگ پڑھی

جاتی ہے کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔

عید الاضحیٰ کے روز عید گاہ آتے جاتے زور سے تکبیر پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر میں آہستہ آہستہ

پڑھتے ہیں کہ زور سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے دواذانیں اور ایک اقامت کہی جاتی ہے کہ ثابت ہے

اور عید کے لئے نہ اذان کہی جاتی ہے نہ اقامت کہ ثابت نہیں ہے۔

نماز وتر ہلال رمضان دیکھ کر باجماعت پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر کا چاند دیکھتے ہی الگ الگ

پڑھنے لگ جاتے ہیں کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح فرائض کے بعد امام و مقتدی مل کر اجتماعی دعا کرنے ہیں

کہ ثابت ہے اور سنن وغیرہ منفرد پڑھ کر دعا بھی منفرداً (تہاتہا) مانگ لیتے ہیں کہ جماعت سے ثابت نہیں ہے۔ اس

میں کیا خطا ہے؟

الغرض سوال میں جو دوسرا طریقہ بیان کیا گیا۔ ہے اس کو امر دینی سمجھنا اور سنت کی طرح تھا مے رکھنا دین میں

اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کے مرادف ہے جو بالکل ناجائز اور گناہ ہے امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے عید کے روز عید

گاہ میں عید کی نماز سے پہلے ایک آدمی کو نفل نماز پڑھنے سے روکا تو اس شخص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اللہ نماز پڑھنے

سے عذاب نہیں کرے گا (تو پھر مجھے نماز سے کیوں روکا جا رہا ہے؟) حضرت علیؑ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ تیری یہ نماز عبث ہوگئی اور (عبادت میں) عبث کام حرام ہے یعنی شاید خدا تجھ کو اس پر عذاب دے اس لئے کہ تو نے پیغمبر ﷺ کے خلاف کیا۔ مجالس الابرار ص ۱۲۹

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ”جس نے اسلام میں نئی بات ایجاد کی اور اسے بہتر سمجھا تو اس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خیانت اور کمی کرنے والا ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اليوم اكملت لكم دينكم** (آج میں نے دین مکمل کر دیا) تو جو کام حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں دین میں داخل نہیں تھا (جس کو نہ خود آپ ﷺ نے کیا اور نہ کرنے کی ترغیب دی) وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ **فما لم يكن يومئذ ديناً فلا يكون اليوم ديناً** (الاصنام ج ۱ ص ۴۸)

الغرض کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی کام جس طرح سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ نے کیا ہے اسی طرح کرنا اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور جس قدر مشابہت بڑھتی رہے گی اس کام کی فضیلت بڑھتی رہے گی اور اس میں کمال پیدا ہوتا رہے گا اور جتنا وہ مشابہت اور ہو بہو ہونے سے ہٹتا رہے گا ناقص ہوتا رہے گا اور بالکل ہٹا ہوا ہوگا تو بدعت و ضلالت ہوگا۔

اشراق اور چاشت کی نفلیں بہت فضیلت رکھتی ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے بلاجمعات کے تنہا اپنے دولت کدہ میں یہ نفلیں پڑھی ہیں۔ ان کو اعلان و مظاہرہ کے ساتھ مسجد میں پڑھا جائے یا ان کے لئے جماعت کی جائے تو سیرنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشق رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو بدعت فرمایا ہے۔ **عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا اناس يصلون في المسجد صلوة الضحى قال فسا لناة عن صلوتهم فقال بدعة** (بخاری شریف ابواب العمرة باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۳۸ و ۱۱۱) عن ابن عمر انه قال فی الضحیٰ ہی بدعة فمحمول علی ان صلوتها فی المسجد والتظاهر بها کما کانوا یفعلونه بدعة. (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ باب استحباب صلوة الضحی الخ)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ان کان ولا بدفعی بیوتکم (اگر تمہیں) (نماز چاشت) پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو) (فتح الباری ج ۳ ص ۴۳ ابواب العمرة باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابن مسعودؓ کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ کہو، وہ لوگ کہتے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے اس کو سنا اور دیکھا۔ پھر فرمایا۔ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے نہایت تاریک بدعت ہے جس میں تم مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تم اتنے بڑے صاحب علم ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ سے بھی بڑھ گئے ہو، پھر ان کو مسجد سے نکال دیا۔ (مجالس الابرار ص ۱۸ ص ۱۲۵) (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵)

دیکھئے۔ ان تسبیحات کے پڑھنے میں کوئی اختلاف یا قابل مواخذہ بات نہیں ہے۔ مگر پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام خلاف سنت تھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس کو بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسی لئے امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ”عبادات میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں بدعت اور ناجائز ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۲۴)“

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کر لینا سنت سیدالانام ﷺ کے خلاف ہے اور مخالفت سنت حرام ہے۔ (مجموع فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۹) ولان ذکر اللہ تعالیٰ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشئى دون شئى لم یکن مشروعاً حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین تحت قوله غیر مکبر و متفل قبلها)

اور حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ”کسی عبادت کو خاص کر لینا کسی وقت یا کسی جگہ کے ساتھ جس کے لئے نبی ﷺ کی کوئی حدیث یا حکم نہیں ہے ممنوع ہے اور اس کو عقیدہ بنالینا حرام ہے۔“

اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ عیدین، شب برأت اور رمضان کی آخری دس رات، اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحب ہے، مگر اس کے لئے مسجدوں میں جمع ہونا مکروہ ہے کیونکہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے (رضی اللہ عنہم) ومن السندوبات احياء ليالي العشر عن رمضان وليلى العیدین وليالي عشر ذى الحجة وليلة النصف من شعبان كما وردت به الاحادیث و ذکرها فى الترغيب والترهيب مفصلة والمراد باحياء الليل قيامه وظاهره الاستيعاب ويجوز ان يراد غالبه ويكرهه الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالي فى المساجد. (بحر الرائق ج ۲ ص ۵۲)

اب الوتر والنوافل تحت قوله وندب الاربع قبل العصر الخ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ”افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نموده اند و نماز تہجد را بجماعت میگزاردند، اطراف و جوانب در آنوقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند و جمیعت تمام ادا می نمایند و ایں عمل مکروہ است بکراہت تحریمہ“ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۴۴ مکتوب نمبر ۱۳۱) (ترجمہ) افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعات کا دوسرے بزرگوں کے سلسلوں میں بالکل وجود نہیں ہے اس عظیم الشان طریقہ (نقش بندیہ) میں پیدا کر دی گئی ہیں اور نماز تہجد جماعت سے پڑھتے ہیں، اس وقت آس پاس کے لوگ جمع ہو کر تہجد ادا کرتے ہیں اور بڑی جماعت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمی۔“

دیکھئے! نماز تہجد اکیلے پڑھنے کے بجائے جماعت سے پڑھنے کا دستور بنالیا گیا، تو امام ربانیؒ نے سخت ممانعت فرمائی اور اس کو مکروہ تحریمی ٹھہرایا۔

سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعاء کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی فاذا فرغت فانصب اور مذکورہ حدیث (الدعاء مع العبادۃ) پیش کرنا جہالت کی دلیل ہے، نماز کے بعد دعا کا کون منکر ہے؟ سوال تو سنن کے بعد اجتماعی طور پر دعائے مانگنے کے متعلق ہے، اس کے لئے آیت قرآنی اور حدیث صحیح تو درکنار، حدیث ضعیف بھی پیش نہیں

کر سکتے، اگر آیت مذکورہ سنن کے بعد دعاء اجتماعی کے متعلق ہے تو پھر آنحضرت ﷺ فرائض ادا کر کے حجرہ مبارکہ میں کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

ایسے بے اصل اور بلا دلیل خلاف سنت طریقہ کو اسلامی عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کے علامت اور شعار بنالینا اور نہ کرنے والے کو منکر دعاء و باہلی، بدعقیدہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج بتلانا کہاں کی شریعت اور کہاں کی سنت اور کہاں کا انصاف ہے؟؟؟

بے شک یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پشتگونی تیرہ سو سال پہلے آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ہو چکی ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ شائع شدہ بدعت کو سنت ٹھیسرا لیا جائے گا اگر تم اس میں تغیر کرو گے تو کہیں گے کہ سنت میں تغیر کر رہے ہو، تمہیں منکر سنت کے نام سے مشہور کریں گے۔

(۱) حدیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعائیں آئی ہیں اور ثابت ہیں اور

(۲) گھر سے نکلتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعائیں۔

(۳) مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا۔

(۴) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد پڑھنے کی دعا۔

(۵) صبح شام پڑھنے کی دعا۔

(۶) وضو سے پہلے اور بعد میں اور درمیان میں پڑھنے کی دعا۔

(۷) چاند دیکھنے اور چاند و سورج گرہن کی دعا۔

(۸) کپڑے پہننے کی دعا۔

(۹) سفر میں جاتے وقت اور واپس آتے وقت کی دعا۔

(۱۰) وداع کرنے کی دعا۔

مبارک بادی، تیمارداری، ماتم پرسی اور حدیث ہے کہ جماع سے پہلے اور جماع کے بعد اور بیت الخلا میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد پڑھنے کی دعائیں بھی آئی ہیں۔

الحاصل صبح سے شام تک سینکڑوں دعائیں پڑھنی مسنون ہیں، انہیں کوئی نہیں پڑھتا، کسی کو یاد بھی نہیں ہیں اور اس کی کسی کو فکر بھی نہیں ہے۔ فکر ہے تو بدعت کی یا مسنون دعائیں چھوڑ کر غیر مسنون، غیر ثابت اور خلاف سنت امور کرنے کرانے اور انہیں قائم رکھنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی ہے، افسوس یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پشتگونی حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی ہے۔ لا یأتی علی الناس زمان الا ا ماتوا فیہ سنة واحیوا بدعة۔ یعنی ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ سنت طریقے کو نیست و نابود کریں گے اور بدعت کو زندہ اور جاری کریں گے (غنیۃ الطالبین ص ۵۸)

رخصت کرنے کے وقت جس طرح نہایت ضروری اہم نصیحتیں کی جاتی ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جو امت کو نصیحتیں فرمائیں ان میں سب سے زیادہ اہم وصیت یہ ہے۔ آپ نے فرمایا (ﷺ) میرے بعد بہت کچھ اختلافات رونما ہوں گے۔ پس تم پر لازم اور ضروری ہے کہ میری سنت (میرے طریقہ) کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو (جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں مضبوطی سے سنبھالے رکھو اس کو دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑ لو۔ نئی باتوں

سے جو ایجاد کی جائیں پوری احتیاط برتو اور ان سے قطعاً الگ رہو کیونکہ ہر ایجاد کردہ فعل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے سلف صالحین کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کرتے تھے جو سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی معمولی فعل معلوم ہوتا ہو۔ مثلاً:-

حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو بددعا فرمائی کہ خدا خراب کرے ان دونوں چھوٹے چھوٹے نکمے ہاتھوں کو۔ پھر فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی خطبہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ حضرت عمارہ نے انگشت شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں کیا کرتے تھے، یعنی ہاتھوں کو حرکت نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ضرورت ہوتی تھی تو انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ باب ماجاء فی کراہیۃ دفع الایدی علی المنبر)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں بسم اللہ زور سے پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے فرمایا بیٹا! بدعت ہے اس سے احتیاط برتو۔ بدعت کے پاس بھی مت جاؤ صحابہ میں سے کسی کو بھی بدعت سے زیادہ دوسری کسی چیز سے بغض رکھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الحمد بسم اللہ الرحمن الرحیم)

میں نے آنحضرت ﷺ پھر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الحمد بسم اللہ الرحمن الرحیم)

حضرت امام تافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی۔ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ حضرت عبداللہ نے فوراً ٹوکا۔ والسلام علی رسول اللہ کی زیادتی کو ناپسند فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس طرح پڑھنے کی تعلیم نہیں دی آپ نے (صرف) الحمد للہ علی کل حال پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ ترمذی باب ما یقول العاطس اذا عطس ج ۲ ص ۱۰۳۔

حضرت ابوما لک الاجعمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد طارقؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول خدا ﷺ، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ کیا یہ حضرات نماز صبح میں دعاء قنوت پڑھتے تھے؟ جواب دیا کہ ”بیٹا! بدعت ہے۔“ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۳ باب فی ترک القنوت) (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۳۲)

ایک بنیادی نکتہ جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہئے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں۔ ان کے جذبات و رجحانات صراطِ مستقیم کے مقدس نشانات اور دنِ کامل کی عملی تصویریں ہیں۔ کیونکہ دین حق کے بانی حضرت حق جل مجدہ نے اپنے کلام پاک میں شہادت دی ہے کہ یہی ہیں راہِ راست پر۔ اولئک ہم الراشدون (سورہ حجرات ع ۱) یہی ہیں وہ پاک نفوس

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی ہے۔ ایمان کو ان کے دلوں میں سجا دیا ہے۔ کفر فسق اور معصیت سے بہت سخت اور شدید نفرت ان کے اندر پیدا کر دی ہے (سورہ حجرات ع ۱) پرہیز گاری پر ان کو پختہ کر دیا ہے۔ کلمہ تقویٰ ان کے لئے لازم کر دیا ہے اور ان پر چپکا دیا ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کے پورے اہل ہیں۔ سورہ فتح ع ۳۔

غور فرمائیے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شہادت کس کی ہو سکتی ہے۔ ان شہادتوں کا بار بار مطالعہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ جب یہ اکابر خلاف سنت معمولی سی بات کو بھی بدعت فرما دیتے ہیں اور بدعت سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتے تو ایک صاحب ایمان کے لئے کہاں گنجائش نکلتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو اختیار کرے اور اس کو وظیفہ عمل بنالے (معاذ اللہ) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بدعت سے نفرت حب صحابہ کی علامت ہوگی اور جس قدر صحابہ کرام سے زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی زیادہ بدعت سے نفرت ہوگی۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب کے وسیلے سے ہمیں اچھی سمجھ، سنت کی حقیقی محبت اور بدعت سے حقیقی نفرت عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرض نمازوں کے بعد امام کے ساتھ مقتدیوں کا اجتماعی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث یا کسی دلیل سے ثابت ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اس کے متعلق بہت اختلاف ہو رہا ہے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینواتو جروا۔ (از بنگلہ دیش) (الجواب) فرض نمازوں کے بعد دعا مسنونہ میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا منقول اور ثابت ہے، احقر کے بزرگوں میں محدث حضرت سید قاضی رحمت اللہ لاچپوری ثم راندیری رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کے اعتراضات کے سلسلہ میں چند رسائل لکھے ہیں، بمجلہ ان کے ایک رسالہ ”ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل“ کے آخر میں خاص اسی موضوع پر ایک فتویٰ نقل فرمایا ہے جس پر بڑے بڑے علمائے کرام مقلدین و غیر مقلدین کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، اس کو ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیر اپنے رسالہ کے اختتام پر ارقام فرماتے ہیں:-
”اب میں رسالہ کو ختم کرتا ہوں، ایک ضروری مسئلہ کثیر الوقوع پر اور وہ مسئلہ بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ہے، جس کو علمائے احناف اور غیر مقلدین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں اور سب نے اپنے اپنے دستخط اس پر کر دیئے اور مستحب ثابت کر دیا ہے وہ مسئلہ بعینہا نقل کر کے پیش نظر ناظرین کئے دیتا ہوں، چونکہ وہ زبان فارسی میں ہے اور عوام اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہذا اس کا ترجمہ اردو میں خالصتاً کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو اور اس کا اجر عند اللہ چاہتا ہوں۔ حسبن اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔“

استفسار:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا دعا میں بعد اداۓ

نماز کے جیسا کہ معمول اماموں کا ہے، احادیث قولیہ یا فعلیہ سے ثابت ہے یا نہ، ہر چند کہ اس کو فقہاء مستحسن لکھتے ہیں اور احادیث سے مطلق دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، لیکن اس بارہ میں خاص طور پر بھی کوئی حدیث وارد ہے یا نہ؟ بیوقوف تو جروا۔

(الجواب) ایک حدیث وارد ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیالیسی حدثنا عبد العزيز بن عبد الرحمن القرشي عن حفيظ عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة ثم يقول اللهم الهی والہ ابراهيم واسحاق ويعقوب والہ جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی ذینی فانی مبتلی وتنا لنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی ممسک الا کان حقاً علی الله عز وجل ان لا یردیده خائبین۔ اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جاوے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لئے کافی ہے، چنانچہ ابن ہمام فتح التدریک کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں:۔ والا استحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھی۔ واللہ اعلم۔ حرره الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحنی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (ابو الحسنات محمد عبد الحی ۸۱، ۲۱) (محمد سعد اللہ)

یہ جواب صحیح اور یرائے قوی ہے اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے اسود العامری سے وہ اپنے باپ سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا الحدیث۔ پس ثابت ہوا بعد نماز مفروضہ کے ہاتھوں کا اٹھانا دعا میں سید الانبیاء اور پیشوائے اقیاء ﷺ سے چنانچہ علماء ازکیاء پر پوشیدہ نہیں ہے۔ حرره السید شریف حسین عفا اللہ عنہ فی الدارین۔ (سید شریف حسین ۸۸، ۱۲) (حسبنا اللہ حفیظ اللہ) (محمد عبد الرب) (سید احمد حسین ۸۶، ۱۲) (سید محمد نذیر حسین ۸، ۱۲)

جیسا کہ حدیث سے جو جواب میں مذکور ہوئی ہے رفع یدین بعد نماز کے دعا میں ثابت ہے اسی طرح اس حدیث سے کہ ابن ماجہ قزوینی میں مرقوم ہے اس سے بھی ثابت ہے۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا شبابہ بن سوار ثنا شعبہ حدثنی عبد اللہ بن سعید عن انس بن انس عن عبد اللہ بن نافع بن العمیاء عن عبد اللہ بن الحارث عن المطلب یعنی ابن ابی وداعة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الليل مشني مشني وتشهد في كل ركعتين وقباس وتمسكن وتقنع ونقول اللهم اغفر لي فمن لم يفعل ذلك فهي خداج قوله تقنع من باب الافعال ای تر رفع یدیک بعد الصلوة وقت الدعاء ۱۲۔

تقریر مولانا و مرشد نا حاجی الحرمین الشریفین المهاجر فی سبیل اللہ تعالیٰ محمد اسحاق المشہور فی الآفاق المحدث الدہلوی مولداً والمکی مضجعاً غفر اللہ لی ولہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ کی ومنہ حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعہما (نہایۃ الجزری) ومنہ

حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعہما الی اللہ بالدعاء (مجمع البحار) لیکن اس حدیث کی اسناد میں عبد اللہ بن نافع بن العمیاء ہے اور یہ مجہول ہے چنانچہ تقریب میں مرقوم ہے مجہول من الثانیۃ لیکن جہالت راوی سے حدیث موضوع نہیں ہوتی ہے، البتہ ضعیف ہوتی ہے اور عمل کرنا حدیث ضعیف کے ساتھ فضائل اعمال میں جائز ہے، اتفاقاً، چنانچہ ماعلیٰ قاری نے رسالہ فضل شعبان میں لکھا ہے۔ قلت جہالة بعض الرواة لا تقتضى كون الحديث موضوعاً کذا نکارۃ الالفاظ فیبغی ان یحکم بانہ ضعیف ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال اتفاقاً ودر بعض الاحکام عمل بحدیث ضعیف جائز ہے بعضوں کے نزدیک اس وقت کہ اس میں احتیاط ہو، چنانچہ شامی میں مسطور ہے قال السیوطی ویعمل بہ ایضاً فی الاحکام اذا کان فیہ احتیاط، اور جب کہ رفع یدین وقت دعا کے مطلقاً حدیث صحیح سے ثابت ہے لہذا عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ جائز ہے اور جس وقت اعتقاد سنت عمل کا نہ ہو بلکہ استحباب کا ہو تو بھی عمل حدیث ضعیف کے ساتھ جائز اور صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف شدید ضعیف نہ ہو یعنی کذاب اور متہم بالكذب نہ ہو گو مجہول ہو، چنانچہ درمختار میں مذکور ہے۔ شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وان یدخل تحت اصل عام وان لا یعتقد سنیۃ ذلک الحدیث۔ اور شامی میں مسطور ہے، شدید الضعف هو الذی لا یخلو طریق من طرقہ عن کذاب او متہم بالكذب قالہ ابن حجر اور شامی میں ہے ای سنیۃ العمل بہ پس اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ استحباب ثابت کرنے کے لئے جائز ہے اس واسطے کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے، چنانچہ مجیب نے اپنے جواب میں لکھا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد عالم غنی عنہ ۱۲۸۳ھ (از ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل ص ۶۲، ۶۳، ۶۴)

عید کی نماز کے بعد دعا کرنا:

(استفتاء ۳۵) ہمارے گاؤں میں ہمارے ہم وطن ایک عالم اور حافظ افریقہ سے آئے ہیں، رمضان المبارک میں جامع مسجد میں ہجگانہ نماز اور تراویح پڑھاتے رہے، عید کی نماز بھی انہوں نے پڑھائی، افریقہ کے دستور کے موافق عید کے خطبہ کے بعد منبر سے اتر کر نیچے بیٹھے اور دعا کرنا شروع کی، اس اثنا، میں گاؤں کے ایک مولوی صاحب غضبناک ہو کر منبر پر آ بیٹھے اور امام صاحب سے کہا کہ دعا بند کر دو مگر انہوں نے دعا جاری رکھی اور جلد ختم کر دی، اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ عید کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی ہے خطبہ کے بعد آپ نے دعا نہیں کی، لہذا یہ بدعت ہے، اس پر بجائے عید کی خوشی اور مسرت کے ناراضگی اور کدورت کی فضا پیدا ہو گئی، سمجھدار لوگوں نے کہا کہ سب کے سامنے اس طرح توہین آمیز لہجہ میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں تنہائی میں یا علماء کی مجلس میں کہتے، الحاصل ان کا یہ طریقہ سزاوار ہے یا نہیں؟ شرعی ہدایات اس سلسلہ میں کیا ہے؟ جواب عنایت فرمایا کہ مشکور فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) هو الموفق للصواب:- ہمارے اکابر عید کے موقع کی مستقلاً اجتماعی دعا کے متعلق مختلف الرائے ہیں، بعض تو اس کے ثبوت کے قائل ہی نہیں چنانچہ امام محققین علامہ ابو الحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:- روایات حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور

اس کے بعد معاودت فرماتے تھے (واپس لوٹتے تھے) اور بعد نماز یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا آپ سے ثابت نہیں اور اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اس کا ثبوت نظر سے نہیں گذرا (مجموعہ فتاویٰ قدیم ج ۱ ص ۱۲۰) رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”قول حضرت ام عطیہؓ کہ ہمیں حکم تھا حیض والی عورتیں بھی عید گاہ کی طرف نکلیں تاکہ مردوں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں۔ الی قولہ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عید کے بعد دعا ہوتی تھی، جس طرح پانچ وقت نماز کے بعد ہوتی ہے اور اس بارے میں اطلاقات سے تسک و استدلال صحیح نہیں کیونکہ ان سے استدلال کی گنجائش اس وقت ہوتی ہے کہ وہاں خاص موقع و مقام میں کوئی دوسری بات موجود نہ ہو، اور یہاں دوسری صورت موجود ہے کہ عید کی نماز نو سال تک ہوتی رہی (کل اٹھارہ نمازیں ہوئیں) کسی نے بھی نماز کے بعد دعا نقل نہیں کی لہذا عام اطلاقات سے کہ عام نمازوں کے بعد دعا ثابت ہے، یہاں خاص عید کی نماز کے بعد دعا ثابت نہیں کر سکتے، الی قولہ۔ دوسرے یہ کہ یہاں (عید کی نماز میں) نماز و خطبہ کا اتصال مطلوب ہے اس لئے ان کے درمیان نہ ہونی چاہئے (کہ اس سے نماز و خطبہ میں انقطاع اور فصل لازم آتا ہے) اور حدیث میں جو ذکر دعا و دعوت اور اس میں عورتوں کی شرکت کا ہوا ہے اس سے مراد وہ اذکار ہیں جو خطبہ اور وعظ نصیحت کے ضمن میں ہوتے ہیں، کیونکہ دعا و دعوت عام ہے الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۲) (العرف الشذی ص ۲۴۱) (انوار الباری شرح صحیح بخاری اردو ج ۸ ص ۹۰-۹۱) اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”بعد نماز عید کے دعا مانگنا نبی ﷺ اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔“ (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۷۱)

اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ سے دعا کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر آپ تعین موقع کے ثبوت کے قائل نہیں ہیں، فرماتے ہیں:- ”عید کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر (نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد) دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔“ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرح فرماتے ہیں:- واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول نہیں دیکھا گیا اور دعوت و عزم سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کی یہ دعا کس وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں (لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداء کا بھی مشکل ہے کیونکہ عموماً نصوص سے فضیلت عا بعد الصلوة کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کر دے اس پر بھی ملامت نہیں، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتمم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۷۷ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین)

ان مذکورہ بالا اقوال و فتاویٰ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:-

(۱) نماز عیدین کے لئے کوئی مستقل اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے، خطبہ کے ضمن میں جو دعا ہوتی ہے وہی

اصل دعا ہے۔

(۲) خطبہ کے بعد دعا کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱ اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۷۷ کے فتویٰ کا

مطلب یہ ہے کہ اس کی عادت کر لینا اور اس کو سنت طریقہ سمجھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں خطبہ کی بعد دعا مانگنے کا دستور تھا، اس کو سنت طریقہ سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کرنے پر تیار نہیں تھے)

(۳) نماز عید کے بعد دعا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، تاکید حکم نہیں ہے (امداد الفتاویٰ)

لہذا صورت مسئلہ میں مجمع عام میں جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے ان کی ذمہ اس

کی تلافی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔

فرض نماز کے بعد امام جہر اُدعا مانگے یا سر:

(سوال ۳۶) بعد نماز پنجگانہ امام کے لئے مستحب اور مسنون جہر اُدعا مانگنا ہے یا سر؟ عام طور پر لوگ جہر اُدعا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ امام کی دعا پر آمین آمین کہنے کو فضیلت کی چیز سمجھتے ہیں، جو امام سر اُدعا مانگتا ہے اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں کہ ہم کو آمین کہنے سے محروم کیا جاتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی کے مل کر دعا مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کا مسنون اور افضل طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آہستہ دعا مانگیں یہ طریقہ اخلاص سے پر، خشوع و خضوع، عاجزی والا و نیز دل پر اثر انداز قبولیت کے قریب اور ریاکاری سے دور ہے۔ دعا میں اصل اخفاء ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ، انہ لا یحب المعتدین (قرآن مجید)

یعنی اے بندو اپنے رب سے گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو۔ زور سے دعا کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور بے شک خداوند قدوس حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

مذکورہ آیت میں اللہ عزوجل نے دعا کے دو آداب بیان فرمائے (۱) دعا عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ

ہونی چاہئے (۲) دعاء آہستہ آہستہ مانگنی چاہئے۔

حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی طریقہ تھا کما قال اللہ تعالیٰ اذ نادى ربہ نداء

خفیاً۔ یعنی (زکریا علیہ السلام نے) پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔

نیز حدیث شریف میں ہے۔ خیر الدعاء الخفی بہتر دعا خفی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔

یا ایہا الناس اربعوا علی انفسکم اتکم لیس تدعون اصم ولا غائب انکم تدعون سمیعاً

وقریباً و هو معکم (بخاری شریف ج ۲ باب غزوة خیبر ص ۶۰۵، مسلم شریف باب استحباب

حفص الصوت بالذکر الخ ج ۲ ص ۳۴۶)

اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم اس ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہے تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو اور وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔
تفسیر کبیر میں علامہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واعلم ان الاخفاء معتبر فی الدعاء يدل عليه وجوه (اول) هذه الآية (ای ادعوا ربکم الخ) فانها تدل على انه تعالى امر بالدعاء مقروناً بالاخفاء وظاهر الامر للوجوب فان لم يحصل الوجوب فلا اقل من كونه ندباً ثم قال تعالى بعده 'انه لا يحب المعتدين والاظهر ان المراد انه لا يحب المعتدين في ترك هذين الامرين المذكورين وهما التضرع والاخفاء فان الله تعالى لا يحبه ومحبة الله عبارة عن الثواب فكان المعنى ان من ترك في الدعاء التضرع والاخفاء فان الله لا يشبه البتة ولا يحسن اليه ومن كان كذلك كان من اهل العقاب لا محالة فظهر ان قوله تعالى 'انه لا يحب المعتدين' كالتهديد الشديد على ترك التضرع والاخفاء في الدعاء. التفسير ج ۴ ص ۳۷۷ سورة اعراف تحت قوله وادعوا ربکم تضرعاً الخ.

علامہ رازیؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ خوب سمجھ لو کہ دعاء میں اخفاء ہی قابل عمل ہے اور اس کی چند دلیلیں ہیں (پہلی دلیل) مذکورہ آیت ادعوا ربکم، الی قولہ (انه لا يحب المعتدين) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آہستہ آہستہ دعائے مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور صیغہ امر ظاہر اوجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ کم از کم ندب کے لئے تو ہوگا ہی پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا انه لا يحب المعتدين، اور اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ دو امر (تضرع و اخفاء) میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور آیت میں لاسکب سے لا یشیہ مراد ہے اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دعائے تضرع اور اخفاء کو چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ سزا کے حق دار ہوں گے۔

تفسیر بیضاوی میں۔

فان الاخفاء دليل الاخلاص (ایضاً ص ۲۹۴)
آہستہ آہستہ دعا کرنا اخلاص کی دلیل (علامت) ہے (اور خدا تعالیٰ کو اخلاص والا عمل از حد محبوب ہے)
فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔

يستحب في الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بالدعاء بدعة ص ۷۲.

یعنی مستحب یہ ہے کہ دعا سر امانگی جائے بلند آواز سے دعائے مانگنا بدعت ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

يدعوا الامام جهرًا لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم القوم ويخافت هو ايضاً وان جهر فهو بدعة (فتاویٰ بزازیہ جلد اول مع الہندیہ ج ۴ ص ۴۲ کتاب الصلاة الحادی عشر فی القراءة)
امام مقتدیوں کو سکھانے کے لئے جہراً دعا کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعا کریں اگر زور سے دعا کی تو یہ بدعت ہے۔

معلوم ہوا کہ جہر اذکار مانگنے پر مداومت نہیں ہونی چاہئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الامام والمأموم يخفیان الذکر الا ان احتاج الى التعلیم فتح الباری ج ۲ ص

۲۶۹

یعنی مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں، ہاں جب دعا کے سکھانے کی ضرورت ہو پھر (سیکھنے تک) مضائقہ نہیں۔
عالمگیری میں ہے۔

والسنة ان يخفی صوته بالدعاء کذا فی الجوہرۃ النيرة ج ۱ ص ۱۴۸ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج.

یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ سر اذکار مانگے۔

البحر الرائق میں ہے۔

لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين ای الجاہرین بالدعاء (ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب الجنائز

تحت قوله وشر قدامها)

یعنی فرمان خداوندی ”انہ لا يحب المعتدين“ کا مطلب یہ ہے کہ زور زور سے دعا کرنے والوں کو خدا تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

(تروی کثیراً من اهل زمانک يعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع حتی

يعظم اللغظ ويشتد وتستک المسامع وتستدولایدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت فی

الدعاء وكون ذلك فی المسجد وروی ابن جریر عن ابن جریج ان رفع الصوت بالدعاء من

الاعتداء المشار اليه بقوله سبحانه انه لا يحب المعتدين. (ج ۸ ص ۱۳۹ سورة اعراف تحت قوله

واد عواربکم تضرعاً وخفيه الخ)

تم بہت سے اماموں کو دیکھو گے کہ وہ دعا زور زور سے مانگتے ہیں خاص کر جامع مسجدوں میں حتی کہ اتنا چیختے

ہیں کہ جس کی وجہ سے (گویا) کان بہرے اور بند ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ دو بدعتوں کو جمع کر رہے ہیں

(۱) زور سے دعا مانگنا (۲) مسجد میں یہ حرکت کرنا۔ ابن جریر نے ابن حریج سے نقل کیا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اس

اعتداء (حد سے تجاوز کرنا) میں سے ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ”انہ لا يحب المعتدين“ سے

اشارہ فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ محدثین، مفسرین اور فقہاء کے اقوال سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ سر اذکار دعا مانگنا امام

مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے افضل اور مسنون ہے امام کا زور سے دعا مانگنے کی عادت بنالینا خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

اماموں کو چاہئے کہ سنت کی عظمت اور اہمیت کو پہچانیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ عوام اور خواہشات نفسانی

کی پیروی نہ کریں۔

اقوال مذکورہ کے علاوہ اکابرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں۔

”نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے۔ اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مکروہ بہر حال مکروہ ہے۔ اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولویت اور بہتر اس کے خلاف میں ہے۔ (النفائس المرغوبہ ص ۵۰۴) تفسیر مہائمی میں ہے۔

والا فضل فی الدعاء الا خفاء فان الا خفاء دلیل الا خلاص سورة اعراف تحت قوله ادعوا ربکم تضرعاً الخ .

دعاء میں اخفاء افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ طریقہ اخلاص سے قریب ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔

ادعوا ربکم الخ ای متضرعین متذلّلین مخفّین الدعاء لیكون اقرب الی الا جابة لكون الا خفاء دلیل الا خلاص والا حترار عن الریاء (ج ۳ ص ۱۷۷ ایضاً)

ادعوا ربکم الخ یعنی خشوع، خضوع، عاجزی اور آہستگی کے ساتھ دعا کرو۔ کہ یہ قبولیت کے قریب ہے۔ اس لئے کہ سرادعا کرنا اخلاص کی علامت ہے اور ریاکاری سے دوری کی دلیل ہے۔ تفسیر فتح البیان میں ہے۔

والخفیة الا سرار به فان ذلک اقطع لعرق الریاء. (ج ۲ ص ۴۰ ایضاً)

(آیت ادعوا ربکم تضرعاً وخفیہ میں) خفیہ کے معنی سرادعا کرنے کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (سرادعا کرنا) ریاکاری کی رگ کو کاٹنے کے لئے بہت ہی مؤثر ہے۔ اور تفسیر مظہری میں ہے۔

ویدل علی کون ذکر السرافضل ومجمعاً علیہ من الصحابة من تبعهم قول الحسن ان بین دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفاً ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء وما یسمع لهم صوتاً الا همسنا بینهم و بین ربهم وذلك ان الله سبحانه وتعالى یقول ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة وان الله ذکر عبداً صالحاً ورضی فعله فقال اذ نادى ربه نداءً خفياً وایضاً یدل علی فضل الذکر الخفی حدیث سعد بن ابی وقاص قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی اه .

سری، ذکر افضل ہے۔ صحابہ اور تابعین کا اسی پر اتفاق رہا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سری دعاء اور جہری دعاء میں ستر درجہ کا فرق ہے۔ مسلمان بہت لگن سے دعا کرتے تھے۔ مگر ان کی آواز قطعاً سنائی نہیں دیتی تھی۔ صرف لبوں کی سرسراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة. اور عبد صالح

(حضرت زکریا علیہ السلام) کے تذکرہ میں فرمایا۔ اذ نادى ربه نداءً خفياً، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین ذکر دعاء خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ (مرتبہ تفسیر مظہری ج ۴ ص ۳۱۷ ایضاً) ہکذا فی تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۹ ایضاً) اسی وجہ سے امت کے ائمہ اربعہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دعا سر آہی افضل ہے۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں۔ ”مسلك السادات الى سبيل الدعوات“ (جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقيم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا) کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اعلم انه لا خلاف بان المذاهب الاربعة فى ندب الدعاء سرّاً للامام والقد واجاز المالكية والشافعية جهر الامام به لتعليم المأمومين او تأمينهم على دعائه. امداد الفتاوى ج ۱ ص ۵۴۹. خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (حنبلہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعا پر آمین کہہ سکیں۔

اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اما الدعاء فيسر به بلا خلاف نووی (ج ۱ ص ۳۱۱ ایضاً)

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ دعا سر آ کر فی چاہئے۔

اخیر میں مفتی اعظم (پاکستان) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ امام بآواز دعائیہ کلمات پڑھتا ہے۔ اور عام طور پر بہت سے لوگ مسبوق ہوتے ہیں۔ جو باقی ماندہ نماز کی ادائیگی میں مشغول ہیں۔ ان کی نماز میں خلل آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کسی سے یہ صورت منقول نہیں کہ نماز کے بعد وہ (امام) دعا کرے اور مقتدی صرف آمین کہتے رہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ طریقہ مروجہ قرآن کے بتلائے ہوئے طریقہ کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے عام حالات میں اس سے اجتناب کر کے امام و مقتدی سب آہستہ آہستہ دعا مانگیں۔ ہاں کسی خاص موقع پر جہاں مذکورہ مفسدہ نہ ہوں کوئی ایک جہر اداء کرے اور دوسرے آمین کہیں۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ (احکام دعا ص ۱۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

بدعت کی جڑ یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی مصلحت سمجھ کر خلاف سلف صالحین و نصوص واردہ کوئی فعل اختیار کر لیا جائے۔ بدعت دفعۃً نہیں آتی۔ اسی طرح آہستہ آہستہ آتی ہے۔ اہل فہم پہلے سے ہی سمجھ جاتے ہیں اور روک دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بعد میں متنبہ ہوتے ہیں۔ (الورائد الشذی علی جامع الترمذی ص ۷۰)

اماموں کو چاہئے مذکورہ اقوال میں غور و تدبر کریں۔ مقتدیوں کو بھی امام کو جہر اداء کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے۔ عربی میں یاد نہ ہو تو فارسی میں اردو میں گجراتی وغیرہ میں جو اس کی زبان

ہو۔ اسی زبان میں دعائے خدائے ہماری عبادات کو بدعات اور مکروہات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔
مساجد کے امام مقتدی اور مقتدر علماء غفلت برتتے رہے تو یہ بدعت جڑ پکڑ جائے گی اور سنت کی نورانیت اور دعا کی برکات سے امت محروم ہو جائے گی۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واجتناب از آسم در سم بدعت تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیدہ احترام نماید بوی ازیں دولت بمشام جاں
اونر سد و ایں معنی امروز متعشر است کہ عالم در دریائی بدعت غرق گشتہ است و ظلمات بدعت آرام گرفته کرا مجال است
کہ دم از دفع بدعت زند و با حیا ی سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہای بدعت اند و محو کنند ہائے سنت بدعتہا
پہن شدہ تعامل خلق دانستہ، بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ میدہند و مردم را بدعت دلالت مینمایند چہ می گویند اگر ضلالت
شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد مگر نمی داند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملی کہ معتبرست همانست کہ از
صدر اول آمدہ است یا با جماع جمیع مردم حاصل گشتہ کما ذکر فی الفتاویٰ الغیاثیہ الخ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی
ص ۱۰۳ جلد ثانی مکتوب ص ۵۴)

جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیدہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت (سنت کی نورانیت) کی
بو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور
بدعت کی اندھیروں میں گھرا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت دور کرنے کا دم مارے۔ اور سنت کے زندہ کرنے کا
دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں۔ شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو
تعال جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اگر
گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی
دلیل نہیں۔ تعامل جو معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے۔ یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ
فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔ الخ ترجمہ مکتوبات م ۵۴ ص ۷۰ دفتر دوم فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاچپوری
غفرلہ دلولدیہ مؤرخہ ۲ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔

فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتوے پر اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۳۷) آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۱ و ص ۲۴۲ یہ سوال (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں دعاء ماثورہ
میں اضافہ کے عنوان سے ہے ۵ مرتب) گذرا ہے جلد اول میں ہے۔

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون اوعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ (والیک یرجع السلام حینا ربنا
بالسلام وادخلنا دار السلام) کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے..... الخ۔

مگر نظام الفتاویٰ ص ۱۶۵ میں ہے۔ اس کو دعا میں بعد نماز کے شامل کر لینا ناجائز و نادرست یا خلاف تعلیم
نبوی علیہ السلام نہ ہوگا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ احتیاط پر مبنی ہے، دعائے ماثورہ کے درمیان اضافہ یا رد و بدل پسندیدہ نہیں ہے، رسول مقبول ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو دعا تعلیم فرمائی جس میں بنیک الذی ارسلت کے الفاظ تھے، صحابی نے بغرض تعظیم لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول یعنی برسولک الذی ارسلت پڑھا تو فوراً روک دیا گیا اور اپنے تعلیم فرمودہ کلمات کہنے کی ہدایت فرمائی (ترمذی شریف ج ۲ ص ۵۷۵ باب ماجاء فی الدعاء اذا اذی الی فراشه)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

دعاء ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں اس کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئے (الی قولہ) اسی طرح کسی دعا ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۰۱-۱۱)

آپ کا دوسرا فتویٰ:-

(سوال) اذان کی دعائیں والفضیلة کے بعد الدرجة الرفیعة اور بعد وعدتہ کے وارزقنا شفاعتہ بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) الدرجة الرفیعة اور وارزقنا شفاعتہ يوم القيامة کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے تو مضائقہ بھی نہیں (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۱)

یہ موقع انفرادی دعا کا ہے اور فرائض کے بعد کا موقع اجتماعی دعا کا موقع ہے اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعا نماز کے بعد کرے، خطبہ کے بعد ثابت نہیں:

(سوال ۳۸) نماز عید کے بعد دعائے مانگے یا خطبہ کے بعد؟ ہمارے یہاں خطبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ صحیح کیا ہے؟

(الجواب) آپ کے یہاں عید گاہ میں خطبہ کے بعد دعا ہوتی ہے یہ بے اصل اور خلاف سنت ہے۔ اجتماعی دعاء کا وقت نماز عید کے بعد ہے نہ خطبہ کے بعد۔ امام کو چاہئے کہ نماز کے بعد مختصر دعا کرے ثانی خطبہ میں بھی دعا ہوتی ہے۔ عید کی مخصوص دعا وہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء ثانی (فاتحہ) کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۹) بعد سلام مسنون ہمارے یہاں موریشش (MAURITIUS) میں بہت سی مساجد میں تقریباً سو سو سال سے نمازوں کے بعد دعاء ثانی کرنے کا اور نماز جنازہ کے بعد بالالتزام فاتحہ پڑھنے کا دستور چلا آ رہا ہے، ایک ایسی ہی مسجد میں ایک نوجوان عالم کو امام مقرر کیا گیا اور ان کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ وہ دعاء ثانی کریں گے چھ ماہ تک وہ اس شرط پر عمل پیرا رہے اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے میں اس رواج پر عمل نہیں کروں گا، لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس پر عمل کرتے آ رہے ہیں پھر یہ کیونکر بدعت ہو سکتا ہے اور امام کو دعاء ثانی (فاتحہ) کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ امام صاحب ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں متولی حیران و پریشان ہے کہ مسلمانوں میں اس کی وجہ سے اختلاف رونما ہو جائے گا اور آپس میں جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں کا وقار مجروح ہوگا اس لئے متولی کی رائے یہ ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے آپس میں پھوٹ اور اختلاف متداولہ اور پہلے سے دعاء ثانی کا جو طریقہ

چلا آ رہا ہے اس پر عمل کرتے رہو، نجات کا دار و مدار اسلام کے پانچ ارکان پر ہے، دعاء ثانی کرنے نہ کرنے پر نہیں۔
محترم مفتی صاحب آپ کی تصنیف لطیف فتاویٰ رحیمیہ ہمارے پاس ہے، ہم اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے تاہم لوگ اپنی بات پر مصر ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا متولی حق بجانب ہے؟ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا یہ عمل کرتے آئے ہیں ان کی یہ بات صحیح ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بنیوا تو جروا۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ و سلماء، بے شک آپ کے یہاں موریشش میں سو، سو اسو سال سے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء کا رواج ہوگا اور نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بالالتزام ہمیشہ فاتحہ پڑھنے کا بھی دستور باپ دادا سے چلا آتا ہوگا مگر بھائی یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور اس کا سہارا لینا آپ کے شمایان شان نہیں، یہ تو اہل باطل کا شیوہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کو بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نبع ما الفينا عليه آباءنا او لو كان آباءهم

لا يعقلون شيئا ولا يهتدون (سورہ بقرہ پ)

یعنی: اور جب ان (مشرک) لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس کے مطابق چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں (کہ نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت اور شرعی دلیل رکھتے ہوں (سورہ بقرہ)

(۲) واذا قيل لهم تعالوا الى ما انزل الله قالوا حسبنا ما وجدنا عليه آباءنا (سورہ مائدہ پ ۶)

یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو (یعنی شرعی دلیل معلوم کرو) تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے پایا ہے۔ (سورہ مائدہ)

(۳) ونذر ما كان يعبد آباءنا (سورہ اعراف پ ۸)

یعنی: (مشرک بت پرستی کی مخالفت کے جواب میں کہتے ہیں) کیا (جن کو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں ان ک چھوڑ دیں؟) (سورہ اعراف)

(۴) اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا عليه آباءنا (سورہ یونس پ ۱۱)

یعنی: (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا گیا) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ (سورہ یونس)

(۵) اتنها تا ان نعبد ما يعبد آباءنا (سورہ ہود پ ۱۲)

یعنی: (حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا) کیا تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے (بڑے) باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (سورہ ہود)

(۶) ان نترك ما يعبد آباءنا (سورہ ہود پ ۱۲)

یعنی: (حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا) کیا (ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت

ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (سورہ ہود)

(۷) واذا قيل لهم اتبعوا اما نزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه آباءنا (سورہ لقمان پ ۲۱)
یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے (سورہ لقمان)

(۸) بل قالوا انا وجدنا آباءنا على امة وانا على اثارهم مهتدون * (سورہ زخرف پ ۲۵)
یعنی: بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (سورہ زخرف)

(۹) وكذلك انا وجدنا آباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون (سورہ زخرف پ ۲۵)
یعنی: اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے قدم بقدم چلے جا رہے ہیں۔ (سورہ زخرف)
آپ کے مناسب شان تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولوالامر اور ورثۃ الانبیاء علماء مجتہدین اور ائمہ دین کی اطاعت اور پیروی کریں مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اولوالامر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور مجتہدین عظام کی پیروی ضروری ہے۔ رسول مقبول ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة۔

یعنی: میرے طریقہ کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، جو نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں گی ان سے احتراز کرو، اس لئے کہ ہر وہ نئی رسم جو (دین کے نام پر) ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷، ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵ مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

احادیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا منقول ہے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا بھی مذکور ہے، ہم بستری سے پہلے ہم بستری کے بعد کی دعا بھی موجود ہے، بیت الخلاء میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد کی دعا بھی ثابت و منقول ہے تو سنن و نوافل کے بعد کی دعا کیوں منقول نہیں؟ اگر ثابت ہوتی تو ضرور منقول ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرض نمازوں کے بعد کی سنن اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جا کر پڑھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں سنتیں ادا فرماتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد گھر میں ہی دعا کرتے تھے سب کا مسجد میں واپس آ کر دعا کرنا کہیں منقول نہیں، کبھی کسی وجہ سے مسجد میں آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام نے سنن و نوافل ادا فرمائی ہیں مگر دعا سب نے مل کر مانگی ہو یہ کہیں ثابت نہیں، صحابہؓ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت پڑھتے تھے کہ مصلیٰ حضرات مسجد سے چلے جاتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءة فی الركعتین بعد المغرب حتی ینفارق اهل المسجد (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی

المغرب این تصلیان) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک رات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا آپ عشاء کی نماز کے بعد نماز میں مشغول رہے حتیٰ کہ مسجد میں بجز آنحضرت ﷺ کے کوئی باقی نہیں رہا (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۱ باب التطوع فی المساجد)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں کے بعد امام و مقتدیوں کے مل کر دعا کرنے کا دستور تھا ہی نہیں، لہذا اس طریقہ کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اس لئے اس کو پکڑے رہنا اور اس پر اصرار کرنا اور امام کو اس کا پابند بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہونے کے ساتھ صواب یعنی سنت کے موافق بھی ہو حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں لا یستقیم قول ولا عمل و نية الا بموافقة السنة (تلبیس ابلیس ص ۱)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ولا عمل بالا اخلاص واصابة السنة یعنی کوئی عمل بلا اخلاص اور سنت کی موافقت کے مقبول نہیں ہوتا (الفتح الربانی ص ۱۴ مجلس نمبر ۲)

مشہور بزرگ حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں من عمل عملاً بلا اتباع سنة فعمله باطل جو عمل بھی سنت کی موافقت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہوگا (کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۱۱۴)

موا! کب تک مصلحت کا سہارا لیتے رہیں گے؟ بے شک فتنہ سے بچنا ضروری ہے اس لئے سختی اور غلٹ سے کام نہ لیں اور بتدریج صحیح مسئلہ کی اشاعت کی جائے اور نمازیوں کو جمع کر کے فتویٰ سنایا جائے، بار بار سنایا جائے اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے جب امام اور متولی اسے معمولی بات سمجھ کر اور فتنہ کا خوف بتلا کر خلاف سنت طریقہ کو پکڑے رہیں گے تو کیا اس کے مٹانے کے لئے آسمان سے فرشتے آئیں گے؟ کس کا انتظار ہے؟ سو اسو سال تو ہو چکے خدا راست کی قدر پہنچانے اور بدعت کی نحوست کو سمجھنے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

خلاف	پیہر	کے	رہ	گزید
کہ	ہر	گزر	بمزل	نخواہد
پندار	سعدی	کہ	راہ	صفا
تواں	رفت	جز	بر	پئے
				مصطفیٰ

ترجمہ: جس نے نبی کریم ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہر گز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ خیال مت کر کہ سیدھا راستہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے

زہد	وورع	کوش	وصدق	وصفا
دلیکن	میزائے	بر		مصطفیٰ

لہذا اس سنت کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کیجئے، حدیث میں ہے کہ مردہ (مٹی ہوئی) سنت کو زندہ کرنے والا شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ کون مسلمان ہوگا جس کو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا نہ ہوگی، نیز حدیث میں ہے من احیی سنتی فقد احییانی ومن احییانی کان معی فی الجنة، جس نے میری سنت کو زندہ

کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۲) نیز حدیث میں ہے من حفظ سنتی اکرمہ اللہ باربع خصال، المحبة فی قلوب البورۃ، والہیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق، والثقة فی الدین۔ یعنی جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو خدا تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) پاک باز لوگوں (بزرگوں) کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا (۲) بدکار (بدمعاش) لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا کر دے گا (۳) رزق کو فراخ کر دے گا (۴) اور دین میں پختگی نصیب فرمائے گا۔ (شرح شریعة الاسلام ص ۸ سید علی زادہ)

امام زہری کا مقولہ ہے الا اعتصام بالسنة نجاۃ سنت کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ان السنة مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق۔ یعنی سنت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہو گیا (وہ گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا (یعنی گمراہی کی گڑھے میں گر گیا)۔ خدا تعالیٰ سب کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے آمین یا رب العالمین فقط واللہ اعلم۔ دعا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

(سوال ۴۰) نماز کے بعد دعا مانگنے کے وقت ہاتھ کھلے رکھے جائیں یا ملا کر؟ بغل کھلی رکھے یا بند؟ یعنی کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھے یا ملی ہوئی؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھا کر دعا کرے اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو ملا کر رکھنا خلاف اولیٰ ہے (فیکون بینہما الا ذکر بعد الصلوة فرجة) (درمختار) (قوله فیکون بینہما فرجة) ای وان قلت فنیۃ (شامی ج ۱ ص ۴۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار:

(سوال ۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب بعد نماز فجر وعصر دعاء میں ذرا طول کرتے ہیں اور ظہر ومغرب اور عشاء میں فرض حجاز کے بعد تین چار دعائیں مانگتے ہیں، نیز عید کی نماز کے بعد بھی طویل دعاء مانگتے ہیں، اس کے متعلق تحریر فرما دیں کہ مسنون کیا ہے؟

(الجواب) فجر اور عصر کی نماز کے بعد (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ نہیں) کمزور بیمار اور کام کاج والے مصلیوں کی رعایت کر کے طویل دعاء کی گنجائش ہے اور ظہر ومغرب اور عشاء کی نماز (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ ہیں ان) کے بعد معمولی درجہ کی دعا مانگنے یعنی اللہم انت السلام الخ کے ساتھ بعض دعائے ماثورہ ملا لینا اولیٰ ہے۔ چونکہ جمعہ کی نماز کے بعد بھی سنتیں ہیں لہذا معمولی درجہ کی دعا کرنی چاہئے، مزید تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی حصہ اول ص ۱۱۸۔ اور انگریزی ج ۱ ص ۱۵۲۔ اور اردو ج ۱ ص ۲۰۳ (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں فرض نماز کے بعد کون سی دعاء پڑھی جائے کے عنوان سے دیکھیں۔ ص ۵۵ ج ۶ مرتب)

ایسے ہی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ ہے پس مختصری دعاء کی گنجائش ہے۔ دعاء میں طوالت ہونے کی صورت میں نماز و خطبہ کے مابین اتصال نہ رہے گا بلکہ فاصلہ ہو جاوے گا، حالانکہ نماز و خطبہ میں اتصال مطلوب و مستنون ہے، عیدین کے اجتماع میں جس دعا کی اہمیت و ضرورت ہے وہ تو خطبہ میں پڑھ دی جاتی ہے، عیدین کی نماز کے بعد دعاء کے اہتمام کا حکم نہیں بلکہ خطبہ عید کے بعد تو دعاء کا ثبوت ہی نہیں، ملاحظہ ہو مجموعہ فتاویٰ قدیم جلد اول ص ۱۴۴، عدم ثبوت دعاء بعد نماز عیدین یا خطبہ آں از آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام و تابعین عظام مؤلفہ علامہ عبدالحی لکھنوی علم الفقہ حصہ دوم ص ۳۲۶، از مولانا عبد الشکور لکھنوی، العرف الشذی شرح ترمذی جلد اول ص ۲۴۱ از علامہ انور شاہ صاحب کشمیری، فیض الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۳۶۲ میں ہے۔ ویذعون بدعائهم ای بدعائهم للمؤمنین فی حلال الخطبة لانه لم یثبت عنه صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلاة العید دعاء فالسنة الخاصة فی ذلک قاضیة علی عموم الا حدیث فی الا ذکار بعد الصلوات فقط۔

فجر وعصر کی نماز کے بعد قبل دعائے امام چلے جانا:

(سوال ۴۲) فجر وعصر میں بعد سلام امام اپنی دعا پوری کر کے (قبل اس کے کہ امام دعا سے فارغ ہو) چلے جانا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) بلا عذر اس طرح کرنا خلاف سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے، اور اس کی عادت بنالینا گناہ ہے، عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضهم علی الصلوة ونهاهم ان ينصرفوا قبل انصرافه من الصلوة یعنی نہیں کر دازیں کہ برگردند پیش از برگشتن وے ﷺ از نماز خود چنانکہ پیشتر از حضرت سلام بدہند و از نماز برآیند یا بعد از سلام دادن پیشتر از اں کہ آں حضرت برخیزد برخیزند و برند و منتظر ذکر و دعائے نشیند و نہی بر معنی اول تحریری و بر ثانی تنزیہی است۔ (اشعة الممعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بعد نماز جمعہ دعاء:

(سوال ۴۳) جمعہ کی فرض نماز کے بعد دعائے ماثور کے ساتھ قرآن وحدیث کی دیگر دعاء ملا سکتے ہیں؟ بینواتو جروا۔ (الجواب) بعد نماز جمعہ دعائے ماثور کے ساتھ دیگر دعاء شامل کر سکتے ہیں لیکن مختصر ہونا چاہئے، تطویل کر کے لوگوں کو تنگ کرنا اور سنن رواتب کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مناسب نہیں کیونکہ بڑے مجمع میں کمزور، بیمار، کام کاج والے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، امام کو اس کا لحاظ چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا:

(سوال ۴۴) نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا کیسا ہے بینواتو جروا۔

(الجواب) نماز باجماعت کے بعد دعاء عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف افضل ہے لہذا اسی کی عادت نہ کی جائے۔ (۱) فقط واللہ اعلم۔

ولهذا كان الدعاء بالعربية اقرب الى الاجابة فلا يقع غيرها من الالسن في الرضا والمحبة لها موقع كلام العرب او وظاهر التعليل ان الدعاء بالعربية خلاف الا ولى شامى صفة الصلاة. مطلب في الدعاء بغير العربية ج ۱ ص ۴۸۶

کتاب الجمعة

کچھ لوگ جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکے تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۵) جماعت خانہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ جمعہ کی نماز باجماعت ادا نہ کر سکے۔ بچے ان لوگوں کو خیال ہوا کہ ظہر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کر لیں، لیکن امام صاحب نے کہا کہ مسجد میں دوسری جماعت نہیں کر سکتے اور کہا کہ تم سب لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کر لو، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا امام کی بات درست ہے؟ کیا مسجد میں دوسری جماعت نہیں کر سکتے؟ اگر جمعہ کی نماز ادا کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ دوسری جماعت نہیں کر سکتے، مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسری مسجد جہاں جمعہ نہ ہوا ہو وہاں جا کر باقاعدہ خطبہ دے کر نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں، یا کسی مکان میں (۱) پڑھ سکتے ہیں، نظم پڑھیں تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبہ میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے ظہر کی نماز مسجد میں یا مکان میں باجماعت ادا کرنا ممنوع ہے، دیہات میں جہاں جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے ظہر یا جماعت پڑھنے کا حکم ہے، ملائذ منہ میں ہے۔ معذور و مجنون راروز جمعہ نماز ظہر باجماعت گزاروں مکروہ است (ص ۵۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم ملازم کو دوکان پر بٹھا کر دوکان کھلی رکھنا:

(سوال ۴۶) جمعہ کی اذان سے پہلے میں مسجد چلا جاتا ہوں مگر دوکان کھلی رہتی ہے غیر مسلم ملازم مال فروخت کرتا ہے، اس میں کوئی قباحت ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) غیر مسلم ملازم جس پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب نہیں ہے وہ آپ کی دوکان کھلی رکھے تو ناجائز نہیں ہے۔ وقد خص منه من لا جمعة عليه ذكره المصنف (درمختار) والحاصل ان الدليل يخص من وجوب السعي جماعة كالمریض والمسافر الخ (شامی ج ۴ ص ۱۸۲ باب بیع الفاسد تحت طلب فی البيع المكروه) لیکن احتیاط اور جمعہ کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ دوکان بند کر دی جائے تاکہ غافل قسم کے لوگوں کو اس سے غلط فہمی نہ ہو۔ دوکان بند رکھنے میں جمعہ کے دن کی عظمت اور شان و شوکت میں اضافہ ہوگا، مدارس اسلامیہ بھی بند رہتے ہیں تو اگر ایک گھنٹہ دوکان بند رہے گی تو کیا نقصان ہو جائے گا ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (سورہ جمعہ پارہ نمبر ۲۸) فقط واللہ اعلم۔

پہلی اذان جمعہ کے بعد امام کہاں بیٹھتے؟:

(سوال ۴۷) امام صاحب جمعہ کی اذان کے بعد محراب اور منبر کے پاس نہیں بیٹھتے، مسجد کے حجرہ میں یا برآمدہ میں بیٹھتے ہیں اور وہاں سنت و نوافل پڑھتے ہیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آتے ہیں، تو بہتر کیا ہے، وضاحت فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) امام جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں

جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں، جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں۔ آپ ﷺ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرہ مبارکہ سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر شریف لاتے تھے آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً و کرامۃً) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام۔ ترجمہ:..... جب امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے حدیث میں اذا قام کالفظ نہیں ہے اذا خرج کالفظ ہے، اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔ روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المؤمنین خطبہ کے لئے اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کر دیتے (مسند درک حاکم ج ۱ ص ۱۰۸ ص ۲۸۸) (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۹۹) (موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۱۲) (اصابہ فی تذکرۃ اصحابہ ج ۱ ص ۱۸۴) (اقامة الحجۃ ص ۵)۔ اور تفسیر مواہب الرحمن میں ہے۔ امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو (یعنی نکلے) جیسے آنحضرت ﷺ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفائے راشدین کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمن ج ۶ ص ۲۰۹ سورۃ جمعہ)

اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر (درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جانب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے، خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے۔ شامی میں ہے (قوله عن يمين المنبر) قید لمخدعه قال في البحر فان لم يكن ففی جهته او ناحيته وتكره صلاحته في المحراب قبل الخطبة (شامی ج ۱ ص ۶۰ باب الجمعة) آپ کے یہاں کے امام صاحب کا عمل مطابق سنت ہے، آج کل یہ سنت متروک العمل ہے، حق تعالیٰ اماموں کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہنا:

(سوال ۴۸) جمعہ کے دن پہلی اذان منارہ پر ہوتی ہے، غیر مقلدین اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بدعت عثمانی (رضی اللہ عنہ) ہے اور ناجائز ہے، یہ اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) رسول مقبول ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان کم تھے ایک اذان جو منبر کے پاس ہوتی تھی وہ کافی تھی، بعد میں مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو اذان مبری کافی نہ رہی اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ مبارکہ میں صحابہؓ کے اجماع سے پہلی اذان کا اضافہ ہوا، اور اجماع حجت شرعیہ ہے، نیز حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین مہدین میں سے ہیں اور رسول مقبول ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا۔ فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔ الحدیث (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوة۔ اے ایمان والو جب اذان دی جاوے واسطے نماز کے ف یعنی نماز جمعہ کے واسطے اذان دی جاوے اور یہ پہلی اذان ہے اور اس سے مراد وہ اذان ہے جب خطبہ پڑھنے کے واسطے خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے رو برو کھڑے ہو کر اذان کہی جاوے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی، پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں کی کثرت ہو گئی اور آبادی بھی دور تک بڑھ گئی تو آپ نے مقام زوراء پر ایک اذان بڑھائی کہ اس کے سنتے ہی لوگ خرید و فروخت چھوڑتے اور جمعہ کے واسطے متوجہ ہوتے تھے، پھر جب خطیب منبر پر بیٹھتا تو بدستور سابق اس کے سامنے دوبارہ اذان دی جاتی پھر بعد فراغت خطبہ کے نماز کے واسطے اقامت کہی جاتی وہ بھی اذان کہلاتی ہے اور اس وقت سے اسی طرح معمول رہا اور اس زمانہ میں اصحاب مہاجرین و انصار بہت موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ بھی سنت معمول ہو گئی، کیونکہ حدیث میں آیا ہے علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدین من بعدی۔ الحدیث۔ یعنی تم لوگ اپنے اوپر لازم کرو میرے طریقہ سنت کو، اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ سنت کو اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور خبردار بچے رہو ایسی باتوں سے جو نئی نکالی گئی ہیں کیونکہ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے اور ہر ایک گمراہی دوزخ میں گئی ہے۔ الی قولہ۔ پس حاصل یہ کہ جمعہ کے روز پہلے منارہ پر اذان دینا جائز ہے، بعد اس کے خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دی جاوے (تفسیر مواہب الرحمن ج ۶ ص ۴۰۳ سورہ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے اذان عام والے مسئلہ پر ایک مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا مفصل جواب!

(سوال ۴۹) سیدی وسید المؤمنین حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد سلام مسنون بخیر ہوں۔ کافی دنوں سے خبر سن رکھی تھی کہ حضرت والا نے بھائی صاحب کی معرفت فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم احقر کے لئے بطور ہدیہ ارسال فرمایا ہے، آج وہ ہدیہ پر خلوص موصول ہوا، کسی قدر خاص سے آپ نے وہ ہدیہ بھیجا ہے کہ اور تمام کتابوں کا مطالعہ چھوڑ کر اسی کو دیکھنے میں لگ گیا، تقریباً تین ربع سے زیادہ ۲۴ گھنٹے میں دیکھ لیا، بہت سی چیزیں دیکھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین خیراً۔ فتاویٰ رحیمہ ج ۳ ص ۵۹ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھیں ص ۹۴ مرتب) کے مسئلہ۔ بمبئی کے رہنے والے حاجیوں کو گودی میں ٹھہرے ہوئے جہاز میں مقیم ٹھہرا کر اتمام صلوٰۃ کا سم دیا گیا، اس لئے کہ گودی فناء شہر میں واقع ہے لیکن جمعہ پڑھنے سے اس لئے روکا گیا کہ جہاز میں اذان عام نہیں ہے اور شرائط جمعہ میں سے اذان عام ہے جو یہاں مفقود ہے۔

شامی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ صحیح ہونا چاہئے بلکہ ان پر فرض ہونا چاہئے، کیونکہ اذان عام کی شرط شامی میں وہاں بتائی گئی ہے جہاں جمعہ فقط ایک جگہ ہوتا ہے تاکہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو مگر جہاں تعدد جمعہ کا رواج ہو اور چند جگہ ہوتا ہو وہاں پر یہ شرط نہ پائی جائے تب بھی ان لوگوں پر جمعہ فرض رہے گا بشرطیکہ دوسری شرائط پائی جائیں

اس لئے کہ اس صورت میں اذن عام نہ ہونے کے باوجود بھی لوگ جمعہ دوسری جگہ پڑھ سکیں گے اور بمبئی کا بھی یہی حال ہے۔ قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا کانت لا تقام الا فی محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا یتحقق التفریق کما افاده التعلیل۔ پھر فتاویٰ دارالعلوم جلد پنجم ص ۱۰۶ میں بھی مع حاشیہ کے یہی دیکھا کہ جمعہ ان لوگوں پر فرض ہونا چاہئے، باقی حضرت والا بھی خدا کے فضل سے علمی قوت کم نہیں رکھتے، ہو سکتا ہے کہ شامی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رائے دلائل کے اعتبار سے آپ کے نزدیک کمزور ہو۔ فقط والسلام۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔ مکرمی جانب مولانا صاحب۔ زیدت معالیکم بعد سلام منسون! عافیت طرفین مطلوب ہے۔ کافی دن ہوئے آپ کا عقیدہ تمندانہ مکتوب گرامی موصول شدہ کا شرف احوال ہوا تھا، شوق اور توجہ سے آپ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم کا مطالعہ کیا، اس قدر دانی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ نے جمعہ کے اذن عام والے مسئلہ پر نظر ثانی کی ضرورت بتلائی ہے، اس کا بھی ممنون ہوں، مگر بھائی فتویٰ خدا کے فضل سے صحیح ہے، اصلاح کا محتاج نہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی توجیہ اکثر متون و شروح کے خلاف ہے، دوسری جگہ یا دوسری مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو اذن عام شرط ہے ورنہ شرط نہیں ہے، ان کی یہ تحقیق مجروح معلوم ہوتی ہے، اذن عام کی شرط علی الاطلاق ہے اور یہی منشاء شرع کے مطابق ہے، نماز جمعہ ایک مخصوص اور مہتمم بالشان عبادت ہے، شعائر اسلام اور شعائر دین بھی ہے، اس کو دوسری عبادتوں کی طرح ادا نہ کیا جائے، نماز جمعہ کی چند خصوصیات ہیں اس کے مطابق ادا کی جائے تو صحیح ہوگی ورنہ ظہر ادا کرنا ہوگی۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصر (یعنی بڑی آبادی) میں ادا کی جائے، چھوٹی آبادی اس کے شایان شان نہیں اس لئے چھوٹے گاؤں میں ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔

(۲) اجازت امیر (یا اس کے نائب کی) شرط ہے بلا اجازت ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔ ظہر لازم ہے۔

(۳) وقت ظہر میں ادا کی جائے، وقت نکل جانے کے بعد ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی ظہر ادا کرنا لازم ہے۔

(۴) خطبہ شرط ہے، بلا خطبہ ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔

(۵) جماعت شرط ہے، بلا جماعت ادا کرنا اس کے شایان شان نہیں ہے اس لئے صحیح نہ ہوگی۔

(۶) اذن عام شرط ہے یعنی علی الاعلان اور علی سبیل الاشہار اور علی الاظہار ادا کی جائے، چھپ کر ادا کرنا اس

کے شایان شان نہیں اس لئے ادا نہ ہوگی نمازیوں کو آنے کی روک ٹوک اذن عام کے خلاف ہے، اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح نہ ہونے کی وجہ اذن عام کا فقدان ہے، کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شہر میں دوسری جگہ جمعہ نہیں ہوتا اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں کیا جس جگہ جیل خانہ ہوتا ہے اس شہر میں جمعہ نہیں ہوتا؟ ضرور ہوتا ہے اور متعدد جگہ ہوتا ہے، لہذا اذن عام کی شرط مطلق ہے، دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ حضرت عارف باللہ مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ان کے دوسرے فتوے سے ٹکرا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(سوال ۳۱۴) ایک قلعہ میں آمدورفت کے لئے عام اجازت نہیں ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ میں جمعہ جائز نہیں ہے، باہر جائز ہے جہاں عام لوگ شریک ہو جائیں۔

(الجواب) اذن عام بے شک صحت جمعہ کے لئے شرط ہے پس جب کہ اس قلعہ میں عام نمازیوں کو اجازت نہیں ہے تو وہاں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ کذا فی الدر المختار الشامی وغیرہما (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۵ ص ۹۰)

یہ فتویٰ فتاویٰ رجمیہ کے عین مطابق ہے، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے زمانہ میں تعدد جمعہ کا رواج تھا، پھر آپ نے ایسا فتویٰ کیوں دیا؟

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ تعلیم الاسلام میں لکھتے ہیں۔ ”پانچویں شرط اذن عام ہے، اذن کے معنی اجازت کے ہیں، اذن سے مطلب یہ ہے کہ سب کو اجازت ہو، جو چاہے آکر نماز میں شریک ہو سکے، ایسی جگہ جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی کہ وہاں خاص لوگ آسکتے ہوں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو (تعلیم الاسلام ص ۴۷ حصہ چہارم) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو معلوم تھا کہ دہلی وغیرہ تمام شہروں میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہے، اس کے باوجود آپ نے مطلق فتویٰ دیا، دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں لگائی، اور یہی صحیح ہے۔

امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب قدس سرہ نے بھی دوسری جگہ نماز نہ ہونے کی قید نہیں لگائی۔ فرماتے ہیں۔ ”عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۱۶)

اس میں بھی دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں ہے، اور مولانا کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا رواج تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: ”عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا۔“ پس کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں، اگر کسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو یا جمعہ کے روز مسجد کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ (بہشتی گوہر ص ۹۳) حضرت قدس سرہ کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا عام دستور تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:۔ حسب قواعد شرعیہ جیل میں اجازت عامہ نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز واجب نہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۰۸) حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب قدس سرہ (سابق شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی) ارقام فرماتے ہیں۔ ”جمعہ قائم کرنا اسلامی شعار ہے اس کو اعلان اور شہرت کے ساتھ قائم کرنا چاہئے، چنانچہ خود سلطان وقت اپنے محل کے دروازے بند کرا کر جمعہ کی نماز پڑھنا چاہے تو درست نہیں۔ ہاں اگر اذن عام ہو تو جائز ہو جائے گی (فلاح) اسی بنا پر جیل خانہ میں بھی جمعہ جائز نہیں (نور الاصابح ترجمہ نور الایضاح ص ۱۲۵)

نیز ارقام فرماتے ہیں۔ پانچویں شرط۔ اذن عام۔ یعنی ایسی جگہ جہاں پہنچنے کی سب کو اجازت ہو، جو چاہے نماز میں آکر شریک ہو سکے، اگر خاص لوگ آسکتے ہیں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو وہاں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے، جیل خانہ میں قیدیوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی اور اگر پڑھیں تو جیل خانہ میں نماز جمعہ صحیح بھی نہ ہوگی۔ (حاشیہ) حضرت تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) جب اذن عام ہو تو درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۸۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ کراچی)

والا ذن العام هذا الشرط لم يذكر في الهداية ولا اثر له في ظاهر الرواية وانما هو مذكور في النوادر ومشى عليه اصحاب المتون واستنبط ذلك من قوله تعالى يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله . فان النداء للاشتهار وفيه نظم . ولا يخفى . معنى الا ذن العام ان لا يمنع احدا ممن يصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي يصلى في الجمعة وهو يحصل بفتح ابواب الجامع فلو دخل امير خصا او قصرا واغلق بابه وصلى باصحابه لم تنعقد كذا في الكافي وغيره (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية باب صلاة الجمعة)

السادس الا ذن العام حتى لو ان السلطان او الامير اذا اغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا تجوز جمعته وان فتحه واذن للناس بالدخول جازت سواء دخلوا او لا وذلك لما مر من غير مرة انها شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والا ذن العام والاداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه (فصل في صلاة الجمعة كبيرى ص ٥١٨)

والسادس من تلك الشروط الاذن العام وهو ان يفتح باب الجامع ويؤذن للناس حتى لو اجتمعوا في الجامع واغلقوا بابه وصلوا فيه الجمعة لا يجوز وكذا السلطان لو اغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا يجوز لانها من شعائر الاسلام وخصائص الدين فلا بد من اقامتها على طريق الاشتهار وان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول فيه يجوز سواء دخلوا او لا لكن يكره لعدم قضاء حق المسجد الجامع (مجالس الابرار ص ٥٩٥ و ص ٥٩٦ مجلس نمبر ٣٩)

وسنها الا ذن العام حتى لو غلق الامام باب حصته وصلى مع رفقائه لم يجز في فتح التقدير ان اغلق باب المدينة لم يجز وفيه تأمل فانه لا ينافى الا ذن العام لمن في البلد او ما من خارج البلد فالظاهر انهم لا يجيئون لا قامة الجمعة بل ربما يجيئون للشر والفساد وهذا الشرط ايضا لا يوجد في كتب الشافعية وجه قولنا ان مبنى الجمعة على الاشتهار لانه من شعائر الاسلام والمسلمين ولا اشتهار من دون الاذن فتأمل (فصل في الجمعة رسائل الاركان ص ١١٥، ص ١١٣)

(قوله والا ذن العام) اي شرط صحتها الاداء على سبيل الاشتهار الى قوله . وفي المحيط فان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول جاز ويكره لانه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا بانها من شعائر الاسلام وخصائص الدين . فيجب اقامتها على سبيل الاشتهار . الى قوله . ولم يذكر هذا الشرط صاحب الهداية لانه غير مذكور في ظاهر الرواية وانما هو رواية النوادر كما في البدائع (البحر الرائق ج ٢ ص ١٥١ باب صلاة الجمعة)

ومنها الا ذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى ان جماعة لو اجتمعوا في الجامع واغلقوا ابواب المسجد وجمعوا لم يجز وكذا السلطان اذا اراد ان يجمع بحشمه في داره فان فتح باب الدار واذن اذنا عاما جازت صلواته شهدها العامة ولم يشهد هكذا

فی المحيط (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۵ الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة)
 ستة فی غیر المصلی وهی المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت
 والاظهار. السلطان اذا فتح باب قصره واذن للناس بالدخول فيه يجوز ويكره لانه ضيع حق
 الجامع كذا فی تبیین الحقائق (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۵) ايضاً

قال رضى الله عنه ما ذكرنا من الشرائط الخمس في غير المصلی و من جملة ذلك الاذن
 العام يعنى الاداء على سبيل الاشتهار حتى ان اميرالو اغلق ابواب الحصن وصلى فى باهله وعسكره
 صلوة الجمعة لا يجوز فى الجامع الصغير لصدر الشهيد. فصار ستة (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۱۰)
 (قوله الاذن العام) لانها من شعائر الاسلام وخصائص الدين فيجب اقامتها على سبيل
 الاشتهار ذكره الشيخ زين واحترز بالعام عن الاذن الخاص بجماعة فيه لا تصح اقامتها
 (طحطاوى على الدر المختار ج ۱ ص ۵۲۷ باب الجمعة)

ششم اذن عام. (مالا بدمنه م ص ۵۵)

وشرائط فى غيره المصر والجماعة والخطبة والسلطان والوقت والاذن العام حتى لو
 ان واليا اغلق باب بلد وجمع بحشمه وخدمه ومنع الناس عن الدخول لم تجز اخذاً من اشارة قوله
 تعالى نودى للصلوة فانه تشهير الخ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ باب الجمع)

ومنها ما هو فى غيره كالمصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والاظهار
 حتى ان والى لو اغلق باب المصر وجمع فيه بحشمه وخدمه ولم يأذن للناس بالدخول لم يجزه
 (عناية مع فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ ايضاً)

(الاذن العام) لانها من شعائر الاسلام فتودى بالشهرة بين الانام وهو يحصل
 بفتح باب الجامع او دار السلطان او القلعة بلا مانع وقد حررته فى شرح التنوير (درر
 المنتقى شرح الملتقى ص ۱۶۶)

قال فى مجمع الانهر ناقلاً عن عيون المذاهب ولا يضر غلق باب القلعة لعدوا وعادة
 قدبمة لان الاذن العام حاصل لاهله وغلق الباب ليس لمنع المصلی ولكن عمد غلقه احسن
 (طحطاوى على المراقى الفلاح ص ۲۹۶ ايضاً)

(والاذن العام) اى وشرط لا دائها الاذن العام لانها من شعائر الاسلام فيجب اقامتها
 على سبيل الاشتهار بين الانام حتى لو اغلق امير باب قصره وصلى بعسكره لم يجزه ولو فتح
 باب قصره واذن بالدخول جازت مع الكراهة كذا ذكره الشمنى. وفى المبسوط ان الاذن العام
 هو ان يفتح ابواب الجامع ويؤذن للناس حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع واغلقوا الابواب لم
 تجز وكذا السلطان اذا اراد ان يصلى بحشمه فى قصره فان فتح بابيه واذن للناس اذناً عاماً

جازت صلواتہ شهد تھا العامة اولا. وان لم يفتح بابه ولم يؤذن لهم بالدخول لاتجزه لان اشتراط السلطان للمتحرز عن تفويتها على الناس واذا لا يحصل الا بالاذن العام وكما يحتاج العامة الى السلطان في اقامتها فالسلطان يحتاج اليهم بان يؤذن لهم اذناً عاماً فبهذا يعتدل النظر من الجانبين (شرح نقايه ج ۱ ص ۱۲۵ باب الجمعة)

وذكر في النواذر شرطاً آخر لم يذكره في ظاهر الرواية وهو اداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى ان اميراً لو جمع جيشه في الحصن واغلق الابواب وصلى بهم الجمعة لاتجزئهم كذا ذكر في النواذر فانه قال السلطان اذا صلى في فهندرة والقوم مع المراء السلطان في المسجد الجامع قال ان فتح باب داره واذن للعامة بالدخول في فهندرة جازو تكون الصلاة في موضعين ولو لم ياذن للعامة وصلى مع جيشه لاتجوز صلوة السلطان وانما كان هذا شرطاً لان الله تعالى شرع النداء لصلوة الجمعة بقوله يا ايها الذين آمنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله والنداء للاشتهار ولذا يسمى جمعة لا اجتماع الجماعات فيها فاقضى ان تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور اذناً عاماً تحقيقاً لمعنى الاسم (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۹ فصل في بيان شرائط الجمعة)

ان تمام عبارتوں میں اس کی تصریح ہے کہ اگر بادشاہ اپنے محل اور قلعہ میں نماز جمعہ پڑھے تو صحت جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے، ظاہر ہے کہ اس شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ تو ہوتی ہی ہوگی مگر اس کے باوجود قلعہ میں اقامت جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط ہے اور بدائع الصنائع کی عبارت میں تو تو تكون الصلوة في موضعين کی تصریح ہے اور رسائل الارکان وغیرہ میں ان مبنی الجمعة على الاشتهار کی صراحت ہے، لہذا اب تو اشکال رفع ہو جانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر اور نماز جمعہ:

(سوال ۵۰) تبلیغی جماعت جمعہ کے وقت شہر کی ایسی مسجد میں پہنچی جہاں بستی کا ایک شخص بھی مسجد میں نہیں آیا تو اگر یہ لوگ جو مسافر شرعی ہیں جمعہ پڑھیں تو ظہر کی نماز ان کی ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) ان کا جمعہ صحیح ہو جائے گا اور نماز ظہر ان کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگی مالا بدمنہ میں ہے۔ مسئلہ: اگر جماعت مسافر ان درمصر نماز جمعہ گزارند درآ نہا مقیم کے باشندہ امام اعظم جمعہ صحیح باشد الخ (ص ۵۶ فصل در نماز جمعہ) فقط واللہ اعلم۔

پچیس سو کی بستی ہے وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال ۵۱) ایک دیہات کی آبادی پچیس سو ہے قصبہ پانچ میل دوری پر ہے تو ہماری بستی میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) آپ کی بستی شہر یا قصبہ ہو یا قصبہ نما بڑا گاؤں ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر و بیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں اور لوگوں کے حوائج ضروریہ پورے ہوتے ہوں اور خورد و نوش کا سامان اور کپڑا وغیرہ بکتا ہو تو جمعہ صحیح ہوگا ورنہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، ظہر پڑھنا لازم ہوگا، اگر ہمت اور شوق ہو تو قریب کے شہر میں جا کر جمعہ ادا کریں۔

رسائل الارکان میں علامہ بحر العلوم ارقام فرماتے ہیں فالقابل للفتویٰ فی مذهبنا الروایۃ المختارۃ للبلخی وکان مطلع الا سرار ابی قدس سرہ: یفتی بان المصر موضع یندفع فیہ حاجۃ الانسان الضروریۃ من الاکل بان یکون ہناک من یبیع طعاما والکسوة الضروریۃ وان یکون ہناک اہل حرف یشحتاج الیہم کثیرا ولا ادری ہذا کان عن اجتہادہ قدس سرہ: او وجد روایۃ واللہ اعلم (ص ۱۱۳ فصل فی الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال ۵۲) مسافر شرقی جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے اور پڑھا بھی سکتا ہے، درمختار میں ہے: ویصلح للامة فیہا (ای فی الجمعة) من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۲۳ باب الجمعة) شامی میں ہے: ان المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة علیه ولذا صحت امامتہ فیہا (شامی ج ۱ ص ۲۷ باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نمبر اذان اول کے بعد کاروبار کرنا نمبر ۲ سنت ادا کرنے سے پہلے دنیوی کام کرنا:

(سوال ۵۳) میں مظر فروش ہوں اور مظر کی پٹی اٹھا کر ادھر ادھر پھیری پھرتا ہوں، جمعہ کی دن جمعہ کی پہلی اذان کے بعد لوگ مسجد میں زیادہ آتے ہیں، تو اس وقت عطر زیادہ بکتا ہے تو کیا اذان اول کے بعد میں اپنا کاروبار جاری رکھ سکتا ہوں جمعہ سے پہلے کی سنتیں ادا کر لیتا ہوں اور خطبہ بھی پورا سنتا ہوں اور جمعہ کی نماز کے بعد فوراً باہر آ جاتا ہوں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہوں اور جب سب لوگ نکل جاتے ہیں اس وقت بعد کی سنتیں ادا کرتا ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی کاروبار بند کر کے نماز اور خطبہ کے لئے مستعد ہو جانا چاہئے، درمختار میں ہے (ووجب سعی الیہا وترك البیع) ولو مع السعی وفي المسجد اعظم وزراً والاذان الاول فی الاصح (درمختار) (قوله وفي المسجد) او علی بابہ بحر (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۰ باب الجمعة) نماز جمعہ (دورکعت فرض) کے بعد متصل سنت ادا کی جائیں، دنیوی کام میں مشغول ہو کر سنت میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لہذا مختصر قرأت سے چار رکعت ادا کر کے کاروبار میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ ویکرہ تاخیر السنة الا بقدر اللہم انت السلام الخ قال الحلوانی لا بأس بالفصل بالا ورا دواختارہ الکمال (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۲۹۲ باب تالیف الصلوۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۸ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔

ویران عید گاہ کو آباد کرنا اور بوقت توسیع محراب و منبر توڑ کر وسط میں بنانا:

(سوال ۵۴) محترم جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنونہ! گزارش یہ ہے کہ ہمارے شہر میں ایک قدیم اور پرانی عید گاہ ہے لیکن کئی سال سے اس کے اطراف و جوانب کا حصہ غیروں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور عید گاہ ناقابل انتفاع ہو گئی تھی، اتنا ہی نہیں بلکہ عید گاہ میں شراب نوشی اور جوئے کا ڈاؤن چکا تھا اور پیشاب پاخانہ سے ملوث رہتی تھی، عید گاہ کے قریب رہنے والے چند نو جوانوں نے اس چیز کو محسوس کیا اور بڑی جدوجہد کے بعد چکی دیوار بنا دی اور غیروں کا قبضہ ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ فالحمد للہ علی ذلک، عید گاہ کی توسیع کی وجہ سے محراب اور منبر کو اپنی اصلی جگہ سے ہٹا کر درمیان میں لانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) مساجد اور عید گاہ میں امام کے کھڑے رہنے کی جگہ اور محراب بالکل وسط اور درمیان میں ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں طرف صفیں برابر ہوں، ایک طرف بڑھ جانا باعث کراہت ہے لہذا محراب بالکل درمیان میں بنالی جائے اور منبر بھی محراب کے قریب ہونا چاہئے، ^(۱) ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عیدین کی نماز شہر کی عید گاہ میں ہونا سنت مؤکدہ ہے، ^(۲) سورت بڑا شہر ہے عید گاہ کا کما حقہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شہر کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی مسجدوں میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کو راندیر جانا پڑتا ہے، اس لئے سورت میں شہر کے مناسب عید گاہ کا انتظام ضروری ہے، یہ قدیم عید گاہ مسلمانوں کی عدم توجہی اور غفلت کی بنا پر کالعدم ہو گئی تھی اور اس کا کافی حصہ ناجائز قبضہ کے نذر ہو گیا تھا اور جہاں پر ہزار ہا مسلمانوں نے نماز پڑھی ہے، لاکھوں سجدے ہوئے ہیں افسوس کہ وہاں شراب نوشی اور قمار بازی کی اڈے بن گئے اور برسوں پیشاب پاخانہ کی گندگی ہوتی رہی جو اہل شہر کے لئے موجب وبال ہے۔

اللہ کے کچھ نیک بندوں کو اس کا احساس ہوا، انہوں نے اس جگہ کو ناجائز قبضہ سے چھڑایا اور گندگی سے پاک صاف کیا اور عید گاہ کی توسیع کی، یہ حضرات فی الواقع مبارک بادی کے مستحق ہیں، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کا ہاتھ بٹائیں اور ان کا پورا تعاون کریں اور اس قدیم عید گاہ کو آباد کرنے میں جدوجہد کریں، جو لوگ اس کار خیر میں داسے، درے قدمے، خنہ حصہ لیں گے وہ سنت زندہ کرنے کی بنا پر انشاء اللہ شہیدوں کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔

چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا:

(سوال ۵۵) سورت کے ایک محلہ میں ایک مسجد ویران تھی، تقریباً پانچ مہینے ہوئے اس کی مرمت کر کے آباد کی گئی ہے، مسجد کے قرب ایک بھی مسلمان کا گھر نہیں ہے، دوسرے محلوں سے لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، مسجد بہت چھوٹی ہے تقریباً پندرہ بیس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز بھی

(۱) قلت ای لأن المحراب انما یسبى علامة لمحل قیام الامام لیكون قیامہ وسط الصف کما هو السنۃ، شامی مکروہات الصلاة ج ۱ ص ۲۰۴

(۲) والخروج الیہا ای الجبۃ للصلاة العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع هو الصحیح۔ درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۷۲

جاری کی جائے تاکہ مسجد مکمل طور پر آباد ہو جائے، تو یہاں جمعہ جاری کرنا کیسا ہے؟ مینواتو جروا۔

(الجواب) مذکور مسجد بہت ہی چھوٹی ہے، اس کی آبادی کے لئے اتنا کافی ہے کہ پنجوقتہ اذان اور جماعت سے نماز ہوتی رہے، اقامت جمعہ پر مسجد کی آبادی موقوف نہیں ہے، اقامت جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے اس کا مقصد عظیم یہ ہے کہ شعائر دین کا عظیم الشان مظاہرہ ہو، یہ بات تب ہی ہو سکتی ہے کہ جمعہ عظیم الشان جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی جماعت سے جمعہ ادا کرنے میں اقامت جمعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور دوسری مسجدوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ واقامة الجمعة من اعلام الدين فلا يجوز القول بما يؤدى الى تقليلها (مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۲۱ باب الجمعة) لہذا اس مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالسواب۔

نماز جمعہ کی فضیلت اور کاروبار بند کرنا:

(سوال ۵۶) جمعہ کے دن ہم دوپہر کو نماز جمعہ سے پہلے دوکان بند کر دیتے ہیں، ہمیں کس وقت دوکان بند کرنا چاہئے، آج کل زوال ۳۵-۳۲ پر ہے اور اذان ایک بجے ہوتی ہے، اور خطبہ کا وقت ۲۰-۱۵ اکا ہے۔ فقط مینواتو جروا۔

(الجواب) احادیث میں جمعہ کے دن کی اور جمعہ کی نماز کی بہت ہی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہ عید کے دن کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی افضل ہے لہذا بہتر تو یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی نماز کی تیاری میں مشغول ہو جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ سے عمدہ کپڑے جو اسکے پاس ہوں پہنے، خوشبو لگائے، سورۃ کہف پڑھے اور جتنی جلدی ہو سکے اذان سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ کر نوافل مسلوۃ التبیح، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے، تو بڑی فضیلت کا مستحق ہوگا، حدیث میں ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر ما استطاع من طهر ويلبس من دهنه او يمس من طيب بيته ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين ثم يصلي ما كتب له ثم ينصت اذا تكلم الامام الا غفر له ما بينه وبين الجمعة الا خرى۔ رواه البخاری یعنی جو شخص جمعہ کے دن غسل اور طہارت بقدر امکان کرے، بعد اس کے اپنے بالوں میں تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اس کے بعد نماز کے لئے چلے اور جب مسجد میں آئے کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے، پھر جس قدر نوافل اس کی قسمت میں ہوں پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو سکوت کرے تو گزشتہ جمعہ سے اس وقت تک کے گناہ اس شخص کے معاف ہو جائیں گے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اور مزید تین دن کی گناہ معاف ہو جائیں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲)

اور ایک حدیث میں ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من غسل يوم الجمعة واغتسل وبكروا بتكر ومشي ولم يركب ودنا من الامام واستمع ولم يلغ كان له بكل خطوة عمل سنة اجز صيامها وقيامها (رواه الترمذی واندوۃ النسائی وابن ماجہ) جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے (یعنی بیوی کو) اور خود بھی غسل کرے اور سویرے مسجد میں پیادہ پا جاوے سوار ہو کر نہ جائے اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ غور سے سنے اور اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم کے عوض ایک سال کامل کی عبادت کا ثواب ملے گا،

ایک سال کے روزوں کا اور ایک سال کی نمازوں کا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲ باب التظیف والتکبیر) پھر نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اور اس کے بعد دوکان کھولے، اس پر عمل کرنا اور صبح ہی سی دوکان بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دوکان بند کر دی جائے کہ سنت کے موافق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے۔ (ووجب سعی الیہا وترك البیع) ولو مع السعی وفي المسجد اعظم وزراً (بالاذان الاول) فی الاصح (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰ باب الجمعة) جمعہ کے دن کی جتنی عظمت کرو گے اور سنت کے موافق نماز جمعہ کا جتنا اہتمام کرو گے، اس کے موافق برکات سے نوازے جاؤ گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز کیوں صحیح نہیں؟

(سوال ۵۷) ہمارے گاؤں میں برسوں سے جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور جمعہ کی عظمت کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، آٹھ دس ماہ سے ہمارے یہاں قریہ صغیرہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز بند کر دی گئی مگر اس کی وجہ سے وہ لوگ جو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ مسجد میں آتے تھے ان لوگوں نے مسجد میں آنا بند کر دیا، اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ ایسے لوگ جمعہ کی نماز کی وجہ سے مسجد میں آجایا کریں، جمعہ کی نماز شروع کر دیں، کیا اس مقصد سے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ہر چیز کے کچھ اصول و قواعد ہوتے ہیں، ان اصول و قواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا۔ مثلاً نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے اگر کریں تو نکاح صحیح نہ ہوگا کہ اپنا نکاح خود کرنے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ لڑکا طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کی صحت وقوع کے لئے بالغ کا طلاق دینا ضروری ہے، نابالغ لڑکا بالغین کا امام نہیں بن سکتا کہ امامت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اسی طرح حج کی ادائیگی کے لئے اشہرج ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لئے جو جگہیں مقرر کی گئی ہیں وہاں جا کر ارکان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ فریضہ حج ادا نہ ہوگا، اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے اس لئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادت جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جاسکتی۔ (۱) دیکھئے! میدان عرفات شہر میں داخل نہیں اس لئے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر پڑھتے ہیں، اسی طرح آپ کا گاؤں چھوٹا ہے شہر یا قصبہ نہیں اس لئے جمعہ یا عید کی نماز ادا نہیں کی جاسکتی، جو لوگ بے نمازی ہیں ان پر محنت کی جائے اور نماز کی اہمیت ان کے اندر پیدا کی جائے تو انشاء اللہ ظہر کی نماز بھی پڑھنا شروع کر دیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کی جماعت دوبارہ کرنا:

(سوال ۵۸) جامع مسجد میں نماز جمعہ ایسے امام نے پڑھائی جس کی قرائت ٹھیک نہ تھی، بعض نے نہ پڑھی تو اب

(۱) قوله وشرط ادائها المصرای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حی لا تصح فی قریة ولا مفازة لقول علی رضی اللہ عنہ لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظيمة رواه ابن ابی شیمہ وصححه ابن حزم بحوالہ فی باب صلاة الجمعة ج ۲ ص ۱۴۰۔

سب دوبارہ باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں!

(الجواب) جس مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ باقاعدہ ہوئی ہو وہاں دوسری مرتبہ نماز جمعہ درست نہیں۔ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ دوسری مسجد میں جا کر پڑھیں ورنہ بلا اذان اور بلا اقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کر لیں۔ (شامی ج ۶ ص ۷۶) (۱) واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا:

(سوال ۵۹) جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے (صلوۃ الجمعة رسائل الارکان ص ۶۲) وقع من ایضا ترجیح قول الامام بکراهة النافلة في وقت الاستواء يومها فانهم۔ (شامی ج ۱ ص ۷۳ آخری صلاة الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں مسجد نہیں ہے تو نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۶۰) گاؤں میں مسجد نہیں ہے، جمعہ وعیدین کے لئے تکلیف ہے، مسجد کی بنا ڈالی ہے، پنجگانہ نماز کہاں ادا کی جائے امام بھی نہیں اب اس گاؤں میں جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وجوب۔ درحقت جمعہ وعیدین کے لئے شہر اور قصبہ ہونا شرط ہے مسجد کا ہونا شرط نہیں اسی طرح جائے نماز کا وقف ہونا بھی شرط نہیں گھر میں یا کراپہ کے مکان میں ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ عام لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہو، عام اجازت نہ ہوگی تو نماز جمعہ وعیدین صحیح نہ ہوگی۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴-۷۵) (۲)

آپ حضرات موجودہ حالت میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کر لیں اس کی صفائی رکھ کر نماز باجماعت پڑھنے کا انتظام کریں اور امامت کے لئے کسی نیک دیندار کو مقرر کر لیں نماز جمعہ وعیدین کو صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام کے علاوہ تین نمازی اور ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ جہاں صحیح نہ ہو وہاں سے دوسری جگہ جانا کیسا ہے؟

(سوال ۶۱) جہاں جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں سے بالقصد دوسری جگہ جانا منع ہے ایسا فتویٰ دیا ہے تاہم جانے والے کے لئے کوئی وعید ہے؟ ہمارے یہاں سے بذریعہ ٹرین یا موٹر میں یا چالیس میل دور سفر کر کے جمعہ کے لئے جاتے ہیں تو کیسا ہے؟

(الجواب) جس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں وہاں سے شہر میں جمعہ کے لئے جانا لازم نہیں، ہاں جانے پر ثواب کا حق دار ہے جانے کی ممانعت نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۲ صلوۃ الجمعة)

(۱) وكذا اهل مصر فانهم الجمعة فانهم يصلون الظهر ولا اقامة ولا جماعة قال في الشامية تحت قوله وكذا اهل مصر عن المصنرات يصلون وحدها باب الجمعة

(۲) وبشرط لصحتها سبعة اشياء الاول المصر والسابع الاذن العام من الامام الخ باب الجمعة اگر مذکورہ جگہ شہر یا قصبہ نہیں بلکہ دیہات ہے تو جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا

ظہر و جمعہ کی سنت میں جماعت و خطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۶۴) ظہر و نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت موکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟
(الجواب) صورت مسئلہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھے (شامی ج ۱ ص ۶۶۸ اور اک الفریضۃ) فقط اللہ اعلم۔

نماز جمعہ کے قعدہ میں شرکت:

(سوال ۶۵) جمعہ کی نماز میں کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں شامل ہو تو دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پوری کرے؟
(الجواب) دو رکعت جمعہ کی پڑھے۔ چار رکعت ظہر کی پڑھنے کی حاجت نہیں۔ (نور الایضاح ص ۱۳۶)

جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال:

(سوال ۶۶) لاؤڈ اسپیکر یعنی آلہ مکبر الصوت پر جمع وعیدین کا خطبہ اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(الجواب) بعض علماء کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح نہیں کہ ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی نہیں نقلی ہے۔ اگرچہ بہت سے علماء کے نزدیک اقتداء درست اور نماز صحیح ہے فاسد یا واجب الادا نہیں لیکن ان

میں سے محتاط اور محققین علماء اس میں خرابیاں زیادہ ہونے اور نفع سے زیادہ نقصان کا پہلو غالب ہونے کی وجہ سے نماز میں اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے اور یہی مناسب ہے اور اسی میں سلف صالحین کی کامل اتباع ہے لہذا سلف صالحین کے سادہ محتاط اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی افضل العبادات اور دین کے اہم شعار کو ایسے مخدوش اور اختلافی طریقہ کے ذریعہ ادا کرنا ہرگز مناسب نہیں اس کے استعمال پر اصرار کرنا غلطی ہے خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کے شایان شان نہیں۔ اگر خطبہ اور قرأت کی آواز حاضرین تک پہنچ جاتی ہے تو کسی عالم کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے کہ اس صورت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ دور حاضر کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے ذیل میں منقول ہیں۔

(۱) الجواب (ص ۱۳۷۰) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بعض علماء اس کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

سعید احمد مفتی مظاہر العلوم (سہارنپور) ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

(۲) مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی۔ لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔ (ماہنامہ نظام کا پور۔ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲ جون ۱۹۶۰ء)

(۳) مفتی مہدی حسن صاحب۔ الجواب۔ (۵۳۳۹) جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی اور پڑھائی جائے، لاؤڈ اسپیکر نماز میں استعمال نہ کیا جائے اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت نادرست کہتی ہے اور ایک جائز کہتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقہ سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علماء کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہو جائے اور جب مجمع زیادہ ہو تو پرانے طریقے کے بموجب مکبرین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔ (حضرت مفتی مہدی حسن صاحب دارالعلوم دیوبند۔ ۲۳ ذی الحجہ ☆☆)

نماز جمعہ کی مسنون قرأت:

(سوال ۶۷) ہمارے یہاں امام صاحب نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھتے ہیں اور اس کو سنت طریقہ قرار دیتے ہیں تو کیا اس طرح قرأت کرنے سے سنت ادا ہوگی؟

(الجواب) گاہے گاہے جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورہ اعلیٰ اور ثانیہ میں سورہ غاشیہ پڑھنا سنت ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورہ جمعہ اور رکعت ثانیہ میں سورہ منافقون پڑھنا بھی مسنون ہے۔ لیکن جمعہ کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ جمعہ پڑھنا (یعنی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھنا) جیسا کہ آپ کی امام صاحب کرتے ہیں اور اس کو مسنون طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورہ جمعہ کا آخری رکوع اور ثانیہ میں سورہ منافقون کا آخری رکوع پڑھنے کو سنت کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ "زاد المعاد" میں ہے۔ ولا يستحب ان يقرأ من كل سورة بعضها او يقرأ احد هما في الركعتين فانه خلاف السنة وجهال الائمة يد او مون على ذلك، یعنی یہ طریقہ سنت اور مستحب

نہیں ہے کہ سورہ جمعہ یا سورہ منافقون کا کچھ کچھ حصہ پڑھا جائے یا ایک سورت میں دونوں رکعتیں پڑھی جائے (جیسا کہ دریافت کیا گیا ہے) یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ جاہل اماموں نے سنت سمجھ کر اس طور پر پڑھنے کی عادت بنالی ہے اسی کی پابندی کرتے ہیں (ص ۱۰۴ ج ۱) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر میں کوئی سورۃ پڑھنا مسنون ہے؟

(سوال ۶۸) نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر کی نماز میں کوئی خاص سورت یا آیات پڑھنا سنت ہے؟ اور جمعہ کے دن نماز فجر میں سورہ سجدہ پڑھنا سنت ہے؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر فجر کی سنت کی پہلی رکعت میں سورہ کافروں اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص تلاوت فرماتے تھے۔ وتر کی پہلی رکعت میں گا ہے گا ہے سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص تلاوت فرماتے تھے اور کبھی سورہ اخلاص کے ساتھ معوذتین بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون اور گا ہے پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے اور جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ دھر تلاوت فرماتے تھے۔ لہذا اسی طرح گا ہے گا ہے پڑھنا مسنون اور مستحب ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ لہذا اس پر مداومت نہ کرے کہ عوام اس کو واجب اور سنت مؤکدہ سمجھ لیں۔ ”در مختار“ میں ہے۔ ویکرہ التعین کالسجدة وهل اتی الفجر کل جمعة بل یندب قرأتہما احیاناً۔ یعنی خاص سورتوں کو مقرر کر لینا جیسے یہ مقرر کر لینا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ ہل اتی (سورہ دھر) کو پڑھے یہ مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کو بھی پڑھ لیا کرے۔ ”شامی“ میں ہے فیستحب ان یقراء ذلک احیاناً تبرکاً بالماثور۔ نمازوں میں آنحضرت ﷺ سے جو سورتیں پڑھنی ثابت ہیں۔ کبھی کبھی برکت اور ثواب کی نیت سے ان کا پڑھنا مستحب ہے۔ (ص ۵۰۸ ج ۱ فصل فی القراءة)

کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(سوال ۶۹) مفتی صاحب ہم سب گزشتہ کل جمعرات کو جہاز میں سوار ہوئے ہیں اور آج جمعہ کا دن ہے۔ اب ہمارے ساتھ بمبئی کے کئی حجاج ہیں اور جہاز ابھی بمبئی میں کسٹم (گودی) میں ہے تو یہ لوگ جمعہ ادا کریں یا ظہر؟ اسی طرح قصر کریں یا پوری ادا کریں؟

(الجواب) جہاز جب تک بمبئی گودی میں کھڑا ہے اس وقت تک بمبئی والے نماز پوری ادا کریں۔ یہ لوگ ابھی اپنے وطن کی حد (احاطہ) میں ہیں جس بناء پر مقیم ہیں مسافر نہیں۔ (۱) البتہ ان پر جمعہ کی نماز نہیں کہ جمعہ کے لئے ”اذن عام“ ضروری ہے۔ جب جہاز والے شہر میں نہیں جاسکتے اور شہر والے جہاز میں نہیں آسکتے تو ”اذن عام“ کی شرط مفقود ہے اس لئے جمعہ کی نماز ان پر لازم نہیں۔ جیسے اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قید ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں کیونکہ جیل خانہ میں جانے کی عام اجازت نہیں ہے وہ ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے۔ اسی طرح بمبئی کے حجاج بھی ظہر کی

نماز علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں جماعت نہ کریں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے شہر میں ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔ کمرہ تحریراً لمعدور و مسجون و مسافر اداء ظہر بجماعة فی مصر (الدر المختار فی شروط الجمعة ص ۱۶۷ ج ۱)

جمعہ کے دن بوقت استواء نماز کا حکم:

(سوال ۷۰) حضرت مفتی صاحب۔ بعد سلام مسنون فرزند سلمہ، نے مدراس سے مجھے لکھا ہے کہ میں مظاہر حق پڑھتا ہوں جس میں ایک حدیث پڑھی جسے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوپہر کے وقت آفتاب ڈھلنے سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن جمعہ کے دن (پڑھ سکتے ہیں) اوکما قال..... تو شافعی مسئلہ تو یہی ہے کہ زوال کے وقت جمعہ کے دن نفل پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ کسی بھی دن زوال کے وقت مکروہ ہے۔ لیکن ایک کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز جائز ہے۔ اور یہی قول ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ حضرت جابرؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے تو تم جمعہ کے دن صلوٰۃ التیسرے زوال کا وقت دیکھ دیکھ پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کے وقت بھی کچھ حرج نہیں۔ یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے (جمعہ کے علاوہ زوال کے وقت مکروہ ہے) اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (ربندہ۔ از بمبئی)

(الجواب) ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بقول ثلاث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہانا ان نصلی فیہن او نقبر فیہن مونا تا نا حین تطلع شمس بازغة حتی تر تفع و حین یقوم قائم الظہیرة حتی تسیل الشمس و حین تصیف الشمس للغروب حتی تغرب۔ یعنی حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تین وقت ہیں کہ منع فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ ہم کو اس سے کہ ہم ان میں نماز پڑھیں یا ان میں اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی جنازہ کی نماز پڑھیں) جس وقت آفتاب نکلنے لگے یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور جس وقت کہ آفتاب غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے (صحیح مسلم باب الاوقات التي نهي عن الصلوة فیہا ص ۶۷ ج ۱) اس حدیث میں ممانعت کا حکم مطلق اور عام ہے اس میں جمعہ کے دن کا استثناء نہیں ہے۔ جس حدیث میں جمعہ کے دن کا استثناء ہے وہ یہ ہے۔ عن اسی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الصلوة نصف النہار حتی تزول الا یوم الجمعة۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا نماز پڑھنے سے دوپہر کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن (منع نہیں ہے) یہ جمعہ کے دن کے استثناء والی حدیث اس درجہ کی نہیں ہے کہ عموم والی حدیث کا مقابلہ کر سکے۔ کیونکہ یہ اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے اگر برابر کی بھی مان لی جائے تو اصول حدیث کے بموجب حدیث تحریم کو ترجیح ہوگی۔

”رسائل الاذکار“ میں ہے۔ وفي التعارض يقدم المحرم على المباح واجاب الشيخ ابن

الہمام بان ہذا ین الحدیثین معارضان لحديث النهی والمحرّم راجع عند المعارضة فصل فی
المواقیت (ص ۶۲)

والجواب عنه ان استثناء یوم الجمعة لم یرو فی حدیث صحیح وکل ما جاء فیہ ضعیف
بأسره قال الحافظ فی التلخیص بعد ذکر الحدیث المذكور واسحق وبراہیم ضعیفان ورواہ
البیہقی من طریق ابی خالد الاحمر عن عبد اللہ شیخ من اهل المدينة عن سعید بہ ورواہ الاثرم
بسند فیہ الواقدی وهو متروک رواہ البیہقی بسند آخر فیہ عطاء بن عجلان وهو متروک الخ
(اعلاء السنن ص ۴۳ ج ۲ کراهة الصلاة عند الاستواء)

یعنی حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔ ان کے
راویوں میں اسحاق وبراہیم ہیں یہ ضعیف ہیں۔ بیہقی کی روایت میں واقعی ہیں وہ متروک ہیں۔ دوسری روایت میں
عطاء بن عجلان ہیں وہ بھی متروک ہیں الخ۔

پس بہ نظر قوت دلیل اصح قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ والحدیث باطلانہ حجة
على الشافعی فی تخصیص الفرائض وغیرہ بمكة وحجة على ابی یوسف فی اباحة النفل یوم
الجمعة کتاب الصلوة باب المواقیت ج ۱ ص ۸۵ (ص ۶۸ ج ۱) شامی میں ہے (قوله الا یوم
الجمعة) لمارواه الشافعی فی مسنده نہی عن الصلوة نصف النهار حتی تزول الشمس الا یوم
الجمعة قال الحافظ ابن حجر فی اسناده انقطاع و ذکر البیہقی له شواہد ضعیفة اذا ضمت قوی
الخ (قوله المصحح المعتمد) اعتراض بان المتون والشروح على خلافه (قوله ونقل الحلبي) ای
صاحب الحلبة العلامة المحقق ابن امیر الحاج عن الحاوی ای الحاوی القدسی کما رأیتہ فیہ
لکن شراح الهدایة انتصر وا القول الا امام واجابوا عن الحدیث المذكور باحدیث النهی عن
الصلوة وقت الاستواء فانها محرمة (الی قوله) وایضاً بان حدیث النهی صحیح رواہ مسلم وغیرہ
فیقدم بصحته واتفاق الانمة على العمل به وكونه حاضراً وقد ائتمعت علماء عن سنة الوضوء وتبجیة
المسجد وركعتی الطواف ونحو ذلك فان الحاضر مقدم على المبیح (الی قوله) ورایت فی
البدائع ایضاً مانصه وما ورد من النهی الا بمكة شاذ لا یقبل فی معارضة المشهور وكذا رواية
استثناء یوم الجمعة غریب فلا یجوز تخصیص المشهور به اه والله الحمد (ج ۱ ص ۳۴۵ کتاب
الصلوة) وقد منا ایضاً ترجیح قول الامام بکراهة النافلة فی وقت الاستواء یومها (الجمعة) (شامی
باب الجمعة ص ۷۷ ج ۱)

”مظاہر حق“ میں ہے (زوال کے وقت) کراہت ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک ہر زمان اور ہر مکان میں
ہے (مکہ اور جمعہ کا استثناء نہیں ہے) اور نزدیک شافعی کے اور علماء کے کہ موافق ان کے ہیں دن جمعہ کے وقت استواء
کے جائز ہے اور مکہ معظمہ میں بھی جائز ہے سب اوقات میں اور مذہب حنفیہ کا احوط ہے اس لئے کہ جب میح (مباح
بتلانے والی حدیث) اور محرم (حرام بتلانے والی حدیث) جمع ہوں تو ترجیح محرم کو ہے واللہ اعلم (ص ۳۴۲ ج ۱) اسی میں

دوسری جگہ لکھا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ جن حدیثوں میں منع کا حکم ہے وہ مشہور (معتبر) ہیں۔ اور یہ حدیث جو امام شافعی اور امام ابو یوسف کی دلیل ہے ضعیف ہے۔ ان مشہور حدیثوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ بھی عائدہ مسلمہ ہے کہ محرم رائج ہے میں پر ملخصاً (ص ۳۴۶ ج ۱) یہ ہے حنفیہ کا اصلی مذہب پھر یہ کیسے لکھ دیا کہ ”جمعہ کے دن صلوٰۃ التَّسْبِيحِ زوال کا ٹائم دیکھ دیکھ کر پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کا وقت ہونے سے بھی کچھ نہیں یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے۔“ حنفیہ کا مذہب و فتویٰ اور دلیل مسلم کی صحیح حدیث اور کتاب ”رسائل الارکان“ ہدایہ، بدائع، شامی اور مظاہر حق۔“ کی عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ یہی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور دوسرے قول کے مقابلہ میں رائج اور احوط ہے۔ لہذا اس پر عمل کرنا چاہئے۔ نماز اہم عبادتوں میں سے ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ”شامی“ میں ہے۔ ”لما فی مبسوط السرخسی ان الاخذ بالا احتیاط فی باب العبادات واجب اہ“ (ص ۱۰۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (عبادات کے متعلق مسائل میں احتیاط والے مسئلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔

فتائے مصر سے باہر رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۱) راندر کے قریب دو دیہات ہیں۔ اراجن اور پال دونوں جگہ کی فجر کی اذان سنائی دیتی ہے جب کہ لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے تو اس جگہ کے لوگوں پر نماز جمعہ کے لئے راندر آنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب یہ دونوں دیہات راندر سے علیحدہ اور مستقل ہیں تو ان کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ ولا یجب علی من کان خارجہ ولو سمع النداء من المصر سواء کان سوادہ قریباً من المصر او بعیداً علی الاصح فلا یعمل بما قیل بخلافہ وان صحیح۔ باب الجمعة (مراقی الفلاح ص ۱۰۱)

لا یعمل بما قیل الخ قال فی الشرح قد علمت بنص الحدیث والاثر الروایۃ عن ائمتنا ابی حنیفۃ وصاحبیہ واختیار المحققین من اهل الترجیح انه لا عبرۃ بیلوغ النداء ولا بالعلوۃ و ۲ مبال وانہ لیس بشیئی فلا علیک من مخالفة غیرہ وان ذکر تصحیحہ فمنہ مافی البدائع انه ان امکن ان یحضر الجمعة ویبیت باہلہ من غیر تکلف یجب علیہ الخ ای لان من جاوز هذا الحد بنیۃ السفر کان مسافراً فلو وجبت ثمنہ لو جبت علی المسافر وهو خلاف النص۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۲۔ ۲۹۳ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

(سوال ۷۲) میں۔ ”نوا گاؤں بور جائی۔“ میں ملازم ہوں۔ مدرسہ اور امامت بھی میرے ذمہ ہے۔ گاؤں میں دس ۱۰ بارہ ۱۲ مکان ہیں۔ پہلے سے جمعہ نہیں پڑھا جاتا اور نماز عید ہوتی ہے کیا فی الحال نماز پڑھنا واجب ہے اور نماز عید واجب ہے تو نیت واجب کی کی جائے یا نفل کی؟ بعض کہتے ہیں کہ واجب کی نیت سے نماز عید صحیح نہیں ہے نفل کی نیت سے صحیح ہے تو کیا نفل کی نیت سے نماز عید پڑھے پڑھائے تو ادا ہوگی؟

(الجواب) تمہارا گاؤں چھوٹا ہے ایسے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں۔ نفل کی نیت سے بھی عید کی نماز

پڑھنے پڑھانے کی اجازت نہیں مکروہ تحریمی ہے۔ ”در مختار“ میں ہے۔ صلوٰۃ العید فی القرۃ تکرہ تحریمائی لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة۔ ”شامی“ میں ہے۔ (قوله ما لا یصح) ای علیٰ انہ عید والا فہو نفل مکروہ لا دائد بالجماعة (۷۷۵ ج ۱ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں قصبہ بن جائے تو نماز جمعہ وعیدین کا حکم:

(سوال ۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارا قصبہ ”چھاپی“ آج سے چار پانچ سال قبل ایک معمولی سی دیہات کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر اب اس وقت قصبہ کے مانند ہے اور پوری اس کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے۔ اگر انگریزی اور عربی مدرسہ کے طلباء کی تعداد و شمار کی جائے تو تقریباً چھ سو ۶۰۰ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس قصبہ میں مستقل بازار ہے۔ جس میں ہر قسم کی اشیاء (ضروریات زندگی) فراہم ہو جاتی ہیں اور پورے بازار کی دوکانیں جو باضابطہ پنچائت کوٹیکس ادا کرتی ہیں۔ دو سو پچاس ۲۵۰ ہیں۔ ریلوے اسٹیشن ہے جہاں ڈاک میل کے علاوہ سب گاڑیاں ٹھہرتی ہیں۔ اور یہ قصبہ اپنے قرب و جوار کے بہت سے دیہاتوں کے لئے تھوک منڈی شمار کیا جاتا ہے۔ دیہاتی تاجر یہاں آکر ضروری اشیاء خریدتے ہیں اور اس میں پنچائت کی آفس، ڈاک گھر، ٹیلی گرام، ٹیلیفون، الیکٹرک (بجلی) بھی ہے اور پولیس تھانہ بھی اور سرکاری غیر سرکاری شفا خانے بھی اور جانوروں کا دوا خانہ بھی ہے اور بینک بھی ہے۔ یہاں دو مسجدیں اور ایک عربی مدرسہ ہے۔ جس میں ساڑھے تین سو (۳۵۰) طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں ضروریات زندگی تجارت اور صنعت و حرفت اور جانوروں کے پرورش کے اصطبل لگے ہوئے ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جگہ پر جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ آج تک یہاں پر جمعہ وعیدین ادا نہیں کی جاتی ہے۔ جب باہر کے علمائے کرام آتے ہیں تو اس مقام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ ترک جمعہ کے مرتکب ہوں گے تو جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ جمعہ ادا نہ کرنے کی صورت میں واقعۃً ترک جمعہ کے گناہ کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) قصبہ اور قریہ صغیرہ ہونے کا مدار عرف پر ہے اگر فی الواقع چھاپی کی بستی قصبہ نما ہے۔ اور اہل بستی اور قرب و جوار والے اسے قصبہ سمجھتے ہیں تو یہ عرفاً اور شرعاً قصبہ ہے اور قصبہ قائم مقام شہر کے ہوتا ہے۔ لہذا یہاں پر بلا تردد نماز جمعہ وعیدین درست ہے۔ وتقع فرضاً فی القصبات و القرۃ الکبیرۃ التی فیہا اسواق (شامی ص ۷۸ ج ۱ باب الجمعة) لہذا اس جگہ جمعہ وعیدین قائم کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں:

(سوال ۷۴) بڑوہ شہر کی آبادی سے باہر تبلیغی اجتماع رکھا ہے یہ جگہ شہر کی حد میں ہے یہاں پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ چار پانچ ہزار آدمیوں کا شہر میں جانا دشوار ہے۔

(الجواب) یہ اجتماع فنائے شہر میں ہے لہذا پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے۔ صحت جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں، شہر یا فنائے شہر میں جہاں کہیں مسجد کی طرح نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ (افناء ۵) بکسر الفاء و هو ما) حوله (اتصل به) اولاً کما حرره ابن الکمال۔

وغیرہ (لا جل مصالحہ) کد فن الموتی و رکض الخیل (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۹ ایضاً) فنائے شہر یعنی شہر کے ارد گرد کا کارآمد میدان جو شہر کے مفاد اور مصالح جیسے مردوں کی تدفین گھوڑ دوڑ اور فوجی اجتماع کے لئے ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے کس قدر آبادی شرط ہے؟

(سوال ۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت مسئلہ میں (۱) ہمارے گاؤں کی آبادی تین ہزار کی ہے۔ مسلمان تین سو ہیں۔ (۲) دو قبرستان ہیں ایک سات بیگھے کا اور دوسرا ایک بیگھے کا (۳) پانچ سات دکانیں ہیں ضروری چیزیں سورت اور بارڈولی سے منگوائی جاتی ہیں (۴) تھانہ، ریلوے، واٹر ورکس، بجلی، ندی اور بازار وغیرہ نہیں ہیں۔ (۵) سات بیگھے کا ایک تالاب ہے (۶) پورب میں بارڈولی پانچ میل پر واقع ہے۔ کچھم سورت، بلیشور بارہ میل پر ہے (۷) مدرسہ و مسجد ہے۔ نماز جمعہ و عیدین۔ باجماعت ہوتی ہے۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر صحت جمعہ کے لئے کیا حکم ہے؟ کچھ لوگ بجائے جمعہ کے ظہر پڑھتے ہیں تو کیا یہ گنہگار ہیں؟ اگر ہیں تو کفارہ کیا ہے؟

(الجواب) جمعہ و عیدین کے لئے شہر یا قصبہ ضروری ہے۔ آپ کا گاؤں بڑا گاؤں یا قصبہ کہا جاتا ہو تو جمعہ و عیدین درست ہیں۔ مگر مذکورہ بالا صورتوں (ڈاکھانہ۔ ریلوے وغیرہ نہ ہونے سے) واضح ہوتا ہے کہ قصبہ نہیں ہے لہذا جمعہ و عیدین کی نماز صحیح نہیں ہے پڑھی جائے تو وہ ادا نہ ہوگی نفل ہو جائے گی اور نفل باجماعت پڑھنے کی کراہت اور ظہر باجماعت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔ اہل قریہ پر جمعہ نہیں ظہر باجماعت لازم ہے۔ نماز عید بھی واجب نہیں۔ اگر ہمت اور شوق ہو تو قرب و جوار کے قصبہ یا شہر میں جا کر پڑھنا بہتر ہے۔ واجب نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رویدار میں نماز جمعہ و عیدین صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال ۷۶) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ خدا پاک آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، بخد مت اقدس عرض اینکہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے دونوں گاؤں میں ایک ایک مسجد ہے۔ ایک گاؤں کا نام ”رویدار“ ہے اور دوسرے کا نام ”کر مالی“ ہے۔ رویدار کی آبادی پندرہ سو (۱۵۰۰) اور کر مالی کی آبادی چار سو (۴۰۰) ہے۔ رویدار میں دوا خانہ، دس ۲۰ بارہ ادکانیں، اور چکی ہے (آٹا پیسنے کی) اور واٹر ورکس بھی ہے۔ غرض کہ ضروریات زندگی بہ سہولت میسر ہوتی ہے، مزید اینکہ یہاں نماز جمعہ و عیدین پڑھی جاتی ہے۔ مگر بعض عدم وجوب و عدم جواز کے قائل ہیں اور وہ نہیں پڑھتے۔ لہذا اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

(الجواب) تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں گاؤں اسما و عرفاً مستقل ہیں اور کسی ایک میں بھی صحت جمعہ کی شرط نہیں پائی جاتی، لہذا جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (کتبہ السید عبدالرحیم غفرلہ)

(الجواب) نمبر ایہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت و عدم صحت کا مدار اجتماع شرائط و عدم اجتماع پر ہے پس صورت مسئلہ

(۱) ومن لا تجب علیہم الجمعة من اهل القرى والوادى لهم ان يصلوا الظہر بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة عالمگیری۔ صلاة الجمعة ص ۱۲۵

(۲) وشرط اذانها المصر ای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قرية ولا مفاراة الخ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۰ باب صلاة الجمعة

میں جب دو گاؤں علیحدہ علیحدہ نام کے ساتھ مشہور و موسوم ہیں اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دونوں کو خواہ مخواہ ایک فرض کر کے لزوم جمعہ کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی خفاء نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم فصل پر نہیں رکھا بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت و عدم صلاحیت پر ہے۔ یعنی اگر ہر بستی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کے شوق میں دو مستقل آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب یہ دو گاؤں مستقل ناموں کے ساتھ موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی ان کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ البتہ اگر واقعی دو بستیاں نہیں بلکہ محلے ہیں اور دونوں محلوں کا بحیثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ ہی صحت جمعہ کے لئے مغل نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور بظاہر نہیں ہے۔ تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہیں۔ فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔ (کتبہ شتیق الرحمن عثمانی)

(الجواب) نمبر ۱۲ از مفتی عزیز الرحمن صاحب۔ اصل یہ ہے کہ عند الحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز شہر یا ایسے بڑے قریہ میں فرض اور صحیح ہوتی ہے۔ جس میں بازار ہو۔ جس میں ضروریات کی اشیاء مل سکتی ہوں قال فی رد المحتار نقلاً عن القہستانی وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ الی فیہا اسواق الخ وفما ذکرنا اشارۃ الی انہا لا تجوز فی الصغیرۃ الخ وفی الدر المختار صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریماً الخ ومثلہ الجمعة. (شامی) پس جب کہ ہر دو مذکور بستیوں میں سے ایسی بڑی نہیں ہے کہ اس میں شرط صحت جمعہ پائی جائے تو دونوں بستیوں کو ایک سمجھ کر جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ پس جواب مذکور بالا صحیح ہے۔ فقط عزیز الرحمن مفتی دارالعلوم۔ (از فتاویٰ دارالعلوم ریل و مکمل ص ۱۲۲-۱۲۵ ج پنجم)

ملازمت کی وجہ سے جمعہ معاف اور ساقط نہیں ہوتا:

(استفتاء ۷۷) ایک ایسا شخص جو شب و روز کی فرض نمازوں سے ایک دو نماز ضرور پڑھ لیتا ہے۔ لیکن نماز جمعہ ضرور ادا کرتا ہے اب یہ شخص ایسی جگہ کام کرتا ہے کہ جہاں سے نماز جمعہ کا وقت نہ ملتا ہو۔ ہفتہ وار چھٹیاں ضرور ملتی ہیں۔ لیکن جمعہ کے علاوہ کسی اور دن مثلاً اتوار ہو یا منگل وغیرہ اب یہ شخص اگر جمعہ کے دن کام کرنے جاتا ہے تو نماز جمعہ چھوٹ جاتی ہے۔ اور اگر نماز جمعہ کو جاتا ہے تو جمعہ کے دن کام پر نہیں جاسکتا۔ گویا ایک دن کی آمدنی کم ہوتی ہے۔ اور شخص مذکورہ کی اقتصادی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ آیا نماز جمعہ چھوڑ دے یا جمعہ کے دن کام چھوڑ دے؟ کام چھوڑنے کے سلسلہ میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھیں۔ کہ اگر چھٹی منظور ہوئی تو صرف آمدنی ہی کم ہوئی۔ اور اگر چھٹی منظور نہ ہوئی اور شخص مذکور چلا گیا تو آمدنی کے کم ہونے کے علاوہ اس دن اسے ”غیر حاضر“ سمجھا جائے گا۔ اور غیر حاضر رہنے والے کو دوسرے دن کام دینا یا نہ دینا کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ کبھی کبھی بطور تنبیہ کام نہیں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں سالانہ غیر حاضریوں کی تعداد شمار کی جاتی ہے۔ اور اس کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ ازراہ کرم مندرجہ بالا تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر جواب تحریر فرمائیں۔ بینو اتو جروا۔

(الجواب) ملازمت کی وجہ سے نماز جمعہ معاف نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے جمعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ وجب السعی الیہا وترک البیع ولو مع السعی (درمختار) قوله ترک البیع (اراد کل عمل ینافی السعی) (شامی ص ۷۷ ج ۱ باب الجمعة) والا صح وجوبہا علی مکاتب ومبغض واجیر ویسقط من الاجر بحسابہ لو بعیداً (درمختار) (قوله بحسابہ لو بعیداً) فان کان قدر ربع النہار حط عنه ربع الاجرة ولیس للاجیر ان یطالبہ عن الربع المحطوط بمقدار باشتغاله بالصلوة تثار خانہ (شامی ص ۷۶ ج ۱ ایضاً)

مطلب یہ ہے کہ مزدور کو بھی لازم ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی سب کام چھوڑ چھاڑ کر نماز جمعہ کے لئے روانہ ہو جائے۔ جانے آنے میں کافی وقت صرف ہونے اور حرج ہونے کی وجہ سے تنخواہ کٹے تو اسے منظور کر لیا جائے۔ اسی میں خیر ہے۔ قوله تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذرُوا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو اللہ کی یاد یعنی نماز و خطبہ کی طرف چل پڑا کرو۔ اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو مانع عن السعی ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ چل پڑنا (مشاغل کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ مگر تم کو کچھ سمجھ (اور دین کی قدر) ہو۔ کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی ہے۔ (بیان القرآن ملخصاً)

لہذا تنخواہ کٹوا کر جمعہ کے وقت تقریباً ایک گھنٹہ کی رخصت لے لی جائے۔ اگر اجازت ملے یا ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑے۔ تو دوسری ملازمت تجویز کر لی جائے۔

قوله تعالیٰ: واللہ خیر الرازقین۔ اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (قرآن کریم سورۃ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہر میں زیادہ مسجدیں ہوں تو جمعہ کہاں ادا کیا جائے؟:

(سوال ۷۸) میرے قصبہ میں آٹھ محلے اور آٹھ مسجدیں ہیں۔ چھ مسجد والے شاہی مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں۔ اور دو محلے والے اپنے محلوں کی مسجد میں، پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ شاہی مسجد میں نماز پڑھنے سے محلہ کی مسجد خالی رہتی ہے۔ جس سے احترام مسجد میں خلل آتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کو محلہ کی مسجد بند کر کے شاہی مسجد میں نماز پڑھے تو اس محلہ کی مسجد کے احترام میں خلل یا نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) مردوں کو نماز پنجگانہ کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا تاکید امر ہے۔ محلہ کی مسجد بحیثیت ثواب کے شاہی مسجد کے مثل ہے بدون شرعی عذر کے اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں چاہے ایک ہی نماز ہو۔ مگر جمعہ کی نماز محلہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے۔ نمازی زیادہ ہوں، ایک مسجد میں وسعت نہ ہو یا جامع مسجد کافی دور ہو جہاں پہنچنے میں دقت ہوتی ہو تو دوسری مسجد میں جمعہ کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ بلا عذر نماز جمعہ محلہ در محلہ پڑھنے میں شرعی مصلحت اور مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلامی شان و شوکت ختم ہو جاتی ہے نماز جمعہ کو جامعۃ الجماعات کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ محلوں کی مسجدیں بند کر دی جائیں اور ان سب کی جماعتیں یکجا جامع مسجد میں ہوں لوگ محلہ کی

مسجد میں بند کر کی نماز جمعہ شاہی مسجد میں ادا کریں۔ اس سے احترام مسجد میں فرق آنے کا خیال غلط ہے۔ احترام وہ ہے جو منشاء شریعت کے موافق ہو اور اسلامی شان و شوکت بھی اسی میں ہے۔ پس آپ محلہ کی مسجد بند کیجئے شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیجئے منشاء شریعت پورا کرنے کا بھی ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اسلامی شان و شوکت بڑھانے کا بھی، اور مبارک رسم کے اجزاء کا ثواب قیامت تک آپ کو ملتا رہے گا انشاء اللہ (۱)۔

آنحضرت ﷺ (فداہ روحی) کا ارشاد ہے۔ من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده مشكوة المصابيح كتاب العلم ص ۳۳۔ یعنی جس نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کو (جو منشاء شریعت کے مطابق ہو سنت سینہ یعنی بدعت نہ ہو) جاری کیا۔ اس کو خود اس کے عمل کا ثواب بھی ملے گا۔ اور اس کے بعد جو بھی اس پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی اس کو ملتا رہے گا۔ اس طرح کہ عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (صحاح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شب جمعہ میں جماع کی فضیلت:

(سوال ۷۹) شب جمعہ میں بیوی سے صحبت افضل ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔ من غسل او اغتسل الخ (مشکوة شریف ص ۱۲۲ باب الجمعة باب التنظيف والتكبير) جس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جماع کرے جس سے عورت کو غسل کی ضرورت پیش آئے۔ قوله غسل يوم الجمعة واغتسل۔ قال التورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف اهل الرواية فی قوله غسل ومنهم من قال فی معناه یطأ صاحبته ومنه عبد الرحمن بن الاسود وهلال بن يساف وهما من التابعین وكانهم ذهبوا الى هذا المعنى لما فيه من غض البصر وصيانة النفس عن الخواطر الخ۔ وقال المظهر من غسل يوم الجمعة واغتسل روى بالتشديد والتخفيف بالتشديد معناه من وطئ امرأته الخ (التعليق الصبیح ص ۱۲۲ ج ۲ ایضاً) قال الامام احمد غسل بالتشديد جامع اهله وكذلك فسرہ وكيع (زاد المعاد ص ۱۰۵ ج ۱ ایضاً) قال التورپشتی روى بالتشديد والتخفيف فان شدد فمعناه حمل غيره على الغسل بان يطأ امرأته وبه قال عبد الرحمن بن الاسود وهلال وهما من التابعین كأن من قال ذلك ذهب الى ان فيه غصة للبصر وصيانة للنفس عن الخواطر التي تمنعه من التوجه الى الله بالكلية الخ۔

وفی حاشیة سید جمال الدین قال زین العرب غسل بالتشديد قال كثير انه المجامعة قبل الخروج الى الصلوة لانه مجمع غض الطرف في الطريق يقال غسل الرجل امرأته بالتشديد والتخفيف اذا جامعها وقيل بالتشديد معناه اغسل بعد الجماع ثم اغتسل للجمعة فذكر لهذا المعنى۔

(۱) ثم اقامة الجمعة فی موضعین او اکثر من مصر واحد فی جوامع الفقه عن أبی حنیفة روایتان والا ظهر عنه عدم جوازها فی موضعین انتهى وقال شمس الانمة السرخسی فی المبسوط الصحيح من قول أبی حنیفة ومحمد جوازها وعن أبی یوسف تجوز فی موضعین لا غیر۔ واما من حيث جواز التعدد وعدمه فالاول هو الاحتياط لأن فيه قوى اذا لجمعة جامعة للجماعات ولم يكن فی زمن السلف تصلى الا فی موضع واحد من المصر وكون الصحيح جواز التعدد للضرورة للفتوى لا يمنع شرعية الاحتياط للفتوى حلی کبیر فصل فی صلوة الجمعة ص ۵۵۱، ۵۵۲۔

(مرقاۃ ص ۵۵ ج ۲ ابیالمجم) مظاہر حق میں ہے۔ من غسل الخ نہلاوے دن جمعہ کے اور نہلاوے آپ الخ۔
 ف۔ نہلاوے یعنی اپنی عورت کو مراد یہ ہے کہ صحبت کرے بیوی سے الخ اور صحبت کرنی جمعہ کو بہتر اس لئے
 ہوئی کہ اس سے دوسرے زناء کا دل میں نہیں آتا۔ اور حضور نماز میں خوب ہوتا ہے (ص ۵۰ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم
 بالصواب۔

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ الم سجدہ اور سورۃ دھر کی قرأت:

(سوال ۸۰) جمعہ کے روز فجر کی نماز میں امام صاحب پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ دھر پڑھتے
 ہیں مقتدیوں میں سے چند لوگوں کو اس سے گرائی ہوتی ہے، امام صاحب کو کہا گیا کہ اتنی طویل نماز نہ پڑھائیں تو وہ
 کہتے ہیں کہ یہ مسنون ہے اور دوسروں کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو کیا ان کی بات صحیح ہے؟ ہر جمعہ کے دن فجر کی
 نماز میں یہ سورتیں پڑھنا چاہئے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم سجدہ اور سورۃ دھر پڑھنا مسنون اور مستحب ہے مگر اس پر دوام ثابت نہیں ہے
 اس لئے امام کو چاہئے کہ مواظبت نہ کرے گا ہے پڑھے۔ درمختار میں ہے ویکرہ التعین کا لسجدۃ وھل
 اتی بفجر کل جمعة بل یندب قراتھما احیاناً (درمختار) مکروہ ہے معین کرنا سورت کا نماز کے لئے جیسے جمعہ کی
 فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا، بلکہ کبھی کبھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے
 (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۰۸ فصل فی القراءة) (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۵۲)
 دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ۔

(الجواب) احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے لیکن حنفیہ اس کو بعض اوقات پر حمل کرتے ہیں، اور مواظبت اس کے
 ساتھ پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تعین سورت کو کسی بھی نماز کے لئے منع فرماتے ہیں، لہذا کبھی کبھی کر لیوے تو کچھ حرج
 نہیں ہے دوام اس پر نہ کرے، درمختار میں ہے ویکرہ التعین کا لسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعة بل
 یندب قراتھما احیاناً (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۲ ص ۲۱۷)

جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں کوئی خاص عذر نہ ہو تو طوال مفصل (سورہ حجرات سے سورۃ صافات
 سورتوں میں سے دو سورتیں پڑھی جائیں، آیات کی تعداد کے اعتبار۔ خواہ ان کی تعداد چھ یا سات یا آٹھ یا نو
 یا زائد، مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے طوال مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں، طویل سورت پڑھے تب بھی
 مقتدیوں کا خیال کرے اور چالیس سے ساٹھ آیتوں پر اکتفا کرے، والا صل ان الامام یقرء علی وجہ لا
 یودی الی تقلیل الجماعة (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۵ فصل فی القراءة) لیکن رعایت حال مقتدیاں
 ضرور است (مالا بدمنہ ص ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صفوں کی درستگی کے انتظار میں نماز شروع کرنے میں تاخیر کرنا:

(سوال ۸۱) نماز جمعہ میں خطبہ کے بعد جماعت کے لئے کتنی دیر رکنا چاہئے؟ مسجدنا کافی ہے اور جمعہ کی نماز میں
 مصلیٰ بہت ہوتے ہیں، صفیں درست کرنے کے لئے کچھ دیر ہو جاتی ہے، کیا صفوں کی درستگی تک انتظار کر سکتے ہیں؟ یا

فی الفور اقامت شروع کرنا ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جب نمازی مسجد میں آئیں تو شروع ہی سے ہر ایک قبلہ رخ بیٹھنے کا اہتمام کرے تاکہ فوراً صفیں درست ہو سکیں اور ادھر ادھر منتشر نہ بیٹھیں، مجالس الابرار میں ہے ویستحب للقوم ان یستقبلوا الامام عند الخطبة لکن الرسم الآن انهم یستقبلون القبلة للخرج فی تسویة الصفوف لكثرة الزحام یعنی لوگوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف چہرہ کر کے بیٹھیں، لیکن اس وقت کثرت ازدحام کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج آتا ہے اس لئے قبلہ رو بیٹھتے ہیں (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹، صغیری ص ۲۸۱ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ ج ۳) خطبہ کے بعد فوراً اقامت شروع کر دی جائے درمختار میں ہے فاذا اتم اقیمت ویکره الفصل یعنی جب امام خطبہ پورہ کرے تو اقامت شروع کر دی جائے اس میں فاصلہ کرنا مکروہ ہے، شامی میں ہے (قولہ اقیمت) بحيث یصل اول الاقامة باخر الخطبة وتنتهی الاقامة بقیام الخطیب مقام الصلوة یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہو جائے اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلیٰ (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہو جائے (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعة)

اقامت کے ختم تک اگر صفیں درست نہ ہو سکیں تو صفوں کی درستگی تک نماز شروع کرنے میں تاخیر کر سکتے ہیں، ترمذی شریف میں ہے روى عن عمرو رضى الله عنه انه كان يؤكل رجلا باقامة الصفوف ولا يكبر حتى یخبر ان الصفوف قد استوت وروى عن علی رضى الله عنه وعثمان رضى الله عنهما نایتعا هذان ذلک ویتولان استوا یعنی حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرنے کے لئے ایک شخص کو متعین کر دیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی تکبیر تحریر نہیں کہتے تھے، امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی روایت کر کے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس کا اہتمام کرتے تھے اور فرماتے تھے سیدھے کھڑے رہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۱ باب ماجاء فی اقامة الصفوف) مؤطا امام مالک میں روایت ہے مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبید الله عن مالک بن ابی عامر ان عثمان بن عفان رضى الله عنه كان یقول فی خطبته قل ما یدع ذلک اذا خطب، اذا قام الا امام یخطب یوم لجمعة فاستمعوا وانصتوا فان للمنصت الذی لا یسمع من الحظ مثل ما للمنصت السامع فاذا قامت الصلوة فاعد لوا الصفوف وحاذوا بالمناكب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوة ثم لا یکبر حتى یاتیہ رجال قدو کلهم بتسویة الصفوف فیخبرونه ان قد استوت فیکبر (مؤطا امام مالک ص ۳۶ ماجاء فی انصات یوم الجمعة والا امام یخطب)

یعنی: حضرت عثمان بن عفانؓ اکثر اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے تو غور سے سنو اور خاموش رہو جس کو خطبہ سنائی نہ دے اور وہ خاموش رہے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس شخص کو جو خطبہ سن رہا ہو اور خاموش ہو جب نماز کھڑی ہو جائے تو صفیں درست کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ، صفوں کی درستگی نماز کی تکمیل میں سے ہے، ثم لا یکبر..... حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا جب وہ آپ کو صفیں درست ہونے کی اطلاع دیتے اس وقت آپ (جمعہ کی نماز کی) تکبیر تحریر یہ کہتے اور نماز شروع فرماتے

(مؤطا امام مالک ص ۳۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن زوال کے بعد کب اذان دی جائے:

(سوال ۸۲) زوال کے بعد مکروہ وقت کب تک رہتا ہے؟ جمعہ کی اذان کب دی جائے؟ بیوا تو جروا۔
(الجواب) فتاویٰ رضویہ میں ہے: قلم یا لکڑی کھڑی کر کے زوال کا وقت دیکھا جاسکتا ہے، زوال کے وقت سے آٹھ دس منٹ پہلے سے نماز موقوف کر دے اور آٹھ دس منٹ بعد تک موقوف رکھے، بادلوں کے زمانے میں زوال کے وقت معلوم کرنا دشوار ہے اس لئے تقویم کے حساب سے دس بارہ منٹ پہلے نماز پڑھنے سے رک جائے اور دس بارہ منٹ بعد تک رک رہے اس میں احتیاط ہے اور یہ جو قول ہے کہ نصف نہار شرعی سے زوال تک نماز نہ پڑھی جائے یہ مزید احتیاط پر مبنی ہے الخ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ جلد چہارم) جدید ترتیب کے مطابق، اوقات مکروہ میں زوال سے کتنی دیر پہلے نماز موقوف کرنا چاہئے کے عنوان سے دیکھیں صفحہ مرتب لہذا جمعہ کے دن زوال سے آٹھ دس منٹ بلکہ مزید احتیاط پر عمل کرتے ہوئے بارہ تیرہ منٹ کے بعد اذان دی جائے چونکہ عموماً لوگ اذان جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے اذان میں تاخیر کرنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے دینا کیسا ہے؟

(سوال ۸۳) ہمارے یہاں چند لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی مسجد میں نہ دینا چاہئے بلکہ مسجد سے باہر جا کر دینا چاہئے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ مفصل وضاحت فرمائیں۔ بیوا تو جروا۔
(الجواب) جمعہ کے دن خطبہ کے وقت منبر کے قریب اذان دینے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور فقہی کتابوں میں اس اذان کے لئے ایسے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں جن کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ اذان منبر کے سامنے یا منبر کے قریب دی جائے۔

ہدایہ اولین میں ہے واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذن بین یدی المنبر یہ حکم جری التوارث (ہدایہ اولین ص ۱۵۱ باب صلوة الجمعة) یعنی اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے یہی طریقہ متوارث ہے (ہدایہ) ”بذلک جری التوارث“ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلاف سے یہ طریقہ جاری ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے اندر ہی دی جاتی تھی اور کسی چیز کا توارث کے ساتھ منتقل ہونا یہ اس کے ثبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور فقہ میں توارث کی بہت اہمیت ہے بہت سے مسائل میں فقہاء دلیل کے طور پر یہی توارث پیش کرتے ہیں مثلاً جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضور ﷺ کے دونوں چچاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ یہ توارث سے ثابت ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے و ذکر الخلفاء الراشدين والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث (عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۷ بابہ الجمع) البحر الرائق میں ہے ذکر الخلفاء الراشدين مستحسن بذلک جری التوارث وی ذکر العمین (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۷ بابہ

ایضاً)

حجت الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ توارث کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔
 اتفاق سلف و توارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ۔ سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء،
 مطبع بریلی ص ۸۵) یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ عبارت صرف ہدایہ اولین میں نہیں ہے بلکہ فقہ کی دیگر کتابوں بھی اسی
 طرح کی عبارت ہے، مراقی الفلاح میں ہے والا ذان بین یدیه جری بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبۃ
 (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۱۰ یا بصلوۃ الجمعہ) البحر الرائق میں ہے۔ (قوله فاذا جلس علی المنبر اذن
 بین یدیه و اقیم بعد تمام الخطبۃ) بذلک جری التوارث والضمیر فی قوله بین یدیه عائذ الی
 الخطیب الجالس۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۵۷ ایضاً)

مجمع الانہر میں ہے (فاذا جلس علی المنبر اذن بین یدیه ثانیاً) وبذلک جری
 التوارث (مجمع الانہر ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا جلس علی المنبر اذن بین
 یدیه و اقیم بعد تمام الخطبۃ بذلک جری التوارث کذا فی البحر الرائق (عالمگیری ج ۱ ص
 ۳۹ ایضاً مع خانۃ)

مذکورہ حوالوں میں غور کیجئے تمام حضرات یہی بیان فرما رہے ہیں کہ دوسری اذان خطیب کے سامنے کہی
 جائے اور طریقہ توارث کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔

در مختار میں ہے (ویؤذن) ثانیاً (بین یدیه) ای (الخطیب) (در مختار علی رد المحتار ج ۱ ص
 ۷۷۰ باب الجمعة) غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار میں ہے 'اور مؤذن اذان دے سامنے خطیب کے جب وہ منبر پر بیٹھے
 یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے (غایۃ الاوطار ص ۳۸۰ ج ۱ ایضاً)

مجالس الابرار میں ہے۔ واذا جلس علی المنبر یؤذن المؤذن بین یدیه الا ذان الثانی و اذا تم
 الا ذان یقوم ویخطب خطبتین ترجمہ: اور جب امام منبر پر بیٹھ جاوے تو مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان دے
 اور جب اذان پوری ہو جائے تو امام کھڑا ہو اور دو خطبے دے (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۳۹)

یعنی شرح ہدایہ میں ہے: وعن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ هو اذان المنارة لانه لو
 شتر طوا الاذان عن المنبر يفوته اداء السنة و سماع الخطبة وربما يفوته اداء الجمعة اذا كان المصير
 بعيداً الا طواف یعنی حسن بن زیاد امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ (جس اذان کی وجہ سے سعی الی الجمعہ لازم
 ہوتی ہے وہ) منارہ والی اذان ہے اس لئے کہ اگر اذان کی شرط لگائے جو منبر کے نزدیک ہوتی ہے تو سنت کی ادائیگی اور
 خطبہ کا سننا فوت ہو جاتا اور جب شہر بڑا ہو تو اس صورت میں جمعہ کی نماز بھی فوت ہو سکتی ہے (یعنی شرح ہدایہ ج ۱
 ص ۱۱۳ ایضاً)

مراقی الفلاح میں ہے (ترک البیع)..... (بالا ذان الاول فی الاصح) لحصول الا
 علام بہ لانه لو انتظر الا ذان الثانی الذی عند المنبر تفوته السنة وربما لا یدرک الجمعة لبعده
 سحله وهو اختیار شمس الائمة الحلوانی۔ یعنی اصح قول کے مطابق پہلی اذان سے بیع وغیرہ کا ترک واجب
 ہے اس سے اعلام حاصل ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اگر اس دوسری اذان کا جو منبر کے پاس ہوتی ہے انتظار کرے تو

سنت فوت ہونے کا خوف ہے اور (اگر) نمازی مسجد سے دور رہتا ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ جمعہ کی نماز بھی نہ پاسکے اور یہ شمس الائمہ حلوانی کا مختار قول ہے (مراقی الفلاح مع طحاوی ص ۲۸۲ باب الجمعة)

یعنی شرح ہدایہ اور مراقی الفلاح کی عبارت میں ”عند المنبر“ ہے جس کے متبادر معنی اور صحیح مطلب یہی ہے کہ یہ اذان منبر کے قریب ہوگی (لفظ عند میں کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی) اگر دوسری اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ اس اذان کا تذکرہ کرتے وقت یقیناً اس کی بھی وضاحت فرماتے کہ یہ اذان بھی مسجد کے باہر دی جائے ”بین یدی المنبر“ ”بین یدی الخطیب“ اور ”عند المنبر“ یہ الفاظ تحریر نہ فرماتے اور درحقیقت بات یہ ہے کہ منبر والی اذان اقامت کے مانند ہے، یعنی اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو متوجہ کرنا ہے (غائبین کو تو پہلی اذان سے اطلاع ہو چکی ہے) کہ اب خطبہ شروع ہو رہا ہے تاکہ حاضرین اپنی اپنی انفرادی عبادت نفل تسبیح تلاوت وغیرہ ختم کر کے خطبہ سننے کے لئے متوجہ ہو جائیں، جس طرح اقامت کا مقصد حاضرین کو متوجہ کرنا ہوتا ہے کہ اب جماعت شروع ہو رہی ہے تاکہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے صف بندی کر کے تیاری شروع کر دیں، اور اقامت مسجد میں کہنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے، اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ نہ ہوگا چنانچہ یہی طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ اوپر مدلل بیان ہوا۔

ہم نے اس اذان کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل عبارتوں سے بھی ہوتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے والا اذان بین یدیہ جری بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبة (مراقی الفلاح ص ۸۰ ج ۲ ایضاً مع طحاوی)

سعیہ میں ہے:- لغز ای اذان لا يستحب رفع الصوت فيه . قال هو الاذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين یدی الخطیب لانه کالاقامة لا علام الحاضرين صرح به جماعة الفقهاء (سعیہ شرح شرح وقایہ ص ۸۳ ج ۲، باب الاذان، ذکر احوال المؤذن مطبوعہ پاکستان بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۸ ج ۲)

مزید وضاحت اس طرح سمجھئے کہ جمعہ کے خطبہ کو فرض نماز کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، فقہاء نے خطبہ کا حکم وہی بیان فرمایا ہے جو نماز کا حکم ہے یہی وجہ ہے کہ جو چیزیں نماز میں ممنوع ہیں وہ تمام چیزیں خطبہ میں بھی ممنوع ہیں طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: وفي النهر عن البدائع يكره الكلام حال الخطبة وكذا كل عمل يشغله عن سماعها من قراءة قرآن أو صلوة أو تسبیح أو كتابة ونحوها بل يجب عليه ان يستمع ويستك وفي شرح الزاہدی يكره لمستمع الخطبة ما يكره في الصلوة من اكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلك اه وفي الخلاصة كل ما حرم في الصلوة حرم حال الخطبة. یعنی نہر میں بدائع سے نقل کیا ہے خطبہ کی حالت میں بات کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جو خطبہ سننے میں نخل ہو جیسے قرآن کی تلاوت، نماز پڑھنا، تسبیح پڑھنا یا کوئی چیز لکھنا اور اس کے مانند بلکہ اس پر ضروری ہے کہ متوجہ ہو کر خطبہ سنے اور خاموش رہے، شرح زاہدی میں ہے خطبہ سننے والے کے لئے وہ تمام چیزیں مکروہ ہیں جو نماز میں مکروہ ہیں یعنی کھانا پینا اور عبث حرکت کرنا اور ادھر ادھر دیکھنا اور اس کے مانند خلاصہ میں ہے جو چیزیں نماز میں حرام ہیں خطبہ کے وقت بھی حرام ہے

(ملفوظ علی مراقی الفلاح ص ۲۸۲ باب الجمعة)

یہ باتیں بھی اس پر دال ہیں کہ اس منبر والی اذان کو اقامت کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، اس سلسلہ کا ایک مختصر جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۶، ص ۸۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) پر شائع ہوا ہے اسے بھی ضروری ملاحظہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعتیں؟

(سوال ۸۴) جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعت؟ امام صاحبؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں؟ مفتی بہ قول کیا ہے؟ جو شخص صرف چار رکعتیں پڑھے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ظاہر روایت میں جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھ رکعتیں ہیں لہذا جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ سمجھ کر پڑھی جائیں جو چار پر اکتفاء کرتا ہے وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: وأما السنة قبل الجمعة وبعدها فقد ذكر في الأصل وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها وكذا ذكر الكرخي وذكر الطحاوي عن أبي يوسف أنه قال يصلي بعدها ستاً وقيل هو مذهب علي رضي الله عنه وما ذكرنا أنه يصلي أربعاً مذهب ابن مسعود رضي الله عنه. إلى قوله. وجه ظاهر الرواية ما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً وما روى من فعله صلى الله عليه وسلم فليس فيه ما يدل على المواظبة ونحن لا نمنع من يصلي بعدها كم شاء غير أننا نقول السنة بعدها أربع ركعات لا غير لما روينا (بدائع الصنائع ص ۲۸۵ ج ۱ فصل في الصلاة المسنونة)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

(سوال) کتنی نمازیں سنت مؤکدہ ہیں؟

(الجواب) اور چار رکعتیں (ایک سلام سے) نماز جمعہ کے بعد الخ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) کتنی نمازیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

(الجواب) اور جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں۔ (تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

امداد الفتاویٰ میں ہے:-

(سوال) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد کی سنتوں میں چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(الجواب) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، کذا فی الدر المختار اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں کذا فی الدر المختار (امداد الفتاویٰ ج ۱)

ص ۶۷۸، ص ۶۷۹ مطبوعہ دیوبند، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی نماز زوال سے پہلے صحیح نہیں ہے:

(سوال ۸۵) جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے زوال ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے لئے زوال کا ہونا ضروری نہیں قبل از زوال بھی نماز ہو سکتی ہے مدلل اور مفصل جواب کی ضرورت ہے ان لوگوں کو اپنی بات پر بہت اصرار ہے لوگوں کو ہم خیال بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، فقط بینوا تو جروا۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی ایک شرط وقت ہے اور وہ وقت ظہر ہے اور ظہر کا وقت آفتاب کے زوال کے بعد ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کی نماز کا وقت بھی زوال کے بعد ہی ہوگا اس سے قبل اگر جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی تو نماز نہ ہوگی کیونکہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ کو اسی کے وقت میں ادا کرنا ہوگا، حضور اقدس ﷺ کے قول اور عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ جب آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا اذما زالت الشمس فصل بالناس الجمعة۔ جب آفتاب ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھانا (ہدایہ اولین ص ۱۲۸ اول باب صلوٰۃ الجمعة) (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۸ فصل فی بیان شرائط الجمعة مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۷۷)

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری حضرت انسؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھاتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ باب الخطبۃ والصلوٰۃ فصل نمبر ۱)

مسلم شریف میں ہے: عن سلمۃ بن الاکوع کنا نجمع مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زالت الشمس حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت جمعہ کی نماز پڑھتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مسلم شریف ص ۲۸۳ ج ۱ کتاب الجمعة - فتح القدیر ص ۵۶ ج ۲)

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرعاً وارد ہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے ویجاء بان شرعیۃ الجمعة مقام الظهر علی خلاف القیاس لانه سقوط اربع برکعتین، فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بها مالم یثبت دلیل علی نفی اشتراطها ولم یصلها خارج الوقت فی عمرہ ولا بدون الخطبۃ فیہ فثبت اشتراطها وكون الخطبۃ فی الوقت حتی لو خطب قبلہ لا یقع الشرط الخ یعنی جمعہ کی مشروعیت ظہر کی جگہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ جمعہ میں بجائے چار کے دو رکعتیں ہیں لہذا ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں جب تک کہ ان کے شرط نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہ بات محقق ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں نہ خارج وقت جمعہ کی نماز پڑھی ہے اور نہ خطبہ کے بغیر پس بطور شرط یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور خطبہ وقت کے اندر ہو، حتیٰ کہ اگر خطبہ وقت سے پہلے پڑھے تو شرط واقع نہ ہوگی (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶ صلاۃ الجمعة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے (لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ) ولا نہا شرعت علی خلاف القیاس لسقوط الرکعتین مع الاقامة فیراعی فیہا جمیع الخصوصیات التی

ورد الشرع بها ولم يرو قط انه صلى الله عليه وسلم صلاها قبل الوقت ولا بعده وكذا الخلفاء الراشدون ومن بعدهم الى يومنا هذا ولو كان جائزا لفعله مرة تعليما للجواز كذا في الحلبي وغيره يعني: جمعة خلاف قياس مشروع ہے کہ مقیم ہونے کے باوجود دو رکعت پڑھنا ہے پس اس میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں اور یہ بات کسی روایت میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز قبل از وقت پڑھی ہو تو یا وقت نکل جانے کے بعد پڑھی ہو اور یہی طریقہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد والوں کا رہا ہے، اگر وقت سے پہلے (یا وقت گزر جانے کے بعد) پڑھنا جائز ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک مرتبہ تو پڑھتے..... (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۷۷۷ باب صلوٰۃ الجمعة)

ان تمام باتوں کے پیش نظر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زوال کے بعد ہی پڑھی جائے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اولین میں ہے ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده لقوله عليه السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (ہدایہ اولین ص ۱۳۸ باب الجمعة)

بدائع الصنائع میں ہے: واما الوقت فمن شرائط الجمعة وهو وقت الظهر حتى لا يجوز تقديمها على زوال الشمس لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه لما بعث مصعب بن عمير رضى الله عنه الى المدينة قال له اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۸ فصل في بيان شرائط الجمعة)

الاختیار شرح المختار میں ہے: - (ووقتہا وقت الظهر) لحديث انس كنا نصلي الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس ولا نهأ خلف عن الظهر وقد سقطت الظهر فتكون في وقتها (الاختیار لتعليل المختار ج ۱ ص ۸۳ كتاب الجمعة) مراقی الفلاح میں ہے: - والثالث (وقت الظهر) لقوله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (فلا تصح) الجمعة (قبله وتبطل بخروجه) لفوات الشرط (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۷۷۷)

علامہ نووی شرح مسلم شریف میں تحریر فرماتے ہیں هذه الاحادیث ظاهرة في تعجيل الجمعة وقد قال مالک وابو حنیفة والشافعی وجماعہ العلماء من الصحابة والتابعین فمن بعدهم لا يجوز الجمعة الا بعد زوال الشمس. الى قوله. قال القاضي وروی فی هذا اشیاء عن الصحابة لا یصح منها شئی الا ما علیه الجمهور وحمل الجمهور هذه الحديث على المبالغة وانهم كانوا يؤخرون الغداء والقیلولہ فی هذا اليوم الى ما بعد صلوٰۃ الجمعة لانهم تدابروا الى التكبير اليها فلو اشتغلوا بشئ من ذلك قبلها خافوا فوتها او فوت التكبير.

یعنی: یہ احادیث بظاہر تعجیل جمعہ پر دلالت کرتی ہیں اور محقق بات یہ ہے کہ امام مالک امام ابو حنیفہ امام شافعی، اور جمهور علماء و صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علماء سب یہی فرماتے ہیں کہ جمعہ زوال کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے۔

قولہ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعاً سے جو کچھ مروی ہے ان میں سے کوئی چیز سخت کو نہیں پہنچتی، جمہور علماء کا جو قول ہے وہی ثابت ہے اور جمہور علماء نے ان احادیث کو مبالغہ پر حمل کیا ہے اور ان احادیث کا مقصد یہ بتایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعاً جمعہ کے دن دو پہر کا کھانا اور قبلولہ مؤخر کرتے تھے (اور بعد نماز جمعہ یہ کام کرتے تھے اس لئے کہ وہ حضرات جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد جاتے تھے اگر کھانے وغیرہ میں مشغول ہوں تو جلد جانے میں یہ چیزیں خلل انداز ہوتیں) (نوی شرح مسلم ص ۲۸۳ ج ۱ کتاب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے:

(سوال ۸۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ہے: سورۃ جمعہ میں جو فاسعوا الی ذکر اللہ ہے وہ وجوبی ہے یا استحبائی؟ اگر وجوبی ہے تو اذان اول کے بعد نماز کی تیاری مثلاً غسل کرنا کپڑا بدلنا کیسا ہے؟ نیز کوئی اور کام کرنا مثلاً خرید و فروخت کرنا یا بات چیت کرنا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ وضاحت فرمائیں بینوا تو جروا۔ (الجواب) قرآن مجید میں اذان جمعہ کے بعد سعی الی الجمعہ کا جو امر ہے وہ وجوب کے لئے ہے استحب کے لئے نہیں ہے اور اذان اول کے بعد سعی الی الجمعہ واجب اور ضروری ہے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جو سعی الی الجمعہ میں خلل ہو جائے نہیں مکروہ تحریمی ہے ہاں ایسا کام جو جمعہ کی تیاری کے لئے ہو اس کی گنجائش ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔ وبجب بمعنی یفترض (ترک البیع) و کذا کل شئی یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیہا او یخل کا لبيع ماشياً الیہا لا طلاق الا امر (بالاذان الاول) الواقع بعد الزوال فی الاصح لحصول الاعلام لانه لو انتظر الثانی الذی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعة لبعده محلہ وهو اختیار شمس الاثمة، طحاوی میں ہے (قولہ ویجب ترک البیع) فیکرہ تحریماً من انظرین علی المذهب ویصح اطلاق الحرام علیہ کما وقع فی الہدایۃ۔ والا فہذا المکروہات کلہا تحریمۃ لا نعلم خلافاً فی الاثم بها اہ (قولہ فی الاصح) وقال الطحاوی السعبر هو الاذان الثانی عند المنبر لانه الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم والشیخین بعدہ قال فی البحر وهو صعیف (مراقی الفلاح و طحاوی ص ۲۸۲ باب الجمعة)

درمختار میں ہے۔ (ووجب السعی الیہا وترک البیع) ولو مع السعی وفي المسجد اعظم وزراً (بالاذان الاول) فی الاصح وان لم یکن فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بل فی زمن عثمان وافاد فی البحر صحۃ اطلاق الحرمة علی المکروہ تحریماً (درمختار) شامی میں ہے قولہ وترک البیع ارادہ کل عمل ینافی السعی وخصہ اتباعاً للآیۃ نہر۔ والا صح انہ الاول باعتبار الوقت وهو الذی یمکن علی المنارۃ بعد الزوال (درمختار شامی ج ۱ ص ۷۰ باب الجمعة)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے ووجب السعی الخ اور واجب ہے جمعہ کی طرف جھپٹنا، اور بیع کو ترک کرنا اگرچہ بیع چلتے چلتے کرتا ہو اذان اول کے ہونے پر بیع ترک قول میں، اگرچہ یہ اذان عہد مبارک میں آنحضرت ﷺ کے نہ تھی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور مسجد کے اندر یا دروازہ پر بیع میں مشغول رہنا بڑا گناہ ہے (بیع سے مراد وہ امر ہے جو نماز جمعہ سے بازرگھے تو اگر سوانح کے کسی اور کام میں مشغول رہے گا اور سعی نہ کرے گا تو مکروہ

تحریمی ہوگا اور سعی کی حالت میں بیع کرنا اگر خارج سعی نہ ہو تو سراج میں کہا ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ شارح نے بھی آخر باب البیع الفاسد میں لایا اس پر لکھا ہے۔ اسی قول۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اول وہی ہے جو وقت میں اول ہو یعنی جو اذان زوال کے بعد منارہ پر ہوتی ہے، کذا فی الشامی۔ (غایۃ الاوطار ص ۳۸۰ ج ۱ باب الجمعۃ)

نفع المفتی والسائل میں ہے اذا اذن للجمعة اولاً حرم البیع ووجب السعی وکرہ البیع وکذا کل شئی ما یشتغلہ عن السعی کراهۃ تحریمیۃ (نفع المفتی والسائل ص ۴۲) (ہدایہ اولین ص ۱۵۱) (مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۱)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں نووی سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ یہ اذان اول صحابہ کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے لیکن حرمت بیع میں حکم اس کا بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ وظنی ہوگا اس سے تمام اشکالات علمیہ مرتفع ہو گئے (بیان القرآن ص ۷ ج ۲ سورہ جمعہ)

معارف القرآن میں ہے، اور باتفاق فقہاء امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں نخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا سونا، کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں صرف جمعہ کی تیاری سے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں الخ (معارف القرآن ص ۴۲۱ ج ۸، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

خلاصۃ التفاسیر میں ہے۔ مسئلہ اذان سنتی ہی واجب ہے کہ حضوری جمعہ پر آمادہ ہو جائے، (۱) طہارت و درستی لباس وغیرہ اسی سعی میں داخل ہے مگر نہ اس طوالت و تکلف سے کہ حضوری میں توقف ہو (خلاصۃ التفاسیر ص ۴۳۸ جلد ۳)

(۱) اس حکم سے امام متنبی ہے۔ امام کے لئے جمعہ کے دن سنت طریقت یہ ہے کہ وہ اپنے حجرہ میں رہے اور خطبہ کے وقت اپنے حجرہ سے برآمد ہو، تفسیر مواہب الرحمن میں ہے۔ خطیب نے کہا کہ الصبح رہے کہ مسجد جامع میں اول وقت جا کر بیٹھنا سوائے امام کے یا قیوں کے لئے ہے اور امام کے لئے سنت طریقت یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو جیسے آنحضرتؐ آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمن ص ۴۰۹ جلد ۶ سورہ جمعہ ص ۲۸) اذان اول کے بعد امام کہاں بیٹھنے اس کے لئے سنت طریقت کیا ہے اس کے متعلق فتاویٰ رحمیہ میں ایک جواب ہے جو تقابلاً مطالعہ سے مندرج ہے کہ اس سنت کو زندہ اور اس پر عمل کیا جائے، یہ سنت تقریباً متروک العمل ہو چکی ہے۔ امام جمعہ کے لئے مستحب اور مستنون طریقت یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں، آپ امین خطبہ کے وقت اپنے حجرہ مبارک سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے، آپ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی جریم شریفین (زادھما اللہ شرفاً وکرامۃ) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں، حدیث میں ہے (اخرق الامام فلا صلوة ولا کلام، ترجمہ۔ جب امام خطبہ کے لئے اٹھے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے، حدیث میں اقامہ کا لفظ نہیں ہے اذان کا لفظ ہے اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ خراب نہیں بلکہ خراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت حمیم دارمی رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، ہب امیر المؤمنین اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کر دیتے (مستدرک ص ۱۰۸ ج ۱) منہ امام احمد ص ۴۳۹ ج ۳) (موضوعات کبیر ص ۱۳۱ ملا علی قاری) (اصابۃ فی تذکرۃ الصحابہ ص ۱۸۲ ج ۱) (اقامۃ الحجۃ ص ۵)۔ اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں ومن السنۃ جلوس فی محذویر من یمن المنبر (در مختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جانب حجرہ میں بیٹھے (در مختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں خراب میں پڑھنا مکروہ ہے شامی میں ہے (قوله عن یمن المنبر) فید لمجدعه قال فی البحر فان لم یکن فی حینہ او ناحیۃ و تکرہ صلاحہ فی المنبر اب قبل الخطبة (شامی ج ۱ ص ۷۶۰) (فتاویٰ رحمیہ ص ۸۲، ۸۳ جلد ششم)

احسن الفتاویٰ میں ہے: (سوال) جمعہ کی اذان اول کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرنا یا مسائل وحدیث لکھنا جب کہ خطبہ کی اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے جائز ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

(جواب) باسم ماہم بالصواب اذان اول کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی کام بھی جائز نہیں خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو۔
قال فی التنبیہ دو حب السعی الیہا وترک البیع بالاذان الاول وفی الشامیة ارادہ کل عمل ینافی السعی وحصہ اتباعاً للآیة (ردالمحتار ص ۷۰ ج ۱: احسن الفتاویٰ ص ۱۴۱ ج ۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ جتنا جلد ہو سکے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر جامع مسجد پہنچ جائے اگر صبح سے اپنا کاروبار یا اپنی دیگر مصروفیات بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دکان بند کر دی جائے کہ سنت کے مطابق غسل کر کے کپڑے تبدیل کر کے خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے اگر خدا نخواستہ کسی دن بہت ضروری کام میں مشغول ہو اور اذان اول سے قبل غسل جمعہ کا بالکل موقع نہ مل سکا تو کپڑے کی درستگی کے ساتھ ساتھ جلدی سے غسل کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے بشرطیکہ جمعہ سے قبل کی سنت اور خطبہ فوت نہ ہو مگر اس کی عادت ہرگز نہ ڈالی جائے اور اگر سنت یا خطبہ فوت ہونے کا گمان ہو تو اس صورت میں صرف وضو پراکتفا کیا جائے۔

جمعہ کا دن بہت ہی با عظمت اور بابرکت دن ہے احادیث میں تکبیر (صبح سویرے جامع مسجد جانے) کی بہت ہی ترغیب اور فضیلت آئی ہے جو شخص جتنا سویرے جائے گا اسی قدر اس کو زیادہ ثواب ملے گا، ایک حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکۃ علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المہجر کمثل الذی یہدی بدنۃ ثم کالذی یہدی بقرة ثم کبشائم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج الامام طووا صحفہم ویستمعون الذکر متفق علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن فرشتے (اس) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں (جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے) اور سب سے پہلے جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں (اسی طرح درجہ بدرجہ سب کا نام لکھتے ہیں) سب سے پہلے جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اللہ کی راہ میں اونٹ قربانی کرنے والے کو (اس کے بعد جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے) جیسے گائے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے بکرے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے اللہ کے واسطے مرغ ذبح کرنے میں پھر جیسے اللہ کی راہ میں کسی کو انڈا صدقہ دینے میں پس جب امام (برائے خطبہ) نکلتا ہے تو فرشتے دفتر بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں (بخاری شریف، مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲ باب التظیف والتکبیر)

ایک اور حدیث میں ہے: عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غسل یوم الجمعة واغتسل ویکبر وابتکر ومشی ولم یرکب ودنا من الامام واستمع ولم یلغ کان لہ بکل خطوة عمل سنة اجر صیامہا وقیامہا رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی جمعہ کے دن نہلا دے اور خود بھی نہلائے اور صبح سویرے جاوے اور اول خطبہ پاوے اور پیادہ پا جاوے اور سوار نہ ہو اور امام سے نزدیک ہووے اور خطبہ سنے، اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم پر ایک کامل سال کی عبادت کا ثواب ملے گا ایک سال کی نمازوں کا اور ایک سال کے روزوں کا (ترمذی، ابو داؤد و نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲ باب ایضاً)

لہذا جس قدر ہو سکے جلد جانے کا اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف عظام بہت جلد جامع مسجد پہنچنے کا اہتمام فرماتے تھے، بہشتی گوہر میں بحوالہ امام غزالی درج ہے۔ ”اگلے زمانہ میں صبح کے وقت اور بعد فجر راستے گلیاں بھری نظر آتی تھیں، تمام لوگ اتنے سویرے سے جامع مسجد جاتے تھے، اور سخت ازدحام ہوتا تھا جیسے عید کے دنوں میں، پھر جب یہ طریقہ جاتا رہا تو لوگوں نے کہا کہ پہلی بدعت ہے (۱) جو اسلام میں پیدا ہوئی، یہ لکھ کر امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیوں نہیں شرم آتی مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے، کہ وہ لوگ اپنے عبادت کے دن یعنی یہود سنچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گر جاگھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں، پس طالبان دین کیوں نہیں پیش قدمی کرتے۔ (احیاء العلوم) درحقیقت مسلمانوں نے اس زمانے میں اس مبارک دن کی بالکل قدر گھٹا دی، ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آج کون سا دن ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے، افسوس وہ دن جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کے نزدیک عید سے بھی زیادہ تھا اور جس دن پر نبی ﷺ کو فخر تھا اور جو دن اگلی امتوں کو نصیب نہ ہوا تھا، آج مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کی ایسی ذلت اور ناقدری ہو رہی ہے خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا سخت ناشکری ہے جس کا وبال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (بہشتی گوہر ص ۸۷، ص ۸۸)

نیز بہشتی گوہر میں ہے۔

”ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعے کا اہتمام پنجشنبہ سے کرے، پنجشنبہ کے دن بعد عصر کے استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر رکھے اور جو خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا رکھے تاکہ پھر جمعہ کے دن ان کاموں میں اس کو مشغول ہونا نہ پڑے، بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام پنجشنبہ سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بد نصیب وہ ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جمعہ کب ہے حتیٰ کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون سا دن ہے اور بعض بزرگ شب جمعہ کو زیادہ اہتمام کی غرض سے جامع مسجد ہی میں جا کر رہتے تھے (ص ۱۶۱ ج ۱۱ احیاء العلوم بہشتی گوہر ص ۸۷ جمعے کے آداب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مسجد میں جمعہ کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۸۷) ہماری مسجد میں ظہر اور جمعہ کی نماز میں کثیر مجمع ہوتا ہے خصوصاً رمضان المبارک میں مسجد بالکل نا کافی ہو جاتی ہے، بعض لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دو جمعہ قائم کئے جائیں تو ایک مسجد میں یکے بعد دیگرے جمعہ کی دو جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ایک مسجد میں دو جمعہ قائم نہیں کر سکتے جن کو جگہ نہ ملے وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں اگر دوسری مسجد میں گنجائش نہ ہو یا مسجد نہ ہو تو کسی ہال میں کسی بڑے مکان میں (جہاں سب کو ان کی پوری اجازت ہو کسی کے لئے روک ٹوک نہ ہو) جمعہ کا انتظام کیا جائے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) یعنی سویری نہ جانا اور یہاں بدعت سے لغوی بدعت مراد ہے یعنی نئی بات اور شرعی بدعت مراد نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دین میں عبادت سمجھ کر نئی بات پیدا کرنا کیونکہ یہ حرام ہے اور سویرے نہ جانا حرام نہیں ۲۱۲

(۲) ویکرہ تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق در مختار مع الشامی باب الامامة مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد اس کے علاوہ آنے والے سوال میں صراحۃً حوالہ آ رہا ہے۔

ایک مسجد میں تکرار جمعہ

(سوال ۸۸) ہمارے یہاں لندن میں ایک مسجد ہے جس میں تقریباً چار سو مصلیٰ ایک ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں، جماعت خانہ دو منزلہ ہے اس مسجد میں عام چھٹیوں کے موقع پر (جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، کرسمس) جمعہ کی نماز دوسری مرتبہ قائم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جمعہ کی نماز کے لئے تقریباً آٹھ سو نمازی آتے ہیں (۲) مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کے ایسے مکانات نہیں ہے کہ وہاں دوسری جماعت کا انتظام کیا جاسکے (۳) ایسے موقع پر دوسری جماعت کے لئے ہال کرایہ پر لینا مشکل ہے کیونکہ یہ دن عیسائیوں کے تہوار کے ہوتے ہیں یا پھر بینک ہولی ڈے ہونے کی وجہ سے ہال کے تمام ذمہ دار چھٹیوں پر ہوتے ہیں۔ (۴) اگر مسجد میں دوسرے جمعہ کا انتظام نہ کیا جائے تو جن لوگوں کو جمعہ کی نماز نہیں ملتی وہ متولی اور کمیٹی کے ذمہ داروں کو برا بھلا کہہ کر چلے جاتے ہیں (۵) یہاں کے موسمی حالات کے اعتبار سے کھلے میدان میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں نیز اس کے لئے حکومت کی اجازت بھی ضروری ہے، مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہماری مسجد میں جمعہ کی نماز دو مرتبہ قائم کرنا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) فقہاء نے بوقت ضرورت ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ادا کرنے کو جائز فرمایا ہے، درمختار میں ہے (وتودی فی مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً علی المذهب وعلیہ الفتویٰ شرح المجمع للعینی وامامة فتح القدیر دفعاً للحر ج . شامی میں ہے (قوله علی المذهب) فقد ذکر الامام السر خسی ان الصحیح من مذهب ابی حنفیة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین واکثرو به نأخذ. الی قوله. فان المذهب الجواز مطلقاً بحر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۵۵ باب الجمعة)

جب ضرورت کی وجہ سے شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہے تو نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر جہاں جہاں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو وہاں جمعہ قائم کرنا چاہئے تاکہ ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ میں جمعہ ادا کریں، موجودہ مسجد ہی کے اطراف میں کسی جگہ جمعہ کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے اور اس بات کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا جائے کہ فلاں فلاں جگہ جمعہ کی نماز ہوگی تاکہ لوگ اپنے قریبی مقام پر جمعہ کی ادائیگی کے لئے چلے جائیں، موجودہ مسجد نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر کافی نہ ہو تو ایمانی فریضہ ہے کہ ہم اپنی عبادت کی ادائیگی کا انتظام کریں، نماز تو روزانہ پنج وقتہ ادا کرنا ہے صرف جمعہ کا سوال نہیں ہے لہذا ضرورت ہے تو دوسری مساجد کا بھی انتظام کریں اگر باقاعدہ دوسری مسجد بنانے میں کوئی رکاوٹ ہو تو عبادت خانہ کا انتظام کیا جائے اور وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت اور اذان کا اہتمام ہوتا کہ سمجھدار بچے بھی مسجد میں آنا شروع کر دیں اور ابھی سے ان کو نماز کی عادت ہو جائے، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مروا اولادکم بالصلوة وہم ابناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم ابناء عشر سنین . یعنی اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب کہ وہ سات برس کے ہوں اور نماز چھوڑنے پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہوں (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸ کتاب الصلوٰۃ فصل نمبر ۲) اور ساتھ ساتھ بچوں کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہئے، آپ کے یہاں کے خطرناک ماحول سے آپ حضرات خوب واقف ہیں اگر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا صحیح نظم نہیں کیا

کیا اور بچپن ہی سے اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیم ان کے ذہن نشین نہیں کرائے گئے تو آئندہ ان پر قابو پانا اور کنٹرول رکھنا مشکل ہو جائے گا اور خطرہ ہے کہ نئی نسل کہیں ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے، اس لئے بچوں کے مستقبل کو سامنے رکھ کر ابھی سے ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے اسباب مہیا کرنا ہے اس لئے بچوں کی تعلیم کا صحیح طریقہ پر انتظام کرنا چاہئے، مسلمان ہو کر صرف جمعہ یا عیدین کی نماز ادا کریں بالکل غلط طریقہ ہے، عیدین، جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں سب ضروری ہیں اس لئے جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد کا انتظام کریں اور جمعہ بھی ادا کریں مسجد میں جب ایک دفعہ جمعہ کی نماز ہو چکی تو اب دوسری مرتبہ وہاں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، شامی میں لکھا ہے کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے تو مسجد بند کر دی جائے تاکہ دوبارہ لوگ (برائے جمعہ) جمع نہ ہوں (قوله الا الجامع) ای الذی تقام فیہ الجمعة فان فتحه فی وقت الظہر ضروری والظاهر انه یغلق ایضاً بعد اقامة الجمعة لئلا یجتمع فیہ احد بعدھا الخ (شامی ج ۱ ص ۷۶۶ کتاب الجمعة)

لہذا صورت مسئلہ میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہوں ان کے قریبی علاقہ میں جمعہ کا انتظام کیا جائے اور پہلے سے اس کا اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگ اپنے قریبی علاقہ ہی میں چلے جائیں مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے ورنہ عام رواج ہو جائے گا، پہلے ہی سے ہال بک کرانے کی کوشش کی جائے شادی وغیرہ تقریبات کے لئے پہلے سے انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح جمعہ کے لئے بھی پہلے سے انتظام کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کیا جائے تو امام صاحب کیا کریں؟

(سوال ۸۹) ہمارا گاؤں چھوٹا ہے اور میں مسجد میں امام ہوں، لوگ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو میں کیا کروں؟ اگر پڑھانے پر مجبور کریں تو کیا نیت کروں؟ جمعہ کی یا نفل کی؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اگر آپ کا گاؤں چھوٹا ہو، جمعہ صحیح ہونے کے شرائط موجود نہ ہوں تو وہاں جمعہ پڑھنا، پڑھانا صحیح نہیں، ظہر باجماعت ادا کرنا چاہئے، شامی میں ہے وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة الی فیہا اسواق۔ الی قوله۔ وفیما ذکرنا اشارۃ الی انه لا تجوز فی الصغیرة الی لیس فیہا قاض (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ کتاب الجمعة) نیز درمختار میں ہے وفی القنیة صلاة العیدین فی القری تکرہ تحریماً ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة (قوله صلاة العید) ومثله الجمعة (درمختار و شامی ص ۷۷۵ ج ۱، باب العیدین) لوگوں کو مسئلہ سے واقف کیا جائے، اس کے باوجود آپ کو جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کریں تب بھی آپ نہ پڑھائیں نہ جمعہ کی نیت سے نہ نفل کی نیت سے کوئی صورت نہ بن سکے تو مستغنی ہو جائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال میں درج شدہ بستی میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال ۹۰) ہمارے گاؤں کی کل آبادی تقریباً تین ہزار کی ہے، ہمارے یہاں گرام پنچایت ہے، پرائمری اسکول ہے، ہائی اسکول بھی ہے، بینک آف سوشل سروسز ہے، پولس اسٹیشن یعنی تھانہ بھی ہے، سرکاری ہسپتال ہے جہاں مریضوں کے لئے ہر قسم کا انتظام ہے، ڈاک خانہ بھی ہے، ضروریات زندگی کی تقریباً تمام چیزیں مل جاتی ہیں، تو ہمارے گاؤں

میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا؟

(الجواب) آپ کے سوال کے بموجب آپ کا گاؤں قصبہ نما ہونا چاہئے اہل بستی اور قرب و جوار کے گاؤں والے آپ کی آبادی کو قصبہ کی طرح سمجھتے ہوں اور اپنی ضروریات زندگی خریدنے کے لئے آپ کے یہاں آتے ہوں، آپ کے یہاں بازار ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر و بیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں تو جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ دو تین معتبر مستند و تجربہ کار علماء کو بلا کر دکھا دیا جائے اور ان کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے شامی میں ہے وتقع فرضا فی القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق. الى قوله. وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (شامی ص ۷۸ ج ۱ کتاب الجمعة) نیز شامی میں ہے۔ فی التحفة عن ابی حنیفة رحمہ اللہ انه بلدة كبيرة فيها سبک واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه (شامی ج ۷۸ کتاب الجمعة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی نماز ایک سے زیادہ مسجدوں میں ادا کرنا:

(سوال ۹۱) ہماری بستی میں ماشاء اللہ کئی مساجد ہیں، ان میں ایک چھوٹی مسجد ہے جس سے چند قدم پر ایک بڑی جامع مسجد ہے وہاں جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے اس کے علاوہ مذکورہ مسجد کی ارد گرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کی جاتی ہے، اب محلہ کے لوگ اس چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا جمعہ قائم کرنا مناسب ہوگا؟ بیّنوا تو جروا۔

(الجواب) پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے محلہ کی مسجد میں مردوں کو حاضر ہونے کا تاکید حکم ہے، اور جمعہ کی نماز محلہ کی مسجد بند رکھ کر جامع مسجد میں ادا کرنے کی ہدایت ہے، نماز جمعہ کو ”جامعة الجماعات“ کہا جاتا ہے، یعنی تمام جماعتوں کو جمع کرنے والی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن محلہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بند کر کے ہر مسجد کے مصلیٰ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں یہ افضل اور مستحسن ہے اور اسی میں اسلامی شان و شوکت کا مظاہرہ ہے، عذر کے بغیر محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا شریعت کا منشاء، مصلحت اور اسلام شان و شوکت کو ختم کرنا ہے اور اس کا اثر جامع مسجد پر بھی پڑے گا، البتہ کوئی عذر ہو مثلاً جامع مسجد میں تمام مصلیوں کی گنجائش نہ ہو یا جامع مسجد اتنی دور ہو کہ وہاں مصلیوں کو پہنچنے میں بہت تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں حسب ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

در مختار میں ہے۔ افادان المساجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع (در مختار مع رد المحتار

ج ۱ ص ۷۶۶، باب الجمعة)

رسائل الارکان میں ہے ولا جل ان الجمعة جامعة للجماعات قال الامام ابو يوسف لا

يجوز تعدد الجمع في مصر واحد وهو رواية عن الامام ابی حنیفة. الى. وقال الامام محمد و

رواه عن الامام ابی حنیفة وهذه الرواية هي المختارة وعليه الفتوى انه يجوز تعدد الجمعة مطلقا

الخ (رسائل الارکان ص ۱۱۸ قبیل فصل فی العیدین)

مبسوط سرخسی میں ہے۔ واقامة الجمعة من اعلام الدين فلا يجوز القول بما يؤدى الى تقليها

(مبسوط سرخسی ص ۱۲۱ ج ۱، باب الجمعة)

کفایت المفتی میں ہے: اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو ایک جگہ ہو، ورنہ سخت حاجت

اور ضرورت میں دو یا تین جگہ کی جائے بلا ضرورت زیادتی مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

دوسرے فتویٰ! جواب:۔ ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے، لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب

لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ حسب ضرورت جمعہ پڑھنا جائز ہے اور بلا ضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز

ہو جاتی ہے، البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

صورت مسئلہ میں جب مذکورہ فی سوال مسجد سے چند قدم کے فاصلہ پر بڑی جامع مسجد میں اور اس کے

علاوہ ارد گرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کے محلہ کی چھوٹی

مسجد میں جمعہ قائم کرنا بالکل غیر مناسب اور ناپسندیدہ ہے اس سے جمعہ کی شان و شوکت ظاہر نہ ہوگی، جمعہ کی نماز بڑی

جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جمعہ کی شان بڑھتی ہے، اور اسلامی شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا

ہے، اسی لئے حضور ﷺ عید کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام) چھوڑ کر (جبانہ) عید گاہ میں ادا

فرماتے تھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں متروکہ جمعہ پھر سے جاری کرنا:

(سوال ۹۲) ہمارے گاؤں (ایٹالوا) میں ساٹھ ستر مکانوں کی آبادی ہے، دو محلے اور دو مسجدیں ہیں (ایک چھوٹی،

دوسری بڑی)، پہلے بڑی مسجد میں نماز جمعہ اور چھوٹی مسجد میں ظہر پڑھی جاتی تھی، بہت سے لوگ ظہر پڑھتے ہیں اور

بہت سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے بلیشور، ویسما یا سورت چلے جاتے ہیں، بعض لوگ جمعہ پڑھتے تھے، اس لئے

ڈابھیل سے فتویٰ پوچھا گیا، وہاں سے جواب آیا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے، جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ ظہر پڑھنا

ضروری ہے اس کی بعد گاؤں والوں مجمع ہو کر یہ طے کیا کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو پھر کیوں پڑھا جائے؟

بعض حضرات نے کہا کہ باپ دادا کے زمانہ سے جاری ہے اس کو کیسے چھوڑ دیں؟ لیکن اکثر لوگوں نے فتویٰ

کے بموجب عمل کرنے کی رائے دی اور کہا غلط طریقہ پر نہیں چلنا چاہئے، اس پر سے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ جمعہ کے

دن سے ظہر ہوگی، اس کے بعد چار پانچ ماہ تک لڑائی جھگڑے کے بغیر ظہر جاری رہی جب عید کا موقع آیا تو جمعہ پڑھنے

کی خواہش رکھنے والوں نے موقعہ دیکھ کر عید کی نماز ہوگی ایسا اعلان کر دیا (حالانکہ جس زمانہ میں جمعہ جاری تھا اس وقت

یہی لوگ دوسری جگہ چلے جاتے) مگر ایک غلط کام کا فیصلہ کر لیا اور اب خفیہ اسکیم یہ ہے کہ آئندہ موقعہ پا کر جمعہ بھی اسی

طرح جاری کروادیں گے، لہذا اب آپ سے حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

(۱) جب جمعہ ناجائز ہے تو کیا عید کی نماز ہو سکتی ہے؟

(۲) شرعی حکم کے مطابق جمعہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اب پھر سے جاری کرنا کیسا ہے؟

(۳) جمعہ دوبارہ جاری کرنے کی سعی کرنے والوں کو گناہ اور حرام کا مرتکب نہیں کہا جائے گا؟

(۴) گاؤں کے ذمہ دار حضرات اور دوسرے لوگوں پر جمعہ بند رہے اس کی سعی ضروری ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ آپ مدلل و محقق جواب عنایت فرمائیں گے، تاکہ گاؤں کا فتنہ فرو ہو اور لوگ صحیح حکم شرعی پر عمل کریں، از باشندگان ایٹالوا۔

(الجواب) نماز پنجگانہ (جس میں ظہر بھی ہے) صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ کی شرط نہیں، دیہات، کھیت، جنگل میں بھی درست ہے، جماعت اذان عام، خطبہ بھی مشروط نہیں، لیکن جمعہ ایک مخصوص عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے جو بہت ہی اہتمام سے پڑھا جاتا ہے اسی لئے ہمارے حنفی مسلک میں اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) جماعت شرط ہے (۲) خطبہ شرط ہے۔ (۳) اذان عام بھی شرط ہے (۴) شہر یا قصبہ یا قصبہ نما بڑے گاؤں کا ہونا شرط ہے، دیہات یا جنگل میں درست نہیں۔

ویشترط لصحتها ستة أشياء المصير أو فناءه والخطبة والا ذن العام والجماعة ملخصاً. (نور الایضاح ص ۱۱۷، ۱۱۸ باب الجمعة)

مالا بدمنہ میں ہے، ”پس در دیہات نزد امام اعظم جمعہ جائز نیست“ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں (۵۴) مکتب سے لے کر دارالعلوم میں داخل نصاب کتاب ”تعلیم الاسلام“ میں ہے۔ (سوال) نماز جمعہ صحیح ہونے کی کیا شرطیں ہیں۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی کئی شرطیں ہیں اول شہر یا قصبہ میں ہونا، چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں۔ (حصہ ۴/ص ۵۷)

گاؤں اور جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں (بہشتی شرح ص ۱۴۳)

دیہات اور جنگل میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے اسی لئے میدان عرفات میں لاکھوں حاجیوں کا اجتماع ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی ظہر پڑھی جاتی ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کا دن تھا (جس کے سبب الہیری ہوئی تھی) پھر بھی ہزاروں صحابہؓ کے اجتماع میں جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ ظہر یا جماعت پڑھی گئی، اور آج بھی پڑھی جاتی ہے ولا جمعة بعرفات فی قولہم جمیعا (جامع الصغیر ص ۱۲، باب الجمعة) لہذا آپ حضرات بھی ظہر یا جماعت پڑھتے رہیں۔

(۱) جس جگہ جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں۔ صلوة العید واجبة فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطها (باب العیدین نور الایضاح ص ۱۲۱)

(۲) جب معتبر علماء اور مفتیان کرام نے آپ کے گاؤں میں جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تو اب اس پر عمل کرنا ضروری ہے، جمعہ قائم کر کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ جب تم علماء کے پاس آؤ اور جو وہ تم سے کہیں تم اس کو قبول نہ کرو تو یہ تمہارا ان کے پاس آنا (یا ان کا تمہارے پاس آنا) تم پر حجت بنے گا، اس کا گناہ تم پر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم ملاقات کرتے رسول اللہ ﷺ اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔ اذا حضرتم عند العلماء ولم تقبلوا ما یقول

لکم کان حضور کم عندہم حجة علیکم یكون علیکم اثم ذلک کما لقیم الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم تقبلوا منه (الفتح الربانی، المجلس الخامس مترجم ص ۳۱ و ص ۳۲)

اور آپ ﷺ کا دوسرا فرمان ہے۔

تمہارے درمیان صورتہ نبی (ﷺ) موجود نہیں کہ تم اس کا اتباع کرو، پس جب تم رسول اللہ ﷺ کے اتباع کرنے والوں اور آپ کے حقیقی فرمانبرداروں کا اتباع کروں گے تو گویا تم نے نبی ہی کا اتباع کیا لیس بینکم نبی موجود بصورة حتی تتبعوه فاذا تبعتم المتبعین للنبی صلی اللہ علیہ وسلم المحققین فی اتباعہ فکانما قد اتبعتموه (ایضاً المجلس الرابع عشر ص ۹۳)

ان جوایات سے دیگر سوالوں کے جوابات بھی حل ہو سکتے ہیں، خدا تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عنایت فرما دے اور خواہشات نفسانیہ سے محفوظ رکھے آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شافعی مساجد میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۳) شہر بمبئی میں کئی مسلم محلوں میں شافعی مذہب والوں کی مسجدیں بوقت جمعہ بند رہتی ہیں، ائمہ شوافع کا نظریہ ہے کہ جامع مسجد کے سوا دیگر مساجد میں جمعہ قائم نہیں ہو سکتا، ان کے اس نظریہ کی وجہ سے شافعی المسلمک بلکہ حنفی المسلمک کو بھی بروز جمعہ بڑی مشقت اور زحمت کا سامان رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعداد کثیر ہونے کے سبب سب کو جامع مسجد میں جگہ ملنا مشکل ہے بلکہ حنفی المسلمک والوں کی مسجد میں بھی جگہ نہیں ملتی، بارش کے زمانہ میں بہت سے حنفی و شافعی نماز جمعہ سے محروم رہتے ہیں، کیا ایسے وقت بھی مذہب شافعی کے بموجب ایک سے زائد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں؟ اس کا جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) بے شک حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جمعہ کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے، اگر ایک سے زائد جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوئی اس کی نماز صحیح ہوئی، باقی مساجد میں پڑھے ہوئے جمعہ کا اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں بھی یہی مروی ہے۔ در شہر چند جامعہ جائز است و بروایت از امام اعظمؒ سوائے یک جائز نیست (مالا بد منہ ص ۵۴)

لیکن حضرت امام اعظمؒ کی دوسری روایت میں ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد جگہوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح مذہب شافعی میں بھی مجبوری کی وجہ سے ایک سے زائد مقام میں جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ وتودی فی مصر واحد بموضع كثيرة مطلقا علی المذهب وعلیہ الفتوی (الی قولہ) دفعا للخرج، در مختار۔ (قولہ علی المذهب) فقد ذکر الامام السر خسی ان الصحیح من مذهب ابی حنیفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین واكثر و بہ ناخذ (شامی ج ۱ ص ۵۵ باب الجمعة)

شافی مذہب کی معتبر عربی کتاب ”الاساس“ (مؤلفہ محمد یحییٰ بیرونی شافعی) کا اردو ترجمہ ”ارکان اسلام“ میں

ہے۔

نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ بستی میں ایک ہی جگہ پڑھا جائے، اگر ایک بستی میں دو تین جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوگی اس کا جمعہ صحیح ہوگا، اور دوسرا تیسرا جمعہ باطل ہوگا لیکن اگر ایک جگہ (جامع مسجد) کافی نہ ہو تو ایک شہر میں متعدد مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے (رسائل ارکان ص ۷۶)

مترجم حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاہوری سورتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفی اور شافعی مذہب میں بلا عذر و مجبوری متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (۱) جیسا کہ بہت سی جگہوں میں محلہ در محلہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، یہ طریقہ جمعہ قائم کرنے کے خاص مقصد اور روح کے خلاف ہے۔

البتہ جس جگہ جامع مسجد کافی ہو یا دور ہونے کی وجہ سے پہنچنا مشکل ہو، تکلیف دہ ہو، (جیسا کہ بمبئی میں) تو وہاں ضرورت کے مطابق متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ حنفی و شافعی مذہب میں بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ نئی مسجد میں پڑھیں یا پرانی میں:

(سوال ۹۲) ہمارے یہاں کل تین مسجدیں ہیں (۱) کنارہ مسجد (۲) ناور مسجد (۳) فتح اسلام مسجد، ان تینوں میں کنارہ مسجد قدیم ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے اور تمام مصلیٰ اس میں سما سکتے ہیں، نیز نمازیوں کے لئے راحت رساں تمام اشیاء اس میں موجود ہیں، نمبر دو اولیٰ ناور مسجد نئی تعمیر ہوئی ہے وہ بھی اتنی وسیع ہے کہ تمام مصلیٰ اس میں سما سکتے ہیں، نمبر تین والی فتح اسلام مسجد ایسی ہے کہ اس میں تمام نمازیوں کا سما جانا مشکل ہے۔

اس میں قابل دریافت بات یہ ہے کہ ہم لوگ نماز جمعہ ایک ہی جگہ پڑھنا چاہتے ہیں تو کس مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جس قدیم اور بڑی مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے وہ جامع مسجد سمجھی جائے گی اس میں جمعہ پڑھنا افضل ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الرجل في مسجده افضل من صلاة رجل في غيره

و صلاته في مسجد القباء بخمس وعشرين صلاة و صلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمسائة صلاة. الحديث (مشکوٰۃ ص ۷۲ باب المساجد و و اضع الصلوة) بلا عذر شرعی اسے چھوڑ کر نئی مسجد میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں اگرچہ نماز تو وہاں بھی ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کارخانہ میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۵) شہر کی جامع مسجد کافی دور ہے، کارخانہ میں کام کرنے والے مسلمان مزدور کارخانہ کے کسی حال میں جمعہ پڑھ لیں تو جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط ہے، لہذا مع حوالہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(۱) لان جواز التعدد دفعاً للخرج كما مر، والخرج لا يوجب دون الضرورة والضابطة الضرورة تنقذر بقدر الضرورة كما في الاشياء وغيره. (مترجم)

(الجواب) جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر و فناء شہر میں کسی بھی جگہ مثلاً مکان میں یا بال میں یا کھلے میدان میں نماز جمعہ درست ہے البتہ اس جگہ اذان عام (یعنی ہر شخص کو نماز پڑھنے کی اجازت ہو یہ) ضروری ہے لیکن مسجد کا ثواب پھر بھی نہیں ملے گا ولا یشرط الصلوۃ فی البلد بالمسجد فتصح بقضاء فیہا۔ طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۹ باب الجمعة فقط واللہ تعالیٰ علم بالصواب۔

عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز:

(سوال ۹۶) یہاں (انگلشور) میں بس اڈے کے قریب اسلامی مسافر خانہ ہے، جس کے بالائی حصہ میں عبادت گاہ ہے اس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے، قرب و جوار کے بسنے والے (جیسے وی، ٹی، کالج، آئی، ٹی، ایس، ٹی کا عملہ وغیرہ) جن کی تعداد دو سو ہے یہ لوگ مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، کیونکہ جائے وقوع بس اڈہ اور جامع مسجد میں ایک میل کا فاصلہ ہے اور اسی فاصلہ اور قلت وقت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نماز جمعہ بسا اوقات فوت ہو جاتی ہے، تو کیا یہاں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں شہر یا قصبہ شرط ہے ولا یشرط الصلوۃ فی البلد بالمسجد فتصح بقضاء فیہا (باب الجمعة طحاوی ص ۲۷۹) لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن شرعی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عبادت خانہ میں دوبارہ جمعہ پڑھنا:

(سوال ۹۷) ہم ٹورنٹو (کینیڈا) کے باشندے نماز جمعہ کے متعلق ذرا تفصیل چاہتے ہیں بایں طور کہ ہمارے کئی مسلمان بھائی بروز جمعہ دن کی ڈیوٹی میں کام کرتے ہیں، بہت ہی کوشش کے باوجود بروقت جمعہ ادا نہیں کر پاتے، مجبوراً ہم چار سے زائد آدمی ظہر کے وقت میں ایک ایسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں جہاں جمعہ کی نماز وقت مقررہ پر ہو چکی ہوتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں ہماری نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون کریں۔

(الجواب) نماز جمعہ کسی بھی طرح (چاہے مالی نقصان برداشت کرنا پڑے) اس کی اصل جگہ یعنی مسجد میں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو عبادت خانہ میں جم غفیر کے ساتھ ادا کرے، اگر وہاں کبھی کبھار پہنچ نہ سکے تو ایک امام اور کم از کم تین مقتدیوں کے ساتھ کسی اور جگہ یا کارخانہ میں باجماعت ادا کرے، جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو اور پنجگانہ نماز بروقت باجماعت ہوتی ہو وہاں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، مبسوط سرخسی میں ہے۔ قال (واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فیہ اہلہ کرہت لہم ان یصلوا جماعۃ باذان واقامۃ ولکنہم یصلون وحداناً بغیر اذان واقامۃ) لحديث الحسن قال كانت الصحابة اذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلی فی مسجدہ بغیر اذان ولا اقامۃ (مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۳۵) (شامی ج ۱ ص ۳۶۷ باب الاذان) نیز جماعت ثانیہ کرنے سے جماعت اولیٰ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اصل تو جماعت اولیٰ ہی ہے لوگ سمجھتے ہیں پہلی جماعت ملے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری جماعت کر لیں گے یہ طریقہ غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے نہ کہ روزی و روزگار کے لئے، رزق کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، البتہ تدبیر (ملازمت، بیوپار) اختیار کرنے کی اجازت دی ہے لیکن تدبیر کے پیچھے پڑ کر ہمیشہ جمعہ چھوڑ دینا بڑی محرومی اور نفاق کی علامت ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک الجمعة من غیر ضرورة کتب منافقاً۔ الحدیث (مشکوٰۃ ص ۲۱ باب الجمعة)

ایسی ملازمت کہ جس کے سبب ہمیشہ جمعہ کی نماز سے محروم رہے جائز نہیں باری تعالیٰ کا فرمان ہے وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون، ما ارید منهم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین۔

ترجمہ:- اور میں (خدا) نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ان (مخلوق) سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط (قرآن حکیم پارہ نمبر ۲ سورہ ذریت)

پھر ملازمت کے خاطر اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرنا کہاں کی دانشمندی اور انسانیت ہے۔ فقط واللہ اعلم

فیکٹری میں نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو:

(سوال ۹۸) میں فیکٹری میں ماہواری تنخواہ کے عوض ٹریننگ لیتا ہوں جس میں مجھے فی الحال بقدر ٹریننگ ماہوار = ۳۵۰ روپے ملتے ہیں میری ڈیوٹی کا وقت صبح نو بجے سے لے کر شام کے پانچ بجے تک ہے اور دوپہر کو بارہ بجے سے ایک بجے تک کا وقفہ رہتا ہے اس کے علاوہ جمعہ کے دن بھی نماز جمعہ کے لئے اجازت نہیں ایسی صورت میں مجھے نماز جمعہ کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ ظہر پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ یا فیکٹری میں ہی دو تین آدمی مل کر نماز جمعہ پڑھ لیں؟ یا پھر میں ملازمت ترک کر دوں، ظہر پڑھنے کی اجازت کی صورت میں کتنی مدت تک ظہر کی اجازت ہے؟ بہت ہی کوشش کے باوجود کسی حال میں کمپنی اجازت دینے کو راضی نہیں حتیٰ کہ وضع تنخواہ کی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتی، ایسی صورت میں کیا کروں۔ بنوا تو جروا۔

(الجواب) جب جمعہ جیسی نماز (جو شعائر اسلام میں سے ہے) کے لئے اجازت نہیں ہمیشہ ظہر پڑھنے کی نوبت آتی ہے، تو ایسی ملازمت قابل ترک ہے، دوسری جگہ ملازمت کی تلاش میں رہے، جب تک اچھی ملازمت نہ ملے فیکٹری میں جمعہ پڑھے اگرچہ مسجد کا ثواب نہیں ملے گا مگر جمعہ صحیح ہو جائے گا، البتہ امام کے علاوہ تین مصلیٰ کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو تو جمعہ صحیح نہ ہوگا، ایسے ہی خطبہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

والسادس الجماعة و اقلها ثلثة رجال سوى الامام (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۶۰ و ج ۱ ص ۶۱ باب الجمعة) و يشترط لصحتها ستة اشياء المصرا او فثائه والخطبة الخ (نور الايضاح ص باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے لئے دکان کب بند کرے؟:

(سوال ۹۹) بروز جمعہ ہم لوگ دوپہر کو قبل نماز دکان بند کر دیتے ہیں ہمیں دکان کس وقت بند کرنا چاہئے؟ آج کل

زوال کا وقت ۱۲/۴۵ پر ہے اور اذان ایک بجے اور خطبہ ایک بج کر دس منٹ پر ہوتا ہے، بینوا تو جروا۔
(الجواب) احادیث میں یوم جمعہ کی بہت فضیلت آئی ہے حتیٰ کہ یوم عید سے بھی افضل ہے عن ابی لبابة بن عبد المنذر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یوم الجمعة سید الايام واعظمها عند اللہ و هو اعظم عند اللہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر . الحدیث . (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰ باب الجمعة)
اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی تیاری میں لگ جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، سورۃ کہف پڑھے جتنا جلد ہو سکے جامع مسجد پہنچ کر نوافل، صلوٰۃ التبیح، تلاوت قرآن و اذکار درود شریف وغیرہ میں مشغول رہے، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اس کے بعد دکان کھولے۔

اگر اس پر عمل کرنا اور دکان بند رکھنا گراں ہو تو اذان اول سے اس قدر پہلے دکان بند کر دے کہ مسنون طریقہ کے مطابق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان کے وقت جامع مسجد میں پہنچ سکے و وجب سعی الیہا و ترک البیع بالاذان الاول (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰ باب الجمعة) نیز ملاحظہ ہو۔
احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۶۱ بیان آداب الجمعة۔ بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۷۶۔
جمعہ کے دن کی جتنی تعظیم و تکریم کرے گا اور مسنون طریقہ پر نماز کا اہتمام کرے گا اسی کے بقدر برکات سے نوازا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہمیشہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے:

(سوال ۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں امام صاحب ہیں اور وہی خطیب بھی ہیں اور بستی کے باشندے دوسرے خطیب کا تقرر کرنے سے معذور ہیں اور مذکورہ خطیب کو دائمی عذر ہے، مثلاً سر چکرانا اور کمزوری جس کی وجہ سے کھڑے ہو کر خطبہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا ایسی صورت میں بیٹھ کر خطبہ دے سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبد الرحمن بن ام حکم کو خلاف سنت بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ عن ابی عبیدۃ عن کعب ابن عجرۃ قال دخل المسجد و عبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظر و الی هذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب الجمعة) لہذا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جاوے تو درست ہے مگر اس پر مداومت (دائم طور پر ترک سنت) کی اجازت نہ ہوگی، لہذا دوسرا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ۔

بیان و خطبہ کے وقت چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۱) جمعہ کے روز پہلی اذان کے بعد امام کچھ بیان کرتے ہیں اس دوران مسجد کے لئے چندہ کی صندوق یا جھولی پھرائی جاتی ہے، بعض لوگ سنت پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو خطبہ بھی شروع ہو جاتا ہے مگر چندہ کا کام جاری رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) بیان کے دوران چندہ کے لئے صفوں میں پھرنے کی اجازت نہیں کہ بیان سننے میں خلل ہوگا اور بیان کا مقصود فوت ہوگا اور سنت پڑھنے والوں کو بھی خلل ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نماز میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اپنا سامان صف کے آگے ڈال دیا اور نماز میں شریک ہو گیا، حضرت عمرؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس شخص کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا (کتاب الاعتصام للإمام الشاطبیؒ) اور یہی حکم خطبہ کے لئے بھی ہے بلکہ اس سے اشد، روایت میں ہے، اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام، جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے درمیان بچوں کو شرارت کرنے سے روکنا:

(سوال ۱۰۲) خطبہ جمعہ کے وقت بچے شور اور شرارت کرتے ہیں تو ان کو روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) سر اور ہاتھ کے اشارے سے روکا جاسکتا ہے، زبان سے کچھ نہ کہے، زبان سے بولنا جائز نہیں حرام ہے، البتہ خطیب کو اجازت ہے والاصح بانہ اباس بان بشیر براسہ اویدہ عند رویۃ منکر (درمختار) والتکلم بہ من غیر الامام حرام (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۲ باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے وقت پنکھا جھلنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۳) جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو اس وقت حاضرین پنکھا جھلیں تو کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) کراہت سے خالی نہیں۔ حدیث میں ہے ومن مس الحصى فقد لغا۔ (کتاب الجمعة رواہ مسلم) جب مس حصى (یعنی کنکریوں سے کھیلنے اور ان کو ہاتھ میں لینے) کی ممانعت ہے کہ اس میں مشغول ہے غیر خطبہ کی طرف تو پنکھا جھلنے میں اس سے زیادہ مشغولی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۱۰۴) خطیب، جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے، اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں کیا اس کا ثبوت ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، غایۃ الاوطار میں اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”تنبیہ، آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ خطیب جب خطبہ اول کو پڑھ کر بیٹھتا ہے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی تحقیق اس جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے، ابو داؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے، اس طرح کہ منبر پر چڑھ کر بیٹھتے جب تک کہ مؤذن فارغ ہو، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے اور پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے، طحطاوی نے کہا کہ اس جلوس میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ خطیب کو درمیان دو خطبوں کے جدائی کے لئے جلسہ اتنا کرنا چاہئے کہ تمام اعضا اس کے قرار پا جائیں اور اس جلسہ میں دعا کرنا بدعت ہے اور سعنائی نے لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لئے دو خطبوں کے درمیان میں غیر مشروع ہے اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا

دعا کے لئے دو خطبوں کے بیچ میں حرام ہے اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ بالا کے ذیل میں لکھا ہے کہ کلام نہ کرتے لباس کے یہ معنی کہ نہ دعا مانگتے نہ دعا کے سوا اور کوئی بات کرتے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ میں سماعت دعا کے قبول ہونے کی امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت سے نماز کے پورا ہونے تک ہے، تو ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہی وقت ہے کہ غیر امام کو کلام اس وقت میں حرام ہے اور دعا سے مراد وہ دعا ہے جو امام سب مسلمانوں کے لئے پڑھتا ہے، خطبہ اور نماز کے اندر، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امام یا سننے والے جملہ کے اندر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں الخ (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۷۳) (شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا:

(سوال ۱۰۵) ہمارے امام صاحب جمعہ کے خطبہ سے فارغ ہو کر جب منبر سے اترتے ہیں تو مصلیٰ (جائے نماز) پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس کے بعد مکبر اقامت کہتا ہے اور جب وہ جی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں، ہر جمعہ کو ایسا ہی کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ بالکل نرا اور خلاف سنت ہے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا یہ طریقہ نہیں تھا، مذہب حنفی کی معتبر اور مشہور کتاب درمختار میں ہے فاذا اتم اقیمت ویسکروہ الفصل یعنی جب امام خطبہ پورا کرے تو اقامت شروع کر دی جائے اور فاصلہ مکروہ ہے، شامی میں ہے (قولہ اقیمت) بحیث یتصل اول الاقامۃ بآخر الخطبۃ وتسمی الاقامۃ بقیام الخطیب فقام الصلوٰۃ یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہو جانی چاہئے، اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کا آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلیٰ (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہو جائے۔ (درمختار الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعة)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ نواہیجاہل من گھڑت اور مکروہ ہے، اس کو سنون اور مستحب سمجھنا بالکل غلط اور بے بنیاد اور گناہ کا باعث ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں۔ مکروہ رامستحسن دانستن از اعظم جنایاتست، مکروہ کو مستحسن سمجھنا عظیم جنایات میں سے ہے (یعنی بڑی مکروہ اور ممنوع چیز ہے) (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج ۱ ص ۳۹۳ مکتوب نمبر ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے۔ ایہا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رالیتم محدثۃ فعلیکم بالامر الاول یعنی تم لوگ نئی باتیں نکالو گے اور تم کو نئی باتیں پیش آئیں گی پس جب تم نئی بات دیکھو تو پرانے طریقے کو لازم پکڑنا (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۰۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے شروع میں دو مرتبہ الحمد للہ پڑھنا:

(سوال ۱۰۶) خطبہ کے شروع کرتے وقت دو مرتبہ الحمد للہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) خطبہ میں الحمد للہ دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جب کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا:

(سوال ۱۰۷) جمعہ کے وقت دوسری اذان جو خطبہ کے وقت دی جاتی ہے، عموماً دیکھا گیا کہ منبر کے پاس مسجد میں خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اذان مسجد میں دینا مکروہ ہے، اذان مسجد کے باہر دینا چاہئے اور کہتے ہیں کہ بہار شریعت میں بھی اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کی وجہ سے یہاں خلفشار ہے، جواب بالصواب عطا فرمائیں کرم ہوگا، والسلام بینا تو جروا۔ (برودا)

(الجواب) اذان دو مقصد کے لئے کہی جاتی ہے (۱) عام اور غائبین لوگوں کے لئے (۲) خاص حاضرین کے لئے۔ پہلی اذان عام اعلان ہے تاکہ غائبین مطلع ہوں یہ اذان مسجد میں کہنا مکروہ ہے اور دوسری اذان جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور اقامت جو نماز کے وقت کہی جاتی ہے، یہ دونوں خاص حاضرین کے لئے ہیں ان کا مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں، مراقی الفلاح میں ہے والاذان بیس یدیدہ جری بہ التوارث (کالا قامة) بعد الخطبة (مراقی الفلاح ص ۱۰۳ باب الجمعة) اس عبارت میں دوسری اذان کو جو بوقت خطبہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے، جس طرح اقامت مسجد میں اور عموماً صف اول میں دی جاتی ہے اور اس کو کوئی مکروہ نہیں کہتا اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور سلف و خلف کا یہی معمول اور طریقہ چلا آ رہا ہے جس کی طرف جری بہ التوارث سے اشارہ کیا ہے (لہذا یہ اذان اور اقامت مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی حاضرین کو متوجہ اور مطلع کرنا، غائبین سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور بعض کتابوں میں عند المنبر آیا ہے، یعنی شرح ہدایہ میں ہے فی الاصح لحصول الاعلام بہ (ای اذان المنارة) لانه لو انتظر الاذان الثانی عند المنبر تفوته السنة وربما لا یدرک الجمعة لبعده محلہ وهو اختیار شمس الانمۃ (عینی شرح ہدایہ ص ۱۱۴ باب الحمد) فقط واللہ اعلم بالصواب یکم ربیع الاول ۱۴۰۵ھ۔

عیدین کے موقع پر چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۸) عیدین کے موقع پر (کبھی مسجد میں نماز ہوتی ہے اور کبھی عید گاہ میں ہوتی ہے) مسجد کے لئے اسی طرح دینی مدارس یا ادارات لوگوں کے کفن وغیرہ کے لئے مسجد کے اندر دو شخص ایک کپڑا لے کر صفوں کے درمیان چل کر چندہ کرتے ہیں تو شرعیہ فعل کیسا ہے بینا تو جروا۔

(الجواب) اگر نماز سے پہلے یا خطبہ کے بعد ہو تو مضائقہ نہیں، خطبہ کے دوران اس کی اجازت نہیں۔

کیا ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے؟

(سوال ۱۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام حافظ قاری ہیں، آنکھوں سے کچھ معذور ہیں، کتاب کے اندر دیکھ کر پڑھ نہیں سکتے، اس لئے انہوں نے پانچ چھ خطبے زبانی یاد کر رکھے ہیں اور وہ جمعہ کے دن ان میں سے ایک ایک خطبہ یاری باری پڑھتے رہتے ہیں، ہمارے محلہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے خطبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہر ماہ ایک خطبہ پڑھتے رہتے ہیں حالانکہ ہر ہفتے اور ہر مہینے کا جو الگ الگ خطبہ ہے وہ پڑھنا چاہئے، اسی بناء بعض مقتدی دوسری مسجد میں چلے جاتے ہیں، اس سلسلے میں مفتیان عظام کیا فرماتے ہیں؟

بنوا تو جروا۔ (سورت)

(الجواب) جب کہ امام حافظ قرآن اور قاری ہیں، خوش الحان ہیں، قرآن خوب عمدہ پڑھتے ہیں، نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہیں، کچھ معذور ہونے کے باوجود پاک صاف رہنے کا اہتمام کرتے ہیں لہذا ان کی امامت بلا کراہت درست ہے، حدیث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یوم الناس وهو اعمی۔ رواد ابو داؤد۔ یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو امام بنایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷ باب الامتہ)

خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اس لئے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟ امام صاحب گو پانچ جیسے خطبے یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی، تاہم نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی سیکھیں اور اچھے عالم حافظ قاری کو رکھا جائے، وہ جمعہ وعیدین کے خطبہ کا ترجمہ بیان کرے اور شرعی احکام سے نمازیوں کو واقف کرے، موجودہ امام کو نائب امام کے طور پر رکھا جائے وہ رمضان میں تراویح پڑھانے کی خدمت بھی کماحقہ انجام دے سکتے ہیں، لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام و مؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ۔

عیدین کے خطبہ میں حاضرین کا تکبیر کہنا:

(سوال ۱۱۰) خطیب عید کے خطبہ میں تکبیرات کہتے ہیں، تو حاضرین تکبیرات کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بنوا تو جروا۔ (الجواب) ہاں حاضرین آہستہ آہستہ تکبیر کہہ سکتے ہیں اور خطیب آیت کریمہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی پڑھے تو حاضرین دل ہی دل میں درود پڑھیں واذا کبر الا امام بالخطبة یکبر القوم معه واذا صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الناس فی انفسہم (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلاة العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

ظہر و جمعہ کی سنت میں جماعت و خطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۱۱۱) ظہر و نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت موکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟

(الجواب) صورت مسئلہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھی (شامی ج ۱ ص ۶۶۸) (۱)

(۱) ثم اعلم ان هذا كله حيث لم يقم الى الثالثة اما ان قام اليها وقيد لها سجدة ففي رواية النوا در يضيف اليها رابعة وسلم وان لم يقيد لها سجدة قال في الخانية لم يذكر في النوادر واختلف المشايخ فيه قيل تمها اربعاً ويخفف القراءة وقيل يعود الى السجدة ويسلم وهذا شبهه اذ قال في شرح المنية والواجدان يتمها لانهان كانت صلاة واحدة فظاهر وان كانت كغيرها من السواقل كل شفع صلاة فالقيام الى الثالثة كما تحريمه المبيدة واذا كان اول ما تحرم يتم شفعاً فكذا هنا. باب ادراك الفريضة

خطبہ میں عصا پکڑنا مسنون ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۱۳) خطبہ کے وقت عصا پکڑنا جائز ہے یا مکروہ؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا اور سہارا دینا جائز ہے مکروہ نہیں (شرح سفر السعادة ص ۲۰۹) مگر اس کو ضروری سمجھنا اور عصا نہ لینے والے کو ملامت کرنا مکروہ ہے۔ کسی مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھادینا بھی مکروہ ہے (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۲۳)

خطبہ کے وقت درود شریف پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۱۴) جمعہ کے دوسرے خطبہ میں امام صاحب آیت کریمہ ان الله و ملائکته یصلون علی النبی الخ پڑھیں تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا نہیں؟ افضل کیا ہے۔ بینوا تو جردا۔

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہی ہے کہ خاموش رہیں یا دل میں درود شریف کا تصور کریں۔ زبان سے نہ پڑھیں اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ کبیری شرح منیہ میں ہے واذا قرأ الامام ان الله و ملائکته فعن ابی حنیفہ و محمد انه ینصت و عن ابی یوسف انه یصلی سرا و به اخذ بعض المشائخ و اکثرهم انه ینصت و فی الحجة لو سکت فهو افضل یعنی حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ ان الله و ملائکته پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے اور حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ آہستہ سے پڑھے یعنی دل میں پڑھے۔ بعض مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے مگر اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب الحجۃ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے (کبیری شرح منیہ فصل فی صلوۃ الجمعة ص ۲۵۰) اور درختار میں ہے والصواب انه یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماعہ اسمہ فی نفسه یعنی صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سن کر اپنے دل میں درود شریف پڑھے اور شامی میں ہے اذا ذکر النبی ﷺ لا یجوز ان یصلی علیا بالجنو بل بالقلب و علیہ الفتوی ترجمہ۔ جب آپ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے تو اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا جائز نہیں ہاں دل میں پڑھے فتویٰ اسی پر ہے (ج ۱ ص ۶۸ باب صلوۃ الجمعة) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی کا بھی اختلاف نہیں بہار شریعت میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں اس وقت زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں (بہار شریعت ج ۳ ص ۱۰۰) واللہ اعلم۔

جمعہ کے خطبہ کے وقت پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۱۵) مسجد میں خطبہ کے وقت یا دوسری نماز کے وقت گھٹنے پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا جیسے امراء بیٹھتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) اس طرح کی نشست میں تکبر اور گھمنڈ نہ ہو محض ضرورت ہو تو جائز ہے (قاضی خان) مگر اس کی عادت بنانا بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی خطبہ کے وقت اس کی عادت مناسب نہیں۔ لانه من عادة الجبابرة مسجد میں بجز وہ خشوع بیٹھنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ ثانیہ میں خلفائے راشدین کا ذکر خیر:

(سوال ۱۱۲) ایک اردو اشتہار میں دیکھا کہ خطبہ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا نام لے کر جو ذکر کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں بدعت اور ناجائز ہے، لہذا خطیب کو چاہئے کہ اس کو ترک کرے ورنہ گنہگار ہوگا کیا یہ صحیح ہے؟ اس کو ترک کر دینا چاہئے۔

(الجواب) خطبہ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا ذکر خیر ان کی مدح اور ان کے لئے دعاء خیر کرنا بدعت نہیں ہے، نہ بے اصل ہے، زمانہ خیر القرون سے جاری اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہے اس کو بے اصل اور بدعت بتانا غلط ہے، اس کے مستحب ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین کا ذکر خیر کیا، ان کی مدح کی اور ان کے لئے دعاء خیر کی رضی اللہ عنہم (شامی ج ۱ ص ۵۹) (۱) فقہ کی معتبر کتابوں میں خلفاء راشدین کے تذکرہ کو مستحب قریب السنۃ بلکہ شعار دین خصوصاً اہل سنت والجماعت کا شعار بتایا ہے۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے دو چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تذکرے بھی مستحب ہیں۔ رسائل الارکان میں ہے ویسبغی ان یدعو للمسلمین ویبدؤ بذکر الخلفاء الراشدين ومدحهم والدعاء لهم لان الرحمة تنزل بذکر الصالحين ويرجى قبول الدعاء للمسلمين ببركة ذكرهم وهو المتوارث من وقت التابعين الى الان ولم ينكر ذلك احد فهو امر مندوب قریب الى السنۃ للاجماع الفعلى على ذلك وهو من شعار الدين كما لا ذان فلا يترك ترجمہ۔ مناسب ہے کہ خطبہ میں امام مسلمانوں کے لئے دعا مانگے۔ اس کا آغاز حضرات خلفاء راشدین کے لئے دعا اور ان کی مدح و ثناء سے کرے کہ بزرگان دین کے تذکرے سے رحمت نازل ہوتی ہے اور مسلمانوں کے حق میں قبولیت دعاء کی زیادہ توقع ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ تابعین کے دور سے آج تک جاری ہے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی پس یہ طریقہ مستحب ہے جو سنت کے قرب کا درجہ رکھتا ہے اس پر اجماع فعلی ہے اور اذان کی طرح شعار دین ہے لہذا چھوڑا نہ جائے (ص ۱۱۶)

اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ خلفاء راشدین اور رسول خدا ﷺ کے عین محترمین (حضرت حمزہ اور حضرت عباس) کا تذکرہ مستحب ہے اور سلف صالحین سے جاری ہے (ج ۱ ص ۱۲۷) (۲) (مراقی الفلاح ص ۱۳۰) (فتاویٰ جامع الزور ج ۱ ص ۱۱۹) (نفع المفتی ص ۱۰۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ خطبہ میں خلفاء راشدین کا تذکرہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور یقینی بات ہے کہ اس شخص کے سوا جس کا دل مریض اور جس کا باطن خبیث ہو کوئی دوسرا (جو ایمان صحیح رکھتا ہو) اس کو چھوڑ نہیں سکتا (پھر ارشاد ہے) اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ خطیب نے

(۱) علیٰ انہ ثبت اباموسیٰ الاشعری وهو اسر الکوفۃ کان بدعو لعمر قبل الصدیق فانکر علیہ تقدیم عمر فشکی الیہ فاستحضر السنکر فقال انما انکرت تقدیمک علی ابی بکر فبلی واستغفرہ والصحابۃ حینئذ متوفرون لا یسکون علی بدعۃ باب الجمعۃ

(۲) و ذکر الخلفاء الراشدين والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مستحسن بذکر جری التوارث کذا فی التجنیس

تجمع اور عداوت سے خافہ، راشدین کا ذکر ترک نہیں کیا، تب بھی چھوڑنے والوں سے عملاً مشابہت تو ہوگئی۔ پس من تشبه بقوم فهو منهم کئی وعید اور اتقوا مواضع التهم کی تاکید کا کیا جواب ہے۔ یعنی جب عملاً و افضل کے مشابہ ہو گیا تو اس کو رافضی کیوں نہیں قرار دیا جائے گا اور جہاں اس طرح کا الزام لگ سکتا ہو وہاں حکم ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے اور تہمت کا موقع نہ دیا جائے، اس نے تہمت کا موقع دے دیا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۲۷۷ مکتوب نمبر ۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ پڑھنے کے بعد وضو کی حاجت ہو تو خطبہ کا اعادہ ہو گا یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۶) خطبہ جمعہ پڑھنے کے بعد امام کو حدث لاحق ہوا اور حوض یا مسجد میں پانی نہونے کی بنا پر قریب کے مکان میں وضو کر کے جلد واپس آیا اور خطبہ کے اعادہ بغیر نماز جمعہ پڑھائی تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟ خطبہ کا اعادہ کرنا ہو گا؟ (الجواب) خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں تھا نماز صحیح ہوئی۔ ولو خطب ثم ذهب فتوضأ فی منزله ثم جاء فصلى تجوز (کبیری ص ۷۱ فصل فی صلوة الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ اور نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۱۷) ہمارے یہاں جمعہ کے دن اذان اول کے بعد لوگ سنن وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہیں اب امام کے خطبہ کہنے کی تیاری تھی خطیب اپنی جگہ سے اٹھے ہی تھے کہ اتنے میں آواز آئی آگ لگی دوڑو، آواز سن کر جو لوگ کہ سنن وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے دوڑے اور کچھ لوگ مسجد میں باقی رہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ آگ بجھانے گئے ہیں ان کا انتظار کر کے خطبہ اور نماز میں تاخیر کی جائے؟ اگر انتظار نہ کیا جائے تو ان کے خطبہ اور نماز کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسے موقع پر نماز کے وقت کا لحاظ کر کے نمازیوں کا انتظار ضروری ہے اگر نماز پڑھ لی تو بقیہ جنہوں نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو علیحدہ علیحدہ ظہر کی نماز ادا کریں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن عید آجائے تو خطبہ کا حکم:

(سوال ۱۱۸) ایک شخص کہتا ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو دونوں خطبے پڑھنا (عید اور جمعہ کے) ضروری نہیں دونوں میں سے ایک کو پڑھ لینا کافی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) یہ صحیح نہیں کہ دونوں میں سے ایک پڑھ لینا کافی ہے بلکہ عید اور جمعہ دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ محمد بن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہم عید ان اجتماع فی یوم واحد فالاول سنة والاخر فريضة ولا يترك واحد منهما (الجامع الصغير ص ۲۰ باب العیدین) (هدایة ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین) (طحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وكذا اهل مصر فاتتهم الجمعة فانهم يصلون الظهر بغير اذان ولا اقامة ولا جماعة در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۹ باب الجمعة

کیا خطبہ کے بعد وضو کرنے سے خطبہ دوبارہ پڑھا جائے:

(سوال ۱۱۹) امام خطبہ پڑھ کر وضو کرنے کے لئے حوض پر جائے تو خطبہ کا اعادہ کرنا ہوگا یا نہیں؟
(الجواب) خطیب خطبہ کی بعد بغرض وضو حوض پر جائے یا مکان پر جا کر وضو کر کے آئے تو خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں۔ پہلا خطبہ کافی ہے۔ ”اذا خطب ثم ذهب فتوضا في منزله ثم جاء فصلى تجوز“ (کبیری ص ۵۱)
فصل فی صلوة الجمعة فقط واللہ اعلم بالصواب

خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھنا:

(سوال ۱۲۰) عید کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھ لیا۔ تو نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟
(الجواب) عید کا خطبہ نماز کے بعد ہے۔ اگر پہلے پڑھ لیا تو غلط ہوا۔ مگر نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں ”جوہرۃ نیرۃ“ میں ہے۔ وان خطب قبل الصلوة اجزاء مع الاساءة ولا تعداد بعد الصلوة (ص ۹۴ ج ۱ باب صلوة العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب

خطبہ میں آیت کریمہ ”ان اللہ“ الخ پڑھنے پر حاضرین کا درود پڑھنا:

(سوال ۱۲۱) یہاں پر ایک اختلاف چل رہا ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں خطیب آیت کریمہ ”ان اللہ وملائکته“ الخ پڑھے تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا خاموش رہیں؟ افضل طریقہ کیا ہے؟ جواب ہی پر جھگڑا رفع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہ ہے کہ خاموش رہے یا دل میں درود شریف کا خیال کرے زبان سے نہ پڑھے اس وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ”کبیری شرح منیہ“ میں ہے۔ واذا قراء الامام ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعن ابی حنیفہ ومحمد انه ینصت وعن ابی یوسف انه یصلی سرأوبہ اخذ بعض المشائخ واكثرهم انه ینصت وفي الحجة لو سکت فهو افضل۔ ترجمہ:- حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے روایت ہے۔ کہ خطیب جب آیت کریمہ۔ ”ان اللہ وملائکته“ الخ پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے۔ حضرت امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ آہستہ دل ہی دل میں پڑھ لے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب حجتہ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے۔ (ص ۵۲۰ باب صلوة الجمعة) اور در مختار میں ہے والصواب انه یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماعه فی نفسه۔ ترجمہ:- اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سنتے وقت آنحضرت ﷺ پر دل ہی دل میں درود شریف پڑھے اور ”شامی“ میں ہے۔ اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعجز ان یصلی بالجهر بل بالقلب وعلیہ الفتویٰ

ترجمہ:- جب آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے تو جائز نہیں ہے کہ آپ پر جہر سے درود شریف پڑھا جائے (ﷺ) بلکہ دل میں پڑھے۔ اسی پر فتویٰ ہے (ص ۶۸ ج ۱ باب الجمعة) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی

اختلاف بھی نہیں۔ دیکھئے ”بہار شریعت“ حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا۔ تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں۔ زبان سے پڑھنے کی اس وقت اجازت نہیں۔ (ص ۱۰۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

کیا خطیب کے لئے نہی عن المنکر جائز ہے؟

(سوال ۱۲۲) خطبہ کے وقت لوگوں کو بات کرتے ہوئے یا کھڑے دیکھ کر خطیب خاموش رہنے کا یا بیٹھ جانے کا حکم ملتا ہے؟

(الجواب) خطیب بحالت خطبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے۔ ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبة الا ان یکون امر ابسعر وف کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱ باب الجمعة) فقط واللہ اعلم۔

خطبوں کے درمیان کا جلسہ:

(سوال ۱۲۳) جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے درمیان جلسہ نہ کرے تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) قصد اجلسہ نہ کرنا برا اور مکروہ ہے۔ والا صحیح اندہ یکون مسیئاً بترک الجلسة بین الخطبتین کذا فی القنیۃ (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱ طبع مصطفائی باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطیب عصا کس ہاتھ میں پکڑے؟

(سوال ۱۲۴) خطیب جمعہ و عیدین میں عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑے یا بائیں ہاتھ میں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) دونوں صورتیں جائز ہیں جس کو جو صورت موافق ہواں پر عمل کرے۔ اگر خطبہ ہاتھ میں نہ ہو تو عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑنا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر خطبہ ہو تو اس کو سیدھے ہاتھ میں لیوے۔ اور عصا کو بائیں ہاتھ میں لینا اولیٰ ہے۔ وفي الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الامام والسيف في يساره وهو متكئ عليه (مراقی الفلاح ص ۲۹۸ باب الجمعة بحر الرائق ص ۱۴۸ ج ۲)

وينبغي له ان ياخذ السيف او لعصا او غيرهما بيده اليمنى اذا نهى الناس ولا يتناول الطهارات انما يكون باليمين والمستقذرات بالشمال ولا حجة لمن قال انه ياخذه باليسار لكونه اليسر عليه في مناولته اذا اراد احد اغتياله لان هذا المعنى مما يختص بالا مراء الذين يتخابون على انفسهم الغيلة وهذا مامون في هذا الزمان في الغالب اذان الامام ليس له تعلق بالا مارة في الغالب حتى يغتاله احد (كتاب المدخل ص ۷۴ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

خطبہ کس زبان میں پڑھا جائے:

(سوال ۱۲۵) ہمارے یہاں خطبہ جمعہ میں عربی کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جاتا تھا مگر اس میں وقت زیادہ صرف ہونے سے لوگ اکتانے لگے تو امام نے اردو ترجمہ چھوڑ دیا۔ لیکن چند رضا خانی (بریلوی) حضرات اردو پڑھنے

کے لئے زور دے رہے ہیں تو اب امام کیا کرے فقط عربی خطبہ پڑھے یا اردو ترجمہ بھی شامل کرے؟ سنت کیا ہے، مدلل جواب دیا جائے۔

(الجواب) اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ کے تمام خطبات عربی میں ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں تشریف لے گئے وہاں کے باشندے انہیں صحابہ اور صحابہ کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان جدید الاسلام قوموں میں تعلیم، مسائل اور تبلیغ احکام کی شدید ضرورت تھی، اس زمانہ میں نہ اخبارات تھے نہ رسائل۔ نہ مطابع میں دینی کتابوں کی اشاعت ہوتی تھی و عظیم و تلقین اور درس و تدریس کے ذریعہ ہی احکام و مسائل کے تبلیغ ہوتی تھی۔ ان تمام ضرورتوں کے باوجود صحابہ کرامؓ حضرات تابعین اور تبع تابعین، حضرات محدثین۔ مجتہدین۔ فقہاء متقدمین و متاخرین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کے خطبے عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھے ہوں۔ یا اس کی ہدایت کی ہو۔ اب تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک اتفاقی بات تھی جو یوں ہی بے سوچے سمجھے بطور عادت یا بطور رسم و رواج ہوتی رہی، اور شرعی اصول و مصالح کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی یا ایک سوچا سمجھا طریقہ تھا اور خاص مصلحت تھی جس کی بنا پر قصداً ایسا کیا گیا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبے عربی میں پڑھے جاتے رہے اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جو عمل اس طرح سلف صالحین کے ہر دور اور ہر طبقہ میں پابندی کی ساتھ ہوتا رہا ہو۔ وہ واجب الاتباع ہوتا ہے اس کو اتفاقی یا رسم و رواج کی بات کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علماء نے زبان عربی کو بھی وہی حیثیت دی ہے جو خطبہ کے دوسرے اجزاء یعنی حمد۔ شہادتین آنحضرت ﷺ پر درود شریف اور خلفاء راشدین کے تذکرہ وغیرہ کو دی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چوں کہ خطبہ آنحضرت ﷺ و خلفاء و علم جراً ملاحظہ کر دیم نتیجہ آں وجود چند چیز است۔ حمد۔ شہادتین و صلوٰۃ بر آنحضرت ﷺ (الی ان قال) و عربی بودن۔ نیز بجهت عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آن کہ در بسیارے اقالیم مخاطبان عجمی بودند (مسوی مصنفی شرح موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۵۴ کتاب الجمعۃ) یعنی آنحضرت ﷺ حضرات خلفاء راشدین۔ صحابہ کرام۔ حضرات تابعین تبع تابعین رحمہم اللہ اور اسی طرح مجتہدین محدثین وغیرہم کے خطبوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ بات منقح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان خطبوں میں چند چیزیں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی حمد۔ شہادتین۔ آنحضرت ﷺ پر درود۔ حضرات خلفاء راشدین کا تذکرہ۔ اور ان خطبوں کا عربی زبان میں ہونا۔ عربی ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ بہت سے ممالک میں ان خطبوں کے مخاطب عجمی ہوتے تھے (جو عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن شرق و غرب تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کا مستمر) (مسلل اور دائمی) عمل یہی رہا کہ خطبہ عربی میں پڑھا گیا (ج ۱ ص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ ان خطبوں کے لئے عربی زبان صرف اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اس کو بھی خطبہ کے دوسرے اجزاء اور شرائط کی حیثیت دی گئی۔

(۲) اس کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عربی زبان کو ملت اسلامیہ کے لئے وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی حکومت کی سرکاری زبان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہمیت آج بھی باقی ہے اور جس طرح قرآن حکیم ملت اسلامیہ کا دستور اسی ہے اور ہر مسلمان کی حیات ملی کا رشتہ قرآن حکیم سے جڑا ہوا ہے، قرآن حکیم کی زبان سے بھی کم از کم اتنا تعلق

نسروں کی ہے کہ جمعہ اور عیدین جیسے ملی اور مذہبی اجتماعات کے خطبوں میں یہ زبان استعمال کی جائے۔

(۳) بنیادی بات یہ ہے کہ خود خطبہ کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ کیا وہ صرف وعظ و تقریر ہے یا نظر شریعت میں اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے روز چار رکعت کے بجائے صرف دو رکعتیں باقی رکھی گئیں۔ دو رکعت کی جگہ خطبہ سے پرکئی گئی ہے (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۷) (۱) یعنی خطبہ نماز کا درجہ رکھتا ہے۔ پس جس طرح خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ اسی طرح خطیب کے کلام کے لئے وہ زبان ہونی ضروری ہے جو نماز کی زبان ہے۔

(۴) قرآن حکیم نے خطبہ کو ”ذکر اللہ“ سے تعبیر فرمایا ہے فاسعوا الی ذکر اللہ (سورة الجمعة) قال الحافظ عماد الدین بن الکثیر فی تفسیرہ المراد من ذکر اللہ الخطبہ وقال السرخسی ولنا ان الخطبۃ ذکر۔ المبسوط ج ۲ ص ۲ باب صلوۃ الجمعہ) پس جس طرح تسمیہ۔ تعویذ۔ تسبیح۔ تحمید ثناء۔ التحیات وغیرہ ذکر اللہ ہیں اور بالاتفاق ان کے لئے عربی زبان استعمال ہوتی ہے۔ غیر عربی کا تصور بھی نہیں آتا۔ ایسے ہی خطبہ کے لئے بھی عربی زبان استعمال کرنی ہوگی۔

(۵) وقت کی پابندی کہ جمعہ کے وقت میں ہو۔ زوال سے پہلے نہ ہو۔ نماز جمعہ سے پہلے ہو۔ نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی۔ مخاطب مرد ہوں۔ صرف عورتیں ہوں تو خطبہ صحیح نہیں۔ مخاطب سن سکیں یا شور و غلبہ کے باعث یا اس بنا پر کہ سب بہرے ہوں نہ سن سکیں تب بھی خطبہ لا محالہ پڑھا جائے۔ یہ شرائط اور احکام بھی یہی واضح کرتے ہیں کہ خطبہ عبادت اور ذکر ہے اگر صرف وعظ اور لیکچر ہوتا یا وعظ ہونے کی شان غالب ہوتی تو اس طرح کے احکام اور شرائط نہ ہوتے۔ انہیں وجوہات اور اسی طرح کے تقاضوں کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ خطبہ جمعہ وعیدین عربی میں ہونا چاہئے۔ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فائدہ لا شک فی ان الخطبہ بغیر العربیۃ خلاف السنۃ التوارثۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین فیکون مکروہا تحریمًا۔ عمدۃ الرعاۃ شرح الو قایۃ ج ۱ ص ۴۲ صلوۃ الجمعہ یعنی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ اس سنت کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد سے متواتر اور مسلسل چلی آ رہی ہے۔ لہذا مکروہ تحریمی ہے۔

غیر حنفی فقیہ و محدث امام نووی شافعی رحمہ اللہ کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ یشتراط کونہا بالعربیۃ۔ یعنی خطبہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عربی میں ہو (شرح احیاء العلوم للزیبیدی ج ۳ ص ۳۲۶)

یہ بات کہ عربی خطبہ کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جائے تو پہلی قباحت تو یہ ہے کہ سنت متواترہ و متواترہ کے خلاف ہے، لہذا مکروہ ہے۔ نیز اس غیر دینی امر کو بھی لوگ دینی امر سمجھنے لگیں گے جو بدعت کی حقیقت ہے۔ اور ارشاد گرامی (من احدث فی امرنا هذا مالیس مہ فہورد او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) کے بموجب قابل رد اور ناقابل قبول ہے اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں خطبہ کی طوالت لازم آتی ہے یعنی دو چاند

(۱) وفي المصنوعات معزیا الى اعراد وهل تقوم الخطبة مقام الركعتين المختلف المشايخ عنهم من قال تقوم ولهذا لا يجوز الا بعد دخول الوقت الخ باب صلاة الجمعة

وقت صرف ہوگا۔ سنت یہ ہے کہ دونوں خطبے طوال مفصل کی ایک سورت (مثلاً سورۃ قاف یا سورۃ ملک) سے زیادہ نہ ہوں۔ وتکرہ زیادہ تھما علی قدر سورۃ من طوال المفصل (دومختار باب الجمعة ص ۷۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے طوالت خطبہ کو زمانہ فتنہ کی علامت اور ظالم حکمرانوں کا طریقہ بتایا ہے

یطيلون الخطبة ويقصرون الصلوة (موطا امام مالک ص ۶۱)

اس طرح عربی کی ساتھ ترجمہ بھی پڑھا جائے گا تو لامحالہ یہ طوالت لازم آئے گی جو مکروہ ہے۔ باقی رہی تعلیم و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کی ضرورت تو اس کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں ملتے ہیں مثلاً۔

(۱) حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے ممبر کے برابر کھڑے ہو کر احادیث بیان فرماتے تھے پھر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ ارشاد فرماتے تھے (ج ۱ ص ۱۰۸) اور (ج ۳ ص ۵۵)

(۲) حضرت ابوالضراریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بسرؓ جمعہ کے دن پہلے وعظ فرماتے تھے، جب خطیب خطبہ کے لئے تشریف لاتے تو وہ وعظ بند کرتے تھے (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۸۸)

(۳) حضرت تمیم داریؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے وعظ فرماتے تھے (مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۴۹ اقامة الحجۃ ص ۵. موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۱۲. اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ ج ۱ ص ۱۸۴)

آپ کے امام صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ اردو خطبہ کے رواج کو چھوڑ کر خالص عربی خطبہ کو رائج کیا۔ یہ گویا ایک سنت کا احیاء ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ مردہ سنت کو زندہ کرنے والا سو۱۰۰ شہیدوں کے ثواب کا حق دار ہے اور جنت میں حضور ﷺ کا ساتھی ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة) رضا خانی حضرات کو سزاوار نہیں کہ ایسے نیک کام میں آڑ بنیں اور جس سنت کو زندہ کیا گیا ہے اس کو (معاذ اللہ) دوبارہ دفنانے کی کوشش کریں۔ ان کے مسلم مذہبی رہنما (رضا خانی علماء) بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کو خلاف سنت متواترہ اور مکروہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ۔

(سوال) خطبہ جمعہ عربی یا ترجمہ اردو پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) خطبہ میں عربی کے سوا اور زبان ملانا مکروہ خلاف سنت ہے (فتاویٰ افریقی ص ۳۵ السنة الاثیقہ ص ۳۴ و ۳۵ احکام شریعت ج ۲ ص ۳۱)

دوسرا فتویٰ (۲) دونوں صورتیں خلاف سنت ہیں۔ غیر عربی کا خطبہ میں ملانا ترک سنت متواترہ ہے۔ (احکام شریعت ج ۲ ص ۹۷)

رضا خانی جماعت کے پیشوا مولوی ابوالاعلیٰ امجد علی صاحب کا فتویٰ بھی درج ذیل ہے:-

(۳) غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا (ملانا) خلاف سنت متواترہ

ہے۔ (بہار شریعت ج ۴ ص ۹۵) فقط واللہ اعلم۔

خطبہ پڑھنے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۶) ہمارے گاؤں میں امام خطبہ کے وقت داہنے بائیں منہ پھرتے ہیں اور خطاب کرتے ہیں جیسے واعظ دونوں جانب منہ پھیر کر بولتا ہے اور طرز بھی واعظ اور مقرر کی طرح ہے فقط ہاتھ نہیں ہلاتے تو کیا اس میں شرعاً کچھ حرج ہے؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ دیتے تو چشم مبارک سرخ ہو جاتی آواز بلند اور طرز کلام میں شدت آ جاتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی لشکر حملہ کرنے والا ہے اور آپ مخاطبین کو اس خطرہ عظیم سے آگاہ فرما رہے ہیں (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب الجمعة) پر جوش مقرروں کی طرح آپ ہاتھ تو نہیں پھیلاتے تھے البتہ سمجھانے یا آگاہ کرنے کے موقع پر انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔^(۱) لہذا اگر عالم خطیب حسب موقع حاضرین کو خطاب کرے اور ترغیبی مضمون کو ترغیب اور ترہیبی مضمون کو تنبیہ اور ترہیب کے انداز میں پڑھے تو جائز اور مسنون ہے لیکن دائیں بائیں رخ پھیرنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ”بدائع“ وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ کے وقت قبلہ پشت ہو کر اور لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے رہتے تھے (ج ۱ ص ۲۶۲) اس لئے علامہ ابن حجر وغیرہ محققین دائیں بائیں رخ کرنے کو بدعت کہتے ہیں (شامی ج ۱ ص ۷۵۹) ہاں رخ سامنے رکھ کر دائیں بائیں نظر کرنے میں حرج نہیں ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۷۵۹) (۲) نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ترغیب و ترہیب کے مضامین وہی شخص صحیح انداز میں ادا کر سکتا ہے جو معنی اور مضمون سے واقف ہو۔ ناواقف شخص ایسی غلطی کر سکتا ہے جو واقف کی نظر میں مضحکہ انگیز ہو۔ لہذا خطبہ میں جو بھی انداز اختیار کیا جائے وہ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ سے پہلے احکام دین کا بیان اور وعظ:

(سوال ۱۲۷) دور حاضر کے مسلمانوں کی حالت بہت نازل ہوتی جا رہی ہے احکام دین اور مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر لادینی کا زہر قاتل ایمان و عقائد کو تباہ برباد کر رہا ہے۔ دیہات کی حالت تو خدا کی پناہ مہینوں بلکہ سارا بھر وعظ سننا نصیب نہیں ہوتا، جمعہ کی دن نماز کے بعد لوگ ٹھہرتے نہیں اگر خطبہ سے پہلے دس۔ پندرہ منٹ احکام دین بیان کئے جائیں تو حاضرین بہت کچھ سیکھ سکیں گے لیکن بعض حضرات اس کو بدعت اور ناجائز سمجھتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنانے کی ممانعت وارد ہے اور بعض حضرات اس کو نقل نماز اور تلاوت وغیرہ میں خلل سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ لہذا مذکورہ عقیدہ کا حل فرمائیں۔

(الجواب) نمازی حضرات اگر رضا مند ہوں تو اذان ثانی (یعنی خطبہ کی اذان) سے پہلے ضروری مسائل اور دینی

(۱) عن عسارۃ بن زویبۃ أنه رأى بشر بن مروان على المنبر رفعاً يديه فقال قبح الله ما تبين انبياء لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يريد على ان يقول بيده هكذا وأشار باصبعه المسبحة رواه مسلم مشكوة باب الخطبة والصلاة ص ۱۲۳
(۲) ومنها ان يستقبل القوم بوجهه ويستدير القبلة لأن النبي صلى الله عليه وسلم هكذا خطب صلاة الجمعة
(۳) تنبيه ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عند الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة الثانية لهم من ذكره والظاهر انه بدعة ينبغي تركه لتلايتهم انه سنة ثم رأيت في المنهاج النووي قال ولا يلتفت يساراً وشمالاً في شئ منها قال ابن حجر في شرحه لأن ذلك بدعة ويؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنة ان يستقبل الناس بوجهه ويستدير القبلة لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخطب هكذا باب الجمعة)

احکام مختصر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے بلکہ مستحب ہے، صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے بدعت نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث بیان فرمایا کرتے تھے اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطابؓ الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ خطبہ فرماتے تھے۔ مستدرک حاکم ج ۸ ص ۱۱۰۸ اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ کے متعلق بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت تمیم داریؓ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے بیان فرمایا کرتے تھے (مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۴۹۔ اقامۃ الحجۃ ص ۵) بلاشبہ جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے لیکن وہ حکم ہر مجلس کے لئے نہیں اور نہ اس سے اس طرح کے بیان کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں مسائل اور احکام بیان کئے جائیں۔ حضرت امام غزالیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم ربانی انعامات اور نعمات ربانی بیان کرے اور دین خدا غلو ندی کی باتیں سمجھائے اور جامع مسجد میں صبح کے وقت (نماز جمعہ سے پہلے) وعظ کہے تو وہاں بیٹھے اور بنے۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جامع مسجد میں اول وقت پہنچ جائے گا اور دین کی باتیں بھی سن لے گا جو آخرت کے لئے کارآمد ہوں گی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایسے علم کا سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ علمی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۷۰ ترتیب درجات الاعتقاد)۔

مذکورہ بالا تفصیل اور عمل صحابہؓ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنے کی مطلق ممانعت نہیں ہے بلکہ ایسا حلقہ منع ہے جس میں قصے کہانیاں اور دنیا کی باتیں ہوں یا جس سے خطبہ اور نماز کے اہتمام واجتماع اور خطبہ سننے کے شوق و ذوق میں خلل پڑتا ہو۔ لیکن ایسا مختصر بیان جس میں مسائل اور احکام یا فضائل اعمال بیان کئے جائیں نہ خلاف سنت ہے نہ ممنوع۔ علامہ زبیدی (شرح احیاء العلوم) جمعہ کے دن قبل الزوال دینی مجلس کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ سامعین کے احوال کی تبدیلی سے وقت میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔ علامہ موصوف نے ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے حضرت سائبؓ حضرت عبداللہ بن بسرؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ قبل الجمعہ دینی مجالس کو جائز فرماتے تھے (شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۷۷) (ترتیب درجات الاعتقاد)۔

بہر حال خطبہ سے پہلے بیان کرنا بدعت حرج کے جائز ہے مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کبھی کبھی ترک بھی کرنا پڑتا ہے، تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ بیان مختصر ہو۔ اور ایسے وقت ختم کر دیا جائے کہ خطبہ کی اذان (ممبری اذان) سے پہلے چار سنتیں پڑھی جاسکیں۔ پھر خطبہ جمعہ بھی مختصر ہونا چاہئے تاکہ لوگ اکتانہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ خطیب اور مقرر دونوں الگ ہوں۔ جو حضرات خطبہ سے پہلے نوافل تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں ان کو اس تجویز اور طریقہ سے مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ دینی احکام جاننے اور سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فقہ کی مجلس میں شامل ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ تم کسی جگہ جا کر ایک دینی مسئلہ (پھر اس پر عمل ہو سکے یا نہ ہو سکے) یہ تمہارے لئے ایک ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ) (مطلب یہ ہے کہ یہ سیکھنا خود اتنی بڑی عبادت ہے) حضرت ابوذرؓ ہی سے یہ بھی

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علم دین کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعات نفل، ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزار جنازوں کی شرکت کے ثواب سے افضل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ تلاوت قرآن سے بھی۔ فرمایا۔ قرآن علم کے بغیر کب مفید ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں دین کی باتیں سیکھنا سکھانا تمام رات کی عبادت سے افضل ہے (مشکوٰۃ ص ۳۶ کتاب العلم) فتاویٰ سراجیہ میں حدیث بیان کی گئی ہے کہ دین کی باتیں سیکھنے میں ایک دن گزارنا خدا کے نزدیک دس ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے ویوم فی طلب العلم افضل عند اللہ تعالیٰ من عبادۃ عشرة الاف سنة (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ علم میں تدبر و تفکر کرنا پانچ ہزار مرتبہ ”قل ھو اللہ احد“ پڑھنے سے بہتر ہے۔ وعن ابن مقاتل النظر فی العلم افضل من قرأۃ قل ھو اللہ احد خمسۃ الاف مرۃ۔ کذا فی التارخانیۃ۔ اگر یہ طریقہ جاری ہو جائے تو ان کی بھی تشفی ہو سکتی ہے جو اردو میں خطبہ کا مطالبہ کرتے ہیں یا عربی کے بیچ میں اردو کا خطبہ یا نظم وغیرہ پڑھتے ہیں جو لامحالہ بدعت اور مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کی بابت مزید وضاحت:

(سوال ۱۲۸) یہاں دیا اور اضلع بھڑوچ میں مولوی لکھنوی صاحب سے خطبہ کی بابت سوال کیا گیا اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ ارسال خدمت ہے آیا یہ جواب صحیح ہے؟ یہاں اس بارے میں کافی اختلاف ہو رہا ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں خطبہ عربی اور اردو دونوں خطبوں کے بیچ میں پڑھا جاتا تھا اب ہمارے یہاں عربی پڑھا جاتا ہے تو سامعین کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو خطبہ کے درمیان میں اردو پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا جواب معتبر کتابوں کے حوالہ سے دیں؟

(الجواب) عربی خطبہ کے درمیان اردو وغیرہ سامعین کی زبان میں پڑھنا امام اعظم صاحب کے نزدیک درست ہے دیکھو نور الایضاح میں امام اعظم ضروری فرماتے ہیں کہ سامعین کی زبان میں ہو خطبہ مثل وعظ ہے خلاف سنت ہے مگر جائز ہے اور امامان میں احکام بتانا ضروری سمجھا گیا ہے لہذا اردو میں پڑھنا چاہئے۔ احقر العباد سید محمد عزیز حسن عفی عنہ۔

(الجواب) خطبہ جمعہ درحقیقت ذکر اللہ اور عبادت ہے اور عبادت مذہبی اور سرکاری زبان میں ہونا ضروری ہے اور ہماری سرکاری اور مذہبی زبان عربی ہے لہذا خطبہ عربی زبان میں ہونا چاہئے۔ خطبہ ذکر اللہ اور عبادت ہے اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے فاسعوا الی ذکر اللہ (سورۃ جمعہ) اور تفسیر ابن کثیرؒ ہے فان المراد من ذکر اللہ الخطبۃ یعنی آیت کریمہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور فقہا فرماتے ہیں کہ ولنا ان الخطبۃ ذکر (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ باب صلاۃ الجمعۃ) یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور بہت سے فقہانے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ

خطبہ جمعہ ظہر کی دو رکعت کا عوض ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۷ باب صلاۃ الجمعۃ تحت قوله والخطبۃ قبلہا) اور امام نوویؒ نے ”کتاب الاذکار“ میں تحریر فرمایا کہ ویشتراط کونہا بالعربیۃ یعنی خطبہ عربی میں ہونا ضروری ہے (شرح احیاء العلوم زبیدی ج ۳ ص ۳۲۶) اسی بنا پر صحابہ کرامؓ ایران، روم، حبش وغیرہ ممالک میں وہاں کی

زبان جاننے کے باوجود خطبہ عربی میں پڑھتے رہے وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا کثرت سے نو مسلم تھے اور وہ لوگ دور حاضر کے لوگوں کی بہ نسبت تعلیم و تبلیغ کے زیادہ حاجت مند تھے، کیونکہ اس زمانہ میں نہ اخبارات و رسائل تھے نہ مطابع اور چاپے خانے تھے۔ نشر و اشاعت کا طریقہ وعظ اور خطبہ ہی تھا اس کے باوجود سامعین کی زبان میں ایک بار بھی خطبہ نہیں پڑھا گیا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمان ہمیشہ عربی میں خطبہ پڑھتے رہے ہیں باوجود یہ کہ سامعین عجمی ہوتے تھے جو عربی زبان نہیں جانتے تھے (مسئفی شرح موطا ج ۱ ص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ قرآن حکیم کی زبان آنحضرت ﷺ اور اہل جنت کی مبارک زبان کو چھوڑ کر اردو میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ اردو کو خلط کرنا (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) سنت رسول اللہ ﷺ طریقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، مجتہدین محدثین اور فقہاء متقدمین و متاخرین کے مسلسل اور متفقہ طریق عمل (سنت متوارثہ) کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی اور بدعت ضالہ ہے، عمدة الرعاية فی حل شرح الوقایہ میں ہے۔ فانہ لا شک فی ان الخطبة بغير العربية علی خلاف السنة المتوارثہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة فيكون مکروہاً تحریماً۔ یعنی بلاشبہ خطبہ غیر عربی زبان میں پڑھنا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی سنت کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی ہے (ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب الجمعۃ)

رفع اشتباہ:

اردو میں خطبہ کا سوال عموماً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خطبہ کو وعظ اور تقریر سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے اگر خطبہ محض وعظ اور تقریر ہوتا تو اس کے لئے وہ شرطیں نہ ہوتیں جو حضرات فقہانے تحریر فرمائی ہیں مثلاً:-
(۱) خطبہ جمعہ جمعہ کے وقت میں یعنی بعد الزوال ہونا ضروری ہے اگر قبل الزوال خطبہ پڑھا گیا تو وہ غیر معتبر ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہوگا اگر خطبہ صرف وعظ و نصیحت ہوتا تو وہ زوال سے پہلے بلکہ خاص زوال کے وقت بھی جائز ہوتا اس کے اعادہ کا حکم نہ دیا جاتا۔

(۲) خطبہ نماز جمعہ سے قبل پڑھنا شرط ہے اگر نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو صلوٰۃ جمعہ ادا نہ ہوگی مع خطبہ دوبارہ پڑھنی ضروری ہوگی۔ اگر خطبہ سے مقصد صرف وعظ ہوتا تو وہ بعد الصلوٰۃ پڑھنے سے بھی پورا ہو سکتا تھا۔
(۳) خطبہ کے وقت حضور رجال ضروری ہے اگر فقط عورتوں کے سامنے خطبہ پڑھا گیا تو وہ نا کافی ہوگا مردوں کے آنے کے بعد خطبہ دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔

(۴) شور و شغب یا کسی اور وجہ سے سامعین سن نہ سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائے گا اور وہ خطبہ معتبر ہوگا۔
(۵) اگر حاضرین کبھی بہرے ہوں یا سب سو رہے ہوں تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے اگر اس حال میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔

(۶) خطبہ کے وقت سامعین سب علماء و فضلاء ہوں کوئی بھی جاہل نہ ہو تب بھی خطبہ پڑھا جائے ورنہ صلوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ اگر خطبہ کا اصلی مقصد صرف وعظ و نصیحت ہی ہوتا تو حضرات علماء کے سامنے اس کی ضرورت نہیں تھی

نماز بغیر خطبہ کے درست ہو جاتی۔ اس طرح کے احکام اور شرائط سے یہی معلوم ہوا کہ خطبہ کی اصل حقیقت ذکر اللہ ہے۔ البتہ درجہ ثانیہ میں اس کا مقصد وعظ و تذکیر بھی ہے، لہذا تکبیر تحریمہ، ثناء، تعوذ، تسمیہ، تحمید، تسبیح، تشہید، درود، دعا اور دعا، قنوت کے مانند خطبہ بھی عربی میں پڑھنا چاہئے اگر خطبہ عربی سمجھ میں نہیں آتا تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے؟

قراءت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ تو کیا ان تمام کو اردو کا جامہ پہنایا جائے؟ اس مرض کا اصل علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں۔ عبادت کی صورت مسخ کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ عربی زبان میں خطبہ کی ایک اہم مصلحت اسلامی اتحاد کی حفاظت بھی ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی گوشہ میں پہنچ جائے اس کو دوسری عبادات کے مثل خطبہ میں بھی یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اجنبی اور غریب الوطن ہے۔ اگر ہر جگہ وہاں کی مادری اور ملکی زبان میں خطبہ پڑھا جائے گا تو ایک مسلمان کو دوسرے ملک میں عبادات کے سلسلہ میں بھی غربت و اجنبیت محسوس ہوگی وہ نہ وہاں خطبہ پڑھ سکے گا نہ اس کو سمجھ سکے گا اور اس طرح اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔ عربی کے ساتھ اردو ترجمہ کرنا بھی مفید نہیں ہے کیونکہ سامعین میں مختلف ممالک کے لوگ موجود ہوتے ہیں کس کی زبان میں ترجمہ کیا جائے گا؟ نیز اس طرح اردو ترجمہ کرنے میں طوالت ہوتی ہے اور خطبہ میں اس طرح طوالت خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ نور الايضاح میں ہے ویکوہ التویل یعنی خطبہ میں طوالت مکروہ ہے (ص ۱۲۵ کتاب الجمعۃ)

حضرت امام اعظمؒ سے جو روایت ہے کہ وہ غیر عربی میں خطبہ جائز قرار دیتے ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کوئی غیر عربی میں خطبہ پڑھ لے تو صحت جمعہ کے لئے جو شرط ہے وہ پوری ہو جائے گی اور نماز صحیح ہو جائے گی لیکن ترک سنت کی وجہ سے کراہت لازم آئے گی اس کا مطلب یہ سمجھنا کہ امام اعظمؒ نے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا حکم دیا ہے قطعاً غلط ہے۔ یہ بات ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔

(۱) خطبہ طہارت میں پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بلا وضو بلکہ بلا غسل کے خطبہ پڑھے گا تو شرط خطبہ پوری ہو جائے گی مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۲) لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی شخص لوگوں کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھے تو شرط خطبہ پوری ہو جائے گی لیکن خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۳) خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھے تو خطبہ ہو جائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۴) خطبہ کم از کم مقدار تشہید پڑھا جائے اگر بہ نیت خطبہ فقط الحمد للہ کہہ کر بیٹھ گیا تب بھی امام اعظمؒ کے نزدیک خطبہ ہو جائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ۔

(۵) پورا لباس پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اگر کوئی شخص ناف سے گھٹنے تک لنگی یا ازار پہن کر نماز پڑھے تو ستر عبورت کی شرط پوری ہو جائے گی نماز درست ہو جائے گی مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی۔

مختصر یہ کہ یہ ایک قانونی بات ہے کہ ان صورتوں میں چونکہ شرط پوری ہوگئی تو خطبہ اور نماز کا فرض ساقط

ہو جائے گا لیکن اس کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ معاذ اللہ امام صاحب نے حکم دیا ہے کہ بلا وضو یا حالت جنابت میں حاضرین کی طرف پشت کر کے یا کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر صرف ”الحمد للہ“ کی حد تک خطبہ پڑھا جائے۔ امام صاحب کی طرف ایسی بات منسوب کرنا سراسر بہتان اور امام صاحب کے تفقہ کی توہین ہے۔

خطبہ میں بدعت سے اجتناب:

مجالس الابرار میں ہے کہ عبادت میں بدعت کا درجہ اگرچہ اعتقادی بدعت کے درجہ سے کم ہے مگر اس کو عمل میں لانا معصیت اور ضلالت ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ سنت موکدہ کے خلاف ہو (مجلس ۱۸ ص ۱۲۵) حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ مکروہ کو مستحسن (مستحب) سمجھنا بڑا بھاری گناہ ہے (مکتوب - ۲۸۸ ج ۱)

حضرات صحابہ کرامؓ اور بزرگان سلف کا مقدس ذوق کسی بھی خلاف سنت عمل کو برداشت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ کام بظاہر بہت ہی معمولی ہوتا انتہائی کہ حضرت عمارہ ابن رویہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو بد دعا دے دی کہ اللہ ان دونوں کوتاہ (چھوٹے حقیر) ہاتھوں کو خراب کرے کہ خطبہ میں ہم نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۷ باب ماجاء کربھیۃ الایدی علی المنبر) ایک مرتبہ حضرت کعب بن جراحؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت عبدالرحمن بن ام حکم کو بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ دیکھو اس خبیث کو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے (رسائل الارکان ص ۱۱۶ فصل فی الجمعۃ)

تفسیر عزیزی میں ہے کہ من تھاون بالنسۃ عقب بحرمان الفرائض یعنی جس نے سنت کو ہلکا سمجھا اور اس کے ادا کرنے میں سستی کی تو اس کو فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، یعنی اس سے فرائض چھوٹنے لگیں گے اور انجام کار کپاہر کا مرتکب ہوگا (تفسیر عزیزی - ص ۲۳۲ سورہ بقرہ) مطلب یہ ہے کہ کسی سنت کی ادائیگی میں سستی وہ مرض ہے جو متعدی ہو کر فرائض تک پہنچ جاتا ہے اور ترک سنت اگرچہ غیرہ تھا لیکن انجام کار وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کی حقیقی اتباع کی جائے آپ ﷺ کی سنتوں کو ادا کیا جائے اور بدعات نامرضیہ سے یکسر دور رہا جائے اگر کوئی بدعت صحیح صادق کی طرح روشن نظر آئے تو وہ فریب نظر ہے کیونکہ درحقیقت بدعت میں کوئی نورانیت نہیں ہوتی نہ اس میں کسی مرض کی دوا ہے نہ کسی مریض کے لئے اس میں شفا ہے (مکتوب نمبر ۱۹ ج ۲ ص ۳۲) سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ حقیقی محبت کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ ہو وہ سنت کے مطابق ہو ورنہ کم از کم آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا کسی بھی فعل کے خلاف نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کا مخالف عاشق رسول نہیں بلکہ دشمن رسول ہے (معاذ اللہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھ سے قبل کوئی نبی نہیں بھیجا کہ جس کے لئے اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل نہ کرتے ہوں اور اس کی اتباع نہ کرتے ہوں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور ایسے افعال کے مرتکب ہوئے کہ جن کا حکم ان کو شریعت میں نہیں دیا گیا ایسے لوگوں کے ساتھ جو شخص اپنے ہاتھوں سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس درجہ کے بعد کسی میں رائی کے دانہ کے برابر

بھی ایمان نہیں۔ (ازالۃ الخفا، عمدۃ المطابع، مکتبہ مطبع صدیقی ص ۱۳۹)

خطبہ عمید سننے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۹) نماز عمید سے فارغ ہونے کے بعد لوگ آگے پیچھے ہو جاتے ہیں، خطبہ کے وقت صفیں درست نہیں رہتیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ خطبہ سننے کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں؟
(الجواب) نماز عمید کے خطبہ کے وقت صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہتر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ (بلوغ المرام ص ۵۵)

خطبہ کے وقت تقریر سننا افضل ہے یا تلاوت قرآن:

(سوال ۱۳۰) خطبہ جمعہ سے پہلے مختصر بیان ہوتا ہے یہ سننا بہتر ہے یا تلاوت کلام پاک بہتر ہے؟
(الجواب) قرآن کی تفسیر اور مطلب سے ناواقف عوام کے لئے بیان سننا اور دینی احکامات سے واقف ہونا بہتر ہے۔ تلاوت تو بعد میں بھی کی جا سکتی ہے۔ قال فی الدر المختار عظة وقرآن فاستماع العظة اولی (قوله فاستماع العظة اولی) الظاهر ان هذا خاص بمن لا قدرة له على فهم الآيات القرآنية والتدبر فی معانيها الشرعية والا تعاط بمواعظها الحكيمة اذ لا شك ان من له قدرة على ذلك يكون استماعه اولی بل اوجب بخلاف الجاهل فانه يفهم من المعلم والواعظ ما لا يفهم من القارى فكان ذلك انفع له (در مختار مع الشامی قبیل، باب الوقوف والنوافل ص ۲۲۰ ج ۱) واللہ اعلم بالصواب۔

اذان خطبہ کے جواب دینے کا حکم:

(سوال ۱۳۱) جمعہ کے خطبہ سے پہلے منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بیذا تو جروا۔
(جواب ہو الموفق للصواب) یہ مسئلہ ہمیشہ علمائے کرام کے درمیان مختلف فیہ اور حرکت الارا رہا ہے۔ بعض کے نزدیک بوجہ حدیث اذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام۔ (ہدایہ ص ۱۵۱ ج ۱ کتاب الجمعة) اجابت اذان خطبہ ممنوع و مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک حدیث اذا سمعتم النداء فقولوا امثل ما يقول المؤذن کے بموجب میں اذان خطبہ کا جواب دینا بھی داخل ہے۔ یعنی یہ حضرات جواب دینے کے قائل ہیں۔ (بخاری شریف ص ۸۶ ج ۱۔ جزء ۳)
اور حدیث معاویہؓ اس کی تائید ہے۔ عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف قال سمعت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وهو جالس على المنبر اذن المؤذن فقال الله اكبر الله اكبر فقال معاویہ بن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال معاویہ وانا فلما ان قصی التاذین قال يا ايها الناس انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ما سمعتم منى عن مقالتي۔ یعنی حضرت معاویہؓ نے منبر پر اذان خطبہ کا جو دیا اور اخیر میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح جواب

دیتے ہوئے میں نے خود سنا ہے۔ (صحیح بخاری شریف ص ۱۲۵ باب يجب الامام على المنبر اذا سمع النداء ج ۱ جز ۴)

حدیث معاویہؓ کی وجہ سے اجابت اذان خطبہ کی اجازت کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ فلا تکرہ اجابة الاذان الذي يؤذن بين يدي الخطيب وقد ثبت ذلك من فعل معاوية في صحيح البخاري (عمدة الراية ص ۲۴۳ ج ۱ کتاب الجمعة)

وقد ثبت في صحيح البخاري ان معاوية رضي الله عنه اجاب الاذان وهو على المنبر وقال يا ايها الناس اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول مثل ما سمعتم مني مقالتي فاذا ثبت الاجابة عن صاحب الشرع وصاحبه فما معنى الكراهة ۱۲ (التعليق الممجد على موطا محمد رحمه الله ص ۱۰۷) قلت قد ثبت اجابة الثاني عن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم ومعاوية رضي الله عنه على ما اخرج به البخاري فاين الكراهة (نفع المفتي والسائل ص ۱۰۳)

آخر میں فقیہ وقت مفتی اعظم ہند حضرت العلام المفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ کا موقع فیصلہ بھی سن لیجئے۔
”تاہم متاخرین حنفیہ نے بوجہ حدیث معاویہؓ اجابت اذان منبری کی اجازت دی ہے۔ لیکن نماز شروع کرنے کی بالاتفاق بین الائمہ اجازت نہیں ہے۔ اور خاکستار کے خیال میں اجابت اذان منبری کے علاوہ دیگر اذکار سے انصاف اولیٰ و اقدم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ثم کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی) (ازالۃ الایہام عن مسائل الاحکام از افادات علامہ سید قاضی رحمت اللہ۔ محدث راندیری رحمہ اللہ ص ۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت خطبہ عصا لینا:

(سوال ۱۳۲) عید و جمعہ میں بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ”منقول نہیں“ لہذا اس کی تفصیل فرمادیں۔

(الجواب) بوقت خطبہ عصا وغیرہ کا سہارا لینا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے۔ فندام متو کنا علی عصا او قوس (جلد اول۔ باب الرجل یخطب علی قوس ص ۱۵۶)

مدارج النبوة میں ہے، ودر خواندن خطبہ تکیہ بر کمان یا عصا کر دے (باب دہم در انواع عبادات خاص ۳۹۳) یعنی آپ ﷺ خطبہ دیتے وقت کمان یا عصا (لاٹھی) کا سہارا لیتے تھے۔

سفر السعادة میں ہے مسجد نبوی میں منبر بننے سے قبل بوقت خطبہ عصا یا کمان کے ذریعہ سہارا لینا آپ ﷺ سے ثابت ہے لیکن قیام منبر کے بعد بھی آنحضرت ﷺ عصا وغیرہ کا سہارا لیتے یا نہیں اس کی تصریح نہیں۔

دشمشیر و نیزہ بدست نگر فتنے بلکہ اعتماد بر کمائی یا عصائے کردے بود کہ منبر ساخت اما بعد از اتخاذ منبر محفوظ نیست کہ بر چیزے اعتماد کردنی عصا دنی کمان و نہ غیر آں (شرح سفر السعادة فصل در خطبہ نبویہ ﷺ ۲۰۹)

شاید اسی لئے بعض علماء عصا لینے کو مکروہ تحریر فرماتے ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ سفر السعادة

کے شارح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں، صحیح آنست کہ مکروہ نیست از جهت ورود سنت، یعنی اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو شرح سفر السعادة ص ۲۰۳، مدارج النبوة ج ۱/ ص ۳۹۴

زاد المعاد میں ہے وکان اذا قام بخطب اخذ عصا فتوكأ عليها وهو على المنبر (ن ۱ ص ۲۸) یعنی آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے جب کھڑے ہوتے اس وقت عصا کا سہارا لیتے، درآنحالیکہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

شامی میں ہے ان اخذ العصاء سنة كالقيام بے شك عصا كاليناقيام (کھڑے ہونے) کی طرح سنت ہے (شامی ج ۲ ص ۷۷۲ باب الجمعة) ایسے ہی المدخل میں ہے وينبغي له ان يأخذ السيف او العصا او غيرهما بيده اليمنى اذانها سنة (المدخل جلد دوم، فصل في صعود الامام على المنبر ص ۲۶۷) بہشتی گوہر میں ذکر کردہ مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی سے استفسار کیا گیا تو جواب فرمایا کہ وہ روایت مرجوح ہے محیط کی روایت (یعنی سنت والی روایت) رائج ہے جو شامی میں ذکر کی گئی ہے اور فرمایا کہ فی نفسہ سنت ہے، غیر مؤکدہ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے (امداد الفتاویٰ جدید جلد اول عصا گرفتن بوقت خطبہ ص ۶۸۱-۶۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ بوقت خطبہ عصا کا سہارا لینا مسنون و مستحب ہے حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر عمل متروک نہیں ہوا البتہ اس پر مداومت بھی ثابت نہیں اس لئے گا ہے گا ہے عصا کے بغیر خطبہ دے دیا کرے۔ تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھیں، مستحب پر عمل ضروری سمجھنا اور اس پر مداومت، عصا نہ لینے والے کو برا بھلا کہنا و ملامت کرنا مکروہ ہے، البتہ جو خطیب ایسا کمزور ہو کہ عصا کا سہارا لئے بغیر کھڑے رہنا مشکل ہو تو اس عذر کے پیش نظر اس کے حق میں مکروہ بھی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید و جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا:

(سوال ۱۳۳) جمعہ و عید کے دوسرے خطبہ میں بوقت دعائے خطیب حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اس وقت ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منوع ہے وما يفعلہ المؤمنون حال الخطبة من الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والترضی من الصحابة والدعاء للسلطان بالنصر ینہی ان یکون مکروہا اتفاقا (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۸۰ باب الجمعة)

اس مسئلہ میں دیوبندی اور رضا خانی کا اختلاف بھی نہیں ہے، رضا خانی مولوی امجد علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خطیب مسلمانوں کے لئے دعا کریں تو سامعین کا ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے کہیں گے تو گنہگار ہوں گے (بہار شریعت ج ۳ ص ۱۰۰) واللہ اعلم۔

خطبہ جمعہ میں پڑھی جانے والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ، رضی اللہ عنہ کا اضافہ:

(سوال ۱۳۴) جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں حدیث شریف آتی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابو بکر... الخ خطبہ میں خطیب اس حدیث کے پڑھنے کے وقت حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کا جب نام آتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ کہتے ہیں، ایک عالم کا کہنا ہے کہ صرف ابو بکرؓ کہنا چاہئے رضی اللہ عنہ نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا تو رضی اللہ عنہ نہیں فرمایا تھا، رضی اللہ عنہ کہنا حدیث میں اضافہ کرنا ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں صحیح کیا ہے؟ رضی اللہ عنہ کہنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ ومسلم۔ جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ سب حضرات کا نام لے کر آخر میں رضی اللہ عنہم اجمعین یا رضوان اللہ علیہم اجمعین کہنے کا جو طریقہ جاری ہے وہ بلا تامل جائز ہے اور یہی ادب ہے، صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے اسے حدیث میں اضافہ نہیں کہا جاسکتا۔

درمختار میں ہے (ویستحب التراضی للصحابة) وكذا من اختلف فی نبوته كذی القونین ولقمان وقيل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی . ردالمحتار میں ہے۔ (قوله ویستحب التراضی للصحابة) لانهم كانوا یبالغون فی طلب الرضی من اللہ تعالیٰ ویجتهدون فی فعل ما یرضیہ ویرضون بما یلحقهم من الا ابتداء من جهته اشدا لرضی فهو لاء احق بالرضی وغیرهم لا یلحق ادناهم ولو انفق مل الارض ذہبا ذہبی (درمختار ورد المحتار ص ۶۵۹ ج ۵، مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطبہ جمعہ سے پہلے امام کا منبر پر چڑھ کر اردو ترجمہ سنانا کیسا ہے:

(سوال ۱۳۵) خطبہ جمعہ سے پہلے امام صاحب منبر پر چڑھ کر اردو میں ترجمہ سناتے ہیں، پھر اذان ثانی ہوتی ہے پھر عربی میں خطبہ سناتے ہیں، تو اردو میں ترجمہ سنانا بدعت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامد اومصلیٰ ومسلم۔ جمعہ کے روز اذان ثانی سے پہلے ضروری احکام یا خطبہ کا ترجمہ مختصر طور پر بیان کر دینے میں مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے، بیان منبر پر نہ ہو اور بیان کرنے والا غیر خطیب ہو تو بہتر ہے تاکہ اشتباہ نہ ہو اور بیان اور اذان ثانی کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ہوتا کہ جن لوگوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہیں وہ سنت ادا کر سکیں ولا یقعہ الی القصاص فی یوم الجمعة فقد کرہ فانہ روى فی الخبر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن التحلق یوم الجمعة قبل الصلوة الا ان یكون عالما باللہ یدکر بامر اللہ یتفقہ فی دین اللہ یتکلم فی الجامع بالغداة فیجلس الیہ فیکون جامعاً بین البکور الی الجمعة والاستماع الی العلم (نصاب الاحساب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

عید کی نماز دوسری مرتبہ پڑھنا:

(سوال ۱۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عید گاہ میں چند لوگ عید کی نماز پڑھنے سے رہ گئے تو وہ لوگ عید گاہ میں عید کی نماز مگر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور جگہ پڑھیں؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) عید گاہ اور عید گاہ کے باہر بھی جگہ نہ ہو اور لوگ نماز ادا کرنے سے رہ جائیں تو باقی ماندہ لوگ ایسی مسجد میں جہاں نماز عید نہ پڑھی گئی ہو، دو گانہ عید ادا کریں اگر ایسی جگہ نہ ہو تو ہاں میں پڑھیں مگر وہاں سب کو نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے عید گاہ میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے اور دوسری جماعت میں دوسرا امام ہونا ضروری ہے، جس نے پہلی مرتبہ نماز ادا کر لی ہے وہ امام نہیں بن سکتا۔^(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھیل کود کے میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں؟:

(سوال ۱۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں عیدین کی نماز کے لئے کوئی خاص جگہ بستی سے باہر عید گاہ کی طور پر بنی ہوئی نہیں ہے، بلکہ ایک کھلا میدان ہے جہاں کھیل کھیلے جاتے ہیں، ہمارے گاؤں کے باشندے کئی سالوں سے اسی میدان میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، ہماری پرانی مسجد مصلیوں کے اعتبار سے بہت چھوٹی تھی، اب اللہ کے فضل سے ایک نہایت وسیع اور عالی شان مسجد بن گئی ہے، آرام و راحت کا بھی انتظام ہے، مذکورہ بالا میدان اس نئی مسجد سے قریب ہی آبادی کے اندر ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے سنت طریقہ کیا ہے؟ آیا اس نئی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنا بہتر ہے یا مسجد چھوڑ کر اس میدان میں نماز ادا کرنا سنت و افضل ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عید گاہ آبادی سے دور باہر جنگل میں ہونی چاہئے۔ ثم خروجه ما شيا الى الجبانة وهي المصلی العام (در مختار) هو الذی یكون فی الصحراء افاده فی البحر (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۰) (شامی باب العیدین) ج ۱ ص ۷۷۶ جامع مسجد وسیع اور نمازیوں کے لئے کافی ہو تب بھی عید گاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔ وفي التجسس والخروج الى الجبانة سنة لصلوة العيد وان كان يسعهم المسجد الجامع عند عامة المشايخ هو الصحيح ۱۵ وفي المغرب الجبانة المصلی العام فی الصحراء الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین)

آپ کے یہاں کی جامع مسجد بڑی شان دار ہے لیکن مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف الصلوات والتسلیمات) سے تو زیادہ شاندار اور بابرکت نہیں ہو سکتی جہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، اسے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عیدین کی نماز کے لئے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لہذا آبادی سے باہر عید گاہ کا انتظام ضروری ہے، جس میدان کا سوال میں ذکر ہے وہ بھی آبادی کے اندر ہے اور وہاں کھیل تماشے کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک عید گاہ کا

(۱) والا امام لو صلاها مع الجماعة وفات بعض الناس لا تقضيها من فاتته خرج الوقت او لم يخرج هكذا فی التبيين فتاوی عالمگیری صلاة العیدین ج ۱ ص ۱۵۲۔

انتظام نہ ہو مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں اور عید گاہ بنانے کی فکر میں رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں پر عید کی نماز ہے یا نہیں؟ اور وہ عید گاہ جائیں یا نہیں؟:

(سوال ۱۳۸) عورتوں پر عیدین یا جمعہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ گھر میں پڑھ لیں تو ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یا انہیں پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے؟ اور اسی طرح انہیں عید کی نماز کے لئے عید گاہ جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمادیں فقط بینواتوجروا (از ایک خاتون بمبئی)

(الجواب) نماز جمعہ و عیدین عورتوں پر واجب نہیں، فقہ کی معتبر کتاب مالا بدمنہ میں ہے، نماز جمعہ بر طفل و بندہ و زن و مسافر و مریض واجب نیست صفحہ ۵۵۔ نماز عید را شرط واجب و ادا مثل نماز جمعہ است صفحہ ۵۵۔ یعنی جمعہ اور عید کی نماز بچہ، غلام، عورت، مسافر اور مریض پر واجب نہیں ہے، نیز عید کی نماز بلا جماعت تنہا تنہا پڑھنا بھی درست نہیں ہے، جماعت شرط ہے (جس طرح جمعہ میں) اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ جماعت زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہ مکروہ است (مالا بدمنہ ص ۳۵)۔ عید گاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہو جانے کے بعد عورتیں اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکر یہ نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا عورتوں کے لئے بھی ممنوع اور مکروہ ہے۔ فقط۔

تفصیلی جواب:

عورتوں کے لئے جہاں تک ممکن ہو مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ اور اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجر تھا و صلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے (مسند الفردوس)

بے شک آنحضور ﷺ کے دور مبارک میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی، کیونکہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ موجود تھے، تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، نئے نئے احکامات نازل ہو رہے تھے، وہ دور مقدس تھا، جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے، بعد میں تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا، ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی تائید کی اور فرمایا کہ اگر آنحضور ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمرؓ نے دیکھی ہے تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان عائشہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعه (وفی نسخة منعت) نساء بنی اسرائیل الخ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۹۱ ماجاء فی خروج النساء الی المسجد)

شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان حضور اکرم ﷺ

کی وفات کے کچھ ہی عرصہ کے بعد کا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔ واما اليوم فنعود بالله من ذلك. لیکن اس زمانہ (یعنی ۸۵۵ھ) کا حال تو خدا کی پناہ! (عمدة القاری شرح بخاری بحوالہ کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۹۲)۔

مذکورہ حال تو نویں صدی ہجری کا ہے، اب تو چودھویں صدی ہجری ہے تقریباً پانچ سو سال ہو چکے ہیں، ہمارے زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور فتنہ کا کیا کہنا۔ کیا اس زمانہ میں جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! حضرات فقہاء، کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے، خواہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے جائیں یا جمعہ اور عید کی نماز کے لئے جائیں یا مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے ویکرہ حضور ہن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلای علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۹ باب الامامة)

رسائل الارکان میں ہے۔ وهذا التجویز انما كان بحسب زمانهم واما الان فالفتنة لا اختلاط النساء والرجال غالبية لفساد واهل الزمان الى قوله وما ظنك بهذا الزمان الذي هو زمان الفتنة فهذا الزمان احرى لسقوط الجماعة عنهن فهذا الزمان احرى بالمنع عن الخروج الى الجماعات لان الجماعة غير لا زمة عليهن بالنص والتحوز عن الفتنة واجب للعمومات ولا انعقاد الا جماع على حرمة الباب الحرام الخ (ص ۱۰۰ فصل في الجماعة)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں۔ ودریں زماں مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جهت فساد زمان و نیز برآمدن زنان در اں زمان بقصد تعلیم شرائع بود، و احتیاج نیست بدال دریں زماں از جهت شیوع و اشتہار احکام شریعت و تستر بحال زناں اولی است۔

ترجمہ:- جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے کیونکہ فساد و فتنہ کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے، اس لئے کہ احکام شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا بہر حال اولیٰ ہے اشعة اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعة وفضلها. الفصل الاول تحت حدیث عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امرأة احدکم الى المسجد فلا يمنعها)

یہ حکم عام ہے حرم شریف ہو یا مسجد نبوی، ہندوستان ہو یا عرب سب کے لئے یہی حکم ہے، لہذا عورتوں کی عزت آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لئے بھی نہ نکلیں، ان پر عید کی نماز واجب بھی نہیں ہے (مالا بد منہ ص ۵۵ الی ص ۵۸) فقط۔

امام عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زائد بھول جائے تو کیا کرے؟

(سوال ۱۳۹) اگر امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا کرے؟

بیوقوف جروا۔

(الجواب) اس صورت میں رکوع میں بدون ہاتھ اٹھائے تکبیر کہے، تکبیر کہنے کے لئے قیام کی طرف عودت کرے۔

در مختار میں ہے کما لورکع الا امام قبل ان یکبر فان الا امام یکبر فی الركوع ولا یعود الی القیام لیکبر
(در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۲ باب العیدین)

نوٹ:

اس صورت میں قاعدہ سے توجہ سہولازم ہے لیکن نماز عیدین میں کثرت ازدحام کی وجہ سے خلفشار ہو جانے کا اندیشہ ہے، بناء علیہ توجہ سہو معاف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ہی جگہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز دو مرتبہ پڑھنا اور امام کے لئے چندہ کرنا:

(سوال ۱۴۰) یہاں انگلینڈ میں بڑا ہال نماز کے لئے نہیں ملتا، جس بنا پر چھوٹے ہال میں نماز عید پڑھی جاتی ہے، اس میں پہلی بار مقامی امام نماز پڑھاتے ہیں، لیکن نمازی زیادہ ہونے کی بنا پر اسی ہال میں عید کی نماز مکرر باجماعت ہوتی ہے دوسری بار بھی اس قدر نمازی ہوتے ہیں، نماز عید کے بعد امام عید کے لئے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق چندہ دیتا ہے اور بعد میں وہ رقم امام کو بطور ہدیہ پیش کی جاتی ہے، تو ایک ہی جگہ دو مرتبہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا اور چندہ کر کے امام صاحب کو ہدیہ دینا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عید گاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کر لیا جائے اور وہاں نماز عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نماز عید پڑھی جائے، ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو باقی نمازیوں کے لئے دوسری جگہ نماز کے لئے تجویز کر دی جائے، بلا عذر شرعی اور بلا مجبوری کے ایک ہی جگہ دوبارہ سہ بارہ جماعت نہ کی جائے، باوجود سعی و کوشش کے دوسری جگہ میسر نہ ہو سکے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دوبارہ نماز عید ایسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے، پہلا امام دوسری جماعت کا امام نہیں بن سکتا امام عید کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا غلط ہے، جس کو جس قدر گنجائش ہو اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے دن فجر کی نماز نہ پڑھی تو

(سوال ۱۴۱) جس نے عید کے دن (معاذ اللہ) فجر کی نماز نہیں پڑھی وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کی نماز سے پہلے حاضرین کا آواز ملا کر زور سے تکبیر وغیرہ پڑھنا:

(سوال ۱۴۲) ہمارے یہاں دستور بن چکا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے ایک دو آدمی منبر کے پاس کھڑے ہو کر زور زور سے تکبیر پڑھتے ہیں اس کے بعد حاضرین آواز ملا کر جواب دیتے ہیں، اس طرح الصلوۃ عید الفطر بارک اللہ لنا ولکم والصلوۃ والسلام پڑھا جاتا ہے، مقصد اصلی یہ ہے کہ لوگ آجاویں کسی کی نماز نہ جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ارشاد خداوندی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ یعنی تمہارے لئے رسول خدا کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اور آنحضور ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين الخ۔ یعنی (میرے بعد والے اختلافات دیکھیں گے) اس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اختیار کرنا اور لازم پکڑنا، اور بدعت و نئے طریقوں سے بچتے رہنا کہ (میرے اور خلفائے راشدین کی موافقت کے بغیر) ہر نو ایجاد طریقہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ باب لزوم السنة)

صورت مسئلہ یعنی عید گاہ میں باواز بلند اجتماعی طور پر تکبیر کا التزام ایک رسم ہے آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین وغیرہم صحابہ کرام و ران کے پیرو تابعین اور ان کے فرمانبردار تبع تابعین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ائمہ مجتہدین و مشائخ اور فقہائے کرام سے ثابت نہیں ہے، پس شرعی ثبوت کے بغیر دین و شریعت میں خود ایجاد کردہ یہ عمل رد اور باطل ہے۔

دین کسی کے تابع نہیں سب اس کے تابع ہیں کسی کو دین میں کمی بیشی کا حق نہیں، جس طرح منقول اور ثابت ہو اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔

دیکھئے! جمعہ کے دن منارہ پر اذان ہوتی ہے مگر عید کے دن نہیں ہوتی، کہ منقول نہیں ہے، جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان ہوتی ہے، عید کے خطبہ کے لئے اذان نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے اقامت ہوتی ہے مگر عید کی نماز کے لئے اقامت نہیں ہوتی کہ منقول نہیں ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مبارک زمانہ میں عید گاہ میں نماز عید سے پہلے حضرت علیؑ نے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا، اس نے کہا یہ (نماز نفل) عذاب کا کام تو نہیں (پھر کیوں منع کرتے ہو) حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جس کام کے لئے حضور ﷺ نے امر نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر و ثواب کا کام نہیں ہے، لہذا یہ نماز غیث ہے اور (دین میں) فعل عبت حرام ہے اور ڈر ہے کہ آنحضور (ﷺ) کی سنت کی خلاف ورزی پر خدا نے پاک تجھے عذاب دے (مجالس الابرار ص ۱۲۹ مجلس نمبر ۱۸)

اسی لئے حضرت پیران پیر غوث اعظم رحمہ اللہ کا فرمان ہے۔ اتبعوا ولا تبندعوا واطعوا ولا سمعوا۔ یعنی رسول خدا ﷺ کی اتباع کرو اور دین میں بدعت ایجاد نہ کرو، اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو۔ (الغیب ص ۱۰ مقالہ نمبر ۲) اور فرماتے ہیں لیس الشکر عبادة الا صنم فحسب بل هو متابعتک لہواک۔ یعنی شرک صرف بت پرستی نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرے (فتح ربانی ص ۸۷ مجلس نمبر ۲۵)

اور حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قال ما ازدا د صاحب بدعة اجتہاداً الا ازداد من اللہ عزوجل بعداً، یعنی بدعتی جس قدر جدوجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۳)

لہذا آپ کے یہاں جو رسم ہے وہ غلط اور خلاف سنت ہے جو واجب الترمک ہے مجالس الابرار میں اس تکبیر کے بارے میں تفصیل ہے کہ عید الفطر میں عید گاہ آتے جاتے راستہ میں تکبیر آہستہ آہستہ کہے اگر عوام لاعلمی کی وجہ سے

کچھ زور سے کہیں تو خیر (حرج نہیں) مگر سب مجتمع ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہیں تو حرام ہے، بلکہ تنہا تنہا تکبیر کہیں اور جب عید گاہ پہنچیں تو تکبیر بند کر دیں (خود آہستہ آہستہ کہیں تو گنجائش ہے) لکن لا علی ہیئۃ الاجتماع۔
الی قولہ۔ فان ذلک کلمہ حرام۔ یعنی۔ لیکن سب مجتمع ہو کر آواز سے راگ کی رعایت کر کے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے (مجالس الابرار ص ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۲)

نماز کا وقت مقرر کر دیا جائے اور کچھ مہلت دی جائے، اور حاضرین پوری خاموشی کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہیں، یا کسی عالم سے بیان کرایا جائے تاکہ انتظار میں زحمت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر قبل از خطبہ عیدین:

(استفتاء ۱۴۳) عیدین کے خطبہ کے شروع میں خطیب کو کتنی تکبیر پڑھنا چاہئے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ بینوا تو جروا۔ از راندیر۔

(الجواب) خطبہ اولی کے شروع میں نو بار تکبیر (اللہ اکبر، اللہ اکبر ۲، اللہ اکبر ۳، اللہ اکبر ۴، اللہ اکبر ۵، اللہ اکبر ۶، اللہ اکبر ۷، اللہ اکبر ۸، اللہ اکبر ۹، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر واللہ الحمد) آہستہ پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح خطبہ ثانیہ میں سات بار اور خطبہ ثانیہ کے آخر میں چودہ بار آہستہ آہستہ تکبیر کہنا مستحسن ہے۔ ویبدأ بالتکبیر فی خطبة العیدین ویستحب ان یستفتح اولی بتسع تکبیرات تترى ای متتابعات والثانیة بسبع هو السنة وان یکبر قبل نزوله من المنبر اربع عشرة یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ کو نو بار اللہ اکبر پڑھے درپے درپے کہنے کے بعد شروع کرے اور دوسرے خطبہ کو سات بار اللہ اکبر کہنے کے بعد شروع کرے اور ثانی خطبہ ختم کرنے کے بعد منبر سے اترنے سے پہلے چودہ بار بطریق مذکورہ تکبیر کہے (تسویر الابصار، درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳ باب العیدین) مراقی الفلاح میں ہے۔ ویبدأ بالتکبیر فی خطبة العیدین ویستحب ان یستفتح الاولی بتسع تترى والثانیة بسبع قال عبد اللہ بن مسعود وهو السنة (مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (قوله تترى) ای متتابعات ویکبر قبل النزول اربعة عشر کذا فی الشرح (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۱ ایضاً)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عیدین کا وقت:

(سوال ۱۴۴) عیدین کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے، طلوع آفتاب کے چوبیس منٹ کے بعد نماز پڑھی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عیدین کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً پندرہ منٹ پر شروع ہوتا ہے، لیکن چونکہ عید کا دن ہے، لوگوں کو مسنون طریقہ سے تیار ہونا ہے، غسل، اچھے کپڑے اور خوشبو کا اہتمام کرنا ہے اور عید الفطر میں صدقہ فطر بھی ادا کرنا ہے اور اطراف سے بھی لوگ نماز کے لئے شہر میں آتے ہیں اس لئے نماز کا وقت اس طرح مقرر کیا جائے کہ لوگ آسکیں، اس قدر عجلت کرنا کہ لوگ نماز سے رہ جائیں مناسب نہیں، بلاوجہ شرعی بہت تاخیر کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو لوگوں میں اعلان کر کے اول وقت میں پڑھ سکتے ہیں جب کہ لوگوں کے نماز سے روک

جانے کا وقت ہو (وابتداء وقت صحة صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح اور محین حتی تبیض لاندہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی العید حین ترتفع الشمس قدر رمح او رمحین فلو صلوا قبل ذلك لا تكون صلوٰۃ بل نفلاً محرماً (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۰۹ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ۔

محلہ کی مسجد میں عذر شرعی کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا:

(سوال ۱۴۵) نو ساری شہر کی عید گاہ کے منتظمین نے یہ اعلان کیا کہ امسال بارش کی وجہ سے عید گاہ میں عید کی نماز نہیں ہوگی اور شہر کی جامع مسجد نا کافی ہے، اس لئے ہم اپنے محلہ کی ”زکریا مسجد“ میں نماز عید پڑھنا چاہتے ہیں، آج تک اس مسجد میں ہم نے نہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے نہ عید کی نماز، اس وقت ہم عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں محلہ کی ”زکریا مسجد“ میں نماز عید پڑھ سکتے ہیں بلا حرج جائز ہے، ہاں بلا عذر شرعی نماز جمعہ و عید پڑھنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کا مسجد و عید گاہ میں جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۴۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:-
غیر مقلدین حضرات اور بعض آزاد خیال افراد اس پر مصر ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے مسجد اور عید گاہ جانے سے روکنا جائز نہیں ہے، ان کو عید گاہ میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، روکنے والے سنگار ہیں، حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی اور مردوں کو یہ حکم تھا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو ان کو روکا نہ جائے اور عید گاہ میں تو جانے کا صراحۃً امر اور حکم تھا حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہوتی تو یہ حکم تھا کہ اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں چھپالے اور ایک چادر میں دونوں جائیں، جب حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس طرح نہ کیا گیا تھا تو اب کسی کو حق نہیں ہے کہ عورتوں کو مسجد و عید گاہ کی حاضری سے روکے اور اس کو ناجائز کہے اور اس سے دلائل میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:-

(۱) لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استأذنکم (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷

باب الجماعة وفضلها) یعنی عورتوں کو مسجد کی حاضری کے حق سے نہ روکو جب وہ اجازت مانگیں۔

(۲) اذا استاذنت امرأة احدکم الى المسجد فلا یمنعها۔ تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی

اجازت مانگے تو اس کو نہ روکے۔ (بخاری و مسلم شریف مشکوٰۃ شریف ص ۹۶ باب الجماعة)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص اپنی

بیوی کو مسجد میں جانے سے نہ روکے تو ان کے ایک صاحبزادے (حضرت بلالؓ) نے فرمایا ہم تو ضرور روکیں گے، یہ سن

کر حضرت ابن عمر غضبناک ہو گئے اور فرمایا میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ (جملہ) کہتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس

کے بعد وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ عن مجاہد عن عبد اللہ ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال لا یمنع رجل اهلہ ان یاتوا المساجد فقال ابن لعبد اللہ فانما نمنعہن. فقال عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ احد ثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول هذا فما کلمہ حتی مات رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷ باب الجماعۃ)

اور عید گاہ جانے کے لئے یہ روایت پیش کرتے ہیں:۔ (۱) عن ام عطیہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخر جوا العواتق وذوات الخدور لیشهدن العید و دعوة المسلمین ولیجتنبن الحيض مصلی الناس (۲) عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا قالت امرنا ان نخرج الحيض یوم العید من ذوات الخدور فیشهدن جماعۃ المسلمین ودعو تہم تعزل الحيض عن مصلانہن قالت امرنا ان رسول اللہ احدثنا لیس لہا جلباب قال لتلبسہا صاحبہا من جلبا بہا متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵۔ ۲۶۱ باب الجماعۃ)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرمایا کہ ہم کو حکم کیا گیا کہ ہم حیض والی اور پر وہ نشین عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم میں سے بعضوں کے پاس چادر نہیں ہوتی (تو کیا کرے؟) آپ نے فرمایا کہ اس کی کھلی اس کو اپنی چادر میں چھپالے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵)

اب آپ سے درخواست ہے کہ اس پر فتن زمانہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر عورتوں کی مسجد میں حاضری ناجائز ہے تو ان روایات کا کیا جواب ہے؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا بالدلیل وتوجروا عند الکرم۔ (الجواب) حامداً ومصلیاً مسلماً وباللہ التوفیق۔ اس پر فتن زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں وعید گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں، بے شک فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں نماز پڑھا نہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، حضور اکرم ﷺ یہ نفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز، روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی، اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا، حضور اکرم ﷺ خواب کی تعبیر بیان فرماتے اور عجیب وغریب علوم کا انکشاف فرماتے اس لئے ان کو حاضری کی اجازت تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ مردوں کی طرح ان کو حاضری کا تاکید حکم تھا، یہ صحیح نہیں۔ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح جماعت ضروری نہیں تھی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو لا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمنا صلوٰۃ العشاء وامرت فتیانہن یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں میں آگ لگا دیں (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶ باب الجماعۃ وفصلہا) یہ سزا اور وعید آنحضور ﷺ ان لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے جن کو جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور حاضر نہ ہوتے تھے مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلا دینے کی سزا کی تکمیل میں مانع ہوا۔ عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ بچوں کی طرح جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھی اور جماعت ان

کے حق میں، وہ کد نہیں تھی ورنہ وہ بھی اس سزا کی مستحق ہوتیں اور بچوں کے ساتھ عورتوں کو معذور نہ سمجھا جاتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جماعت کا ستائیس نماز کا ثواب اور مسجد نبوی کا پچاس ہزار نماز کا ثواب اور پیغمبر اقدس ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت عظمیٰ ہوتے ہوئے بھی عورتوں کے لئے ہدایت تھی کہ زیادہ فضیلت اور ثواب اور سعادت کی بات اسی میں ہے کہ وہ نماز گھر میں پڑھیں، اور اس سے بڑھ کر یہ فرمایا گیا کہ عورت کی تاریک سے تاریک اور بند کوٹھری کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف الف تحیة و سلام) کی نماز سے کئی درجہ افضل اور بہتر ہے اور اس سلسلے کی کئی روایات ہیں، چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن ام سلمة رضي الله عنها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال خير مساجد النساء قعر بيو تهن. رواه احمد والطبراني في الكبير..... الى. وقال الحاكم صحيح الا سناد. ترجمہ:- حضرت ام سلمہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کی گہرائی ہے (یعنی سب سے زیادہ بند تاریک کوٹھری) (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۸۸ العلامة المنذرى رحمه الله) (زجاجة المصانح ج ۱ ص ۳۱۳ باب الجماعة وفضلها)

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم المراءة عورة وانها اذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان، وانها لا تكون اقرب الى الله منها في قعر بيتها. رواه الطبراني في الاوسط ورجاله رجاله الصحيح. ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت چھپانے کی چیز ہے وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق گندے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے) اور عورت اپنے گھر کی سب سے زیادہ بند کوٹھری ہی میں اللہ سے بہت قریب ہوتی ہے (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۸۸ باب الجماعة)

(۳) عن ابن مسعود رضي الله عنه قال ما صلت امرأة من صلوة احب الى الله من اشد مكان في بيتها ظلمة. رواه الطبراني في الكبير. ترجمہ:- عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز خدا کے نزدیک وہ نماز ہے جو اس نے بہت ہی تاریک کوٹھری میں پڑھی ہو (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۸۹)

(۴) عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا نساءكم المساجد وبيوتهن خير لهن.

ترجمہ:- عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو (مگر) ان کا گھر ان کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶) (باب الجماعة)

(۵) عن ام سلمة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة المرأة في بيتها خير من صلوتها في حجرتها واصلاتها في حجرة خیر من صلاتها في دارها واصلاتها في دارها خير من صلوتها في مسجد قومها. رواه الطبراني في الاوسط باسناد جيد.

ترجمہ:- حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، عورت کی نماز بند کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز (کے احاطہ) کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۸۸)

”اب حضور اکرم ﷺ کا عجیب فیصلہ ملاحظہ فرمائیے“

(۶) عن ام حمید امرأۃ ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہما انہا جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ! انی احب الصلوۃ معک قال ”قد علمت انک تحبین الصلوۃ معی وصلوۃک فی بیتک خیر من صلوۃک فی حجرک، وصلوۃک فی حجرک خیر من صلوۃک فی دارک، وصلوۃک فی دارک خیر من صلوۃک فی مسجد قومک وصلوۃک فی مسجد قومک خیر من صلوۃک فی مسجدی“ قال: فامرت فبنی لہا مسجد فی اقصى شینی من بیتہا واطلمہ وکانت تصلی فیہ حتی لقیۃ اللہ عزوجل۔ رواہ احمد وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما۔

ترجمہ:- حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندورنی کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے، چنانچہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھے) کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوئیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۸۷ جلد اول)

مذکورہ بالا روایات سے چند باتیں صراحتہ ثابت ہوتی ہیں۔

- (۱) حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی، صرف اجازت تھی اور ہدایت و فہمائش ایسی تھی کہ خود ہی باز آ جائیں۔
- (۲) عورتوں کا مسجد میں آنا محض اباحت و رخصت کے درجہ میں تھا نہ کہ تاکید یا فضیلت و استحباب کے درجہ میں۔

(۳) حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم و ترغیب پر عمل کرنے ہی کی غرض سے مسجد چھوڑ دی اور پوری عمر اپنی تنگ و تاریک کوٹھری کے اندر نماز پڑھتی رہیں اور یہ عین اتباع اور آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل تھی۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں پر جو عورتوں کو مسجد میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں آنحضور ﷺ کی تعلیم اور مرضی اور منشاء کے خلاف حکم کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں، اگر عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا سنت ہوتا تو آنحضور ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلہ کی نماز کو، اور

مسجد محلہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل نہ فرماتے، تو کیا ترک سنت میں زیادہ ثواب تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم، اور کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے؟ معاذ اللہ، شاید یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس اور اپنی عورتوں کو اس مبارک زمانہ کی عورتوں سے زیادہ عقیفہ اور پاک باز سمجھتے ہیں۔

اور اس زمانہ میں رخصت و اباحت بھی ان شرطوں کے ساتھ تھی کہ عورتیں بن سنور کر لباس فاخرہ زیب تن کر کے، خوشبو لگا کر، بچتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں، بلکہ میلی کچیلی آئیں۔

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی المسجد اذا دخلت امرأة من مزینة یترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایہا الناس انہر انساء کم عن البس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساء ہم الزینة وتبخترن فی المسجد۔ ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلہ مزینہ کی ایک عورت زیب و زینت کا لباس پہنے ہوئے مگتی (اتر آتی) ہوئی مسجد میں آئی، حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب و زینت کا لباس پہننے اور مسجد میں مگنے سے روک دو، کیونکہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے زیب و زینت کا لباس پہنا اور مسجد میں مثلنا شروع کر دیا۔ (ابن ماجہ باب فتنۃ النساء ص ۲۹۷)

اس سے صراحتاً یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود و شرائط کے ساتھ تھی، اور فتنہ رونما ہونے سے پہلے تھی، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی اور بے احتیاطی ظاہر ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اجلہ صحابہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں، اور تمام صحابہ نے اس کو پسند فرمایا۔

بدائع الصنائع میں ہے: ولا یباح للشواہب منہن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ نہی الشواہب عن الخروج ولان خروجہن الی الجماعة سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادى الی الحرام فهو حرام (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷ فی فصل واما بیان من یصلح للامة) ترجمہ:۔ جو ان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں، اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے جو عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے، انتہی۔ (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷)

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:۔ ومنها خوف فتنة كما مرأة اصابته بخورا ولا اختلاف بین قوله صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امرأة احد کم الی المسجد فلا یمنعها و بین ما حکم به جمہور الصحابة من منعہن اذا المنہی عنہ الغيرة التي تنبعث من الا نفة دون خوف الفتنة والجائز من الغيرة ما فیہ خوف الفتنة وذلك قوله صلی اللہ علیہ وسلم الغيرة غیرتان وحديث عائشة رضی اللہ عنہا ان النساء احدثن الخ۔

ترجمہ۔ اور ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے نماز یا جماعت میں حاضر نہ ہونا جائز ہے فتنہ کا خوف ہے، جیسے کوئی عورت خوشبو لگائے، اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان "اذا استاذنت الخ" (یعنی جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طالب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے) اور جمہور صحابہ کے فیصلہ (ان حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو اب مسجد میں آنے سے ممانعت کی جائے۔ میں تضاد نہیں ہے اس لئے کہ وہ غیرت جو محض تکبر سے پیدا ہو اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے وہ غیرت تو ناجائز ہے، رہی وہ غیرت جو فتنہ کے خوف سے پیدا ہو اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے تو وہ غیرت جائز بلکہ مستحسن ہے) اور صحابہؓ نے اسی فتنہ کے خوف کی بنا پر عورتوں کو روکنے کا فیصلہ کیا) اور حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان الغیرۃ غیرتان کا یہی مقصود ہے اور یہی مصداق ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ان النساء احدثن الخ کا (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۹۰ الجماعۃ من الحرج الخوف الفتنة) (احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۸) (اصح السیر ج ۲ ص ۵۸۹)

یعنی شرح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز گھر سے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے، اور یہ صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا، وکان ابن عمر يقوم يحصب النساء يوم الجمعة يخرجهن من المسجد (عینی شرح بخاری ج ۳ ص ۲۲۸ باب خروج النساء الى المساجد بالليل والمفلس)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ، تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں عن ابی عمر والشیسانی انه رأى عبد الله بخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول (اخرجن الى بيوتكن خير لكن) رواه الطبرانی فی الکبیر باسناد لا بأس به (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۰) یہ بھی صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس فتنہ کو محسوس کیا اور انہوں نے فرمایا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل۔ یعنی اگر رسول خدا ﷺ یہ حالت دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (بخاری شریف باب خروج النساء الى المساجد بالليل والمفلس ج ۱ ص ۱۲۰) (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں واما اليوم فنعوذ بالله آج تو خدا کی پناہ (یعنی بحوالہ کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۹۲) چنانچہ علامہ عینیؒ اپنی اسی شرح میں دوسری جگہ تفصیل سے اپنے زمانہ کی عورتوں کی ایجاہ کردہ بدعات و منکرات کا ذکر فرماتے ہیں: قلت لو شاهدت عائشة رضي الله عنها ما احدثت نساء هذا الزمان من انواع البدع والمنكرات لكانت اشد انكاراً ولا سيما نساء مصر فان فيهن بدعاً لا توصف ومنكرات لا تمنع الى قوله. فانظر الى ما قالت الصديقة رضي الله عنها من قولها لو ادرک رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثت النساء وليس بين هذا القول وبين وفاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم الا مدة يسيرة على ان نساء ذلك الزمان ما احدثن جزءاً من الف جزء مما احدثت نساء

هذا الزمان (یعنی ج ۳ ص ۲۳۰ باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس۔

علامہ کے کام کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی وہ بدعات و منکرات اور سر کے بالوں اور لباسوں میں وہ فیشن جو عورتوں نے ایجاد کی ہے، خاص کر مصر کی عورتوں نے، اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں منجملہ ان منکرات کے یہ ہیں، وہ عورتیں لباس فاخرہ پہن کر اور خوشبو لگا کر نکلتی ہوئی مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہوئیں، مردوں کے شانہ بشانہ (بسا اوقات) کھلے منہ بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی و منکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی، اندازہ لگائیے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی و فیشن پرستی دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں (یعنی شرح بخاری ج ۳ ص ۲۳۰)

علامہ یمنی نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں، آج تو چودھویں صدی ہے، اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، عریانی و بے احتیاطی کی انتہا ہو چکی ہے، برقع ہی رخصت ہو رہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن اسبل لباس آچکے ہیں، اور پھر کھلے سر، کھلے منہ بازاروں میں گھومتی ہیں، ایسے فتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عید گاہ لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانہ سے استدلال کیا جا رہا ہے، عورتیں احتیاط کریں گی، نیچی نگاہ رکھیں گی، خوشبو پاؤں سے احتراز کریں گی اور فساق و فجار کی نگاہیں نیچی رہیں گی، اس کی گارنٹی کون دے سکتا ہے؟

ربا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے صاحبزادے پر خفا ہونا تو یہ اس لئے تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کا فرمان نقل کیا "لا یمنعن رجل اہله" ان یا تو المساجد "اس پر صاحبزادے کا یہ کہنا "فانا نمنعہن" اس سے نص کے ساتھ سورۃ معارضہ لازم آ رہا تھا (اس بنا پر حضرت ابن عمرؓ بہت ہی غصہ اور خفا ہوئے) جس طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حدیث بیان فرمائی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الدباء (حضور اقدس ﷺ لو کی) (کدو) پسند فرماتے تھے (ایک شاگرد نے کہا۔ انا لاحبہ) (میں تو اسے پسند نہیں کرتا) اس پر امام ابو یوسفؒ نے تلوار نکال لی اور فرمایا کہ تجھ پر ایمان کرو، رشتہ قتل کر دوں گا۔ یہاں بھی حدیث کے ساتھ سورۃ معارضہ لازم آ رہا تھا، ورنہ لو کی (کدو) پسند نہ کرنا ایسا جرم نہیں کہ قتل کر دیا جائے، اسی طرح عورتوں کو منع کرنا ایسا جرم نہیں تھا کہ قطع تعلیق کرنا واجب ہو، ورنہ پھر اس کا کیا مطلب کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے (قوله ونقول واللہ لנمنعنہن) قال الطیبی یعنی انا آتیک بالنص القاطع وانت تتلقا بالرای کان بلا لا لہما اجتہد وراى من النساء وما فی خروجہن الى المساجد من المنکر اقسام علی منعنہن فردہ ابو ہریرہ بان النص لا یعارض بالرای..... ونظیرہ ما وقع لابی یوسف حین روى انہ علیہ السلام کان یحب الدباء فقال رجل انا ما احبہ فسل السیف ابو یوسف وقال جدد الایمان والا لا قتلنک (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۶۶ باب الجماعة وفضلها۔ مطبوعہ ملتان)

عید گاہ جانے کے سلسلے میں جن روایات میں امر کا صیغہ وارد ہے اور جن سے وہ حضرات استدلال کرتے

ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ تین معنوں پر مستعمل ہے، کبھی وجوب کے لئے ہوتا ہے جیسے اقیمو الصلوٰۃ اور کبھی استحباب کے لئے ہوتا ہے جیسے فکلو منها واطعموا البائس الفقیر۔ اور کبھی اباحت کے لئے ہوتا ہے جیسے واذا حللتُم فاصطادوا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں کیا مراد ہے وجوب تو یقیناً مراد نہیں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ عیدین وغیرہ میں عورتوں کا جانا واجب ہے، اور استحباب بھی مراد نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوٹھری کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز سے بدرجہا افضل بتایا ہے اور اس میں عیدین کا استثناء نہیں ہے۔ مساجد گھروں سے قریب ہوتی ہیں، پھر بھی گھر کی نماز افضل ہے، اور عید گاہ تو شہر سے باہر اور دور ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ نماز پنجگانہ و جمعہ فرض ہیں، جب اس کے لئے مسجد میں آنا افضل نہیں تو عیدین کی نماز میں حاضر ہونا کیونکر افضل ہوگا، پس اس جگہ امر اباحت و رخصت کے لئے ہوا، اور وقتی طور پر مصلحتاً حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو عید گاہ میں جمع فرمایا تھا، اس سے وجوب اور استحباب ثابت نہیں ہو سکتا (کفایت المفتی ج ۵ ص ۴۲۱ ملخصاً) اگر مستحب بھی مان لیا جائے تب بھی بوجہ مفسدہ قابل ترک ہوگا، فقہ کا قاعدہ ہے ترک المکروہ اولیٰ بادر اک الفضیلة لان ترک المکروہ اہم من فعل المسنون (کبیری ص ۳۶۵)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عید گاہ میں عورتوں کا جانا شروع اسلام میں تھا جب کہ مسلمان کم تھے تاکہ ان سے اہل اسلام کی کثرت معلوم ہو، اور دشمن خوفزدہ ہو، آج یہ صورت حال نہیں ہے لہذا یہ حکم بھی نہ ہوگا۔ قال الطحاوی یحتمل ان یکون هذا الا مرفی اول الاسلام والمسلمون قليل فارید التکثیر یهن ترہیباً للعدو فاما اليوم فلا یحتاج الی ذلک، الی قوله: قلت هذه عائشة صحت عنہا انها قالت لو رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حدثت النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فاذا کان الا مرفی خرو جہن الی المساجد ہکذا فبا الا حرمی ان یکون ذلک فی خرو جہن الی المصلی الخ (عینی شرح بخاری ص ۳۹۴ ج ۳ باب خروج النساء والحیض الی المصلی) (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۶۵)

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہائے کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) فقیہ محدث علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:- والفتویٰ الیوم علی

والفتویٰ الیوم علی المنع

فی الكل فلذلک اطلق المصنف ویدخل فی قوله الجماعات الجمع والاعیاد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولا سیما عند الجهال الذین تحلو ابحلیۃ العلماء وقصدہم الشهوات وتحصیل الدنیا۔

ترجمہ:- اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا خواہ دن کی ہو یا رات کی، جوان اور ضعیف دونوں کے لئے ممنوع ہے، اور مصنف (کنز الدقائق کے مصنف) کے قول ”الجماعات“ میں جمعہ، عیدین، استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی شامل ہیں، بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنالیتے ہیں، اور مقصود ان کا اپنی خواہشات نفسانی پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے (عینی شرح کنز ج ۱ ص ۴۰ باب الامتہ)

(۲) درمختار میں ہے:- (ویکروہ حضور ہن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقاً) ولو

عجزوا لیلاً (علی المذہب) المفتی بہ لفساد الزمان۔

ترجمہ:- عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا، خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مجلس ہو مکروہ ہے، چاہے بوڑھی عورت ہو اور رات کا وقت ہو، مفتیؒ یہ مذہب کی بنا پر بوجہ ظہور فساد زمانہ (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۲۹ باب الامامة)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:- والفتویٰ اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد كذا في الكافي وهو المختار كذا في التبيين.

ترجمہ:- اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے فساد زمانہ کے ظہور کی وجہ سے (عالمگیری ج ۱ ص ۵۶ باب الامامة)

(۴) البحر الرائق میں ہے:- ولا يحضرون الجماعات الى قوله قال المصنف في الكافي والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوة كلها لظهور الفساد الخ اور عورتیں جماعت میں حاضر نہ ہوں، بوجہ ارشاد باری تعالیٰ وقرن فی بیوتکم اور بفرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صلواتہا فی قعر بیتہا افضل ویسوتہن خیر لہن اور صاحب کنز الدقائق نے کافی میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے، بوجہ ظہور فساد (بحر الرائق ج ۱ ص ۵۸ باب الامامة)

(۵) رسائل الارکان میں ہے:- وهذا التحویز انما كان بحسب زمانهم واما الآن فالفتنة لا اختلاط النساء والرجال غالبية لفساد اهل الزمان الى قوله فما ظنك بهذا الزن ما الذي هو زمان الفتنة فهذا الزمان احرى لسقوط الجماعة عليهن فهذا الزمان احرى بالمنع عن الخروج الى الجماعة لان الجماعة غير لازمة عليهن بالنس والتحرز عن الفتنة واجب للعمومات لا انعقاد الا جماع على حصة الباب الحرام الخ (رسائل الارکان ص ۱۰۰ الفصل في الجماعة)

اور عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ان کے زمانہ کے اعتبار سے تھی، لیکن آج مرد اور عورتوں کے اختلاط کی وجہ سے فتنة ہونا مناسب ہے۔ ان قولہ:- اس زمانہ کے متعلق تو ہمارا کیا خیال ہے جو فتنة وفساد کا زمانہ ہے، اس لئے آج یہی مناسب ہے کہ ان سے جماعت میں حاضر ہونا ساقط ہو اور ان کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ممنوع ہو، اس لئے کہ از روئے نفس ان پر جماعت میں حاضر ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے اور قرآن و حدیث کے پیش نظر فتنوں سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ جو کسی حرام چیز کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے (رسائل الارکان ص ۱۰۰)

اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں:-

(۶) ودریں زمان مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جهت فساد زماں ونیز برآمدن زناں دراں زماں بقصد تعلیم شرائع بودواحتیاج نیست بداں دریں زماں از جهت شیوع واشتہار احکام شریعت وتستر بحال زناں اولی است۔

ترجمہ:- جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد وفتنة کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی اور اب وہ غرض باقی نہیں ہے اس لئے کہ احکام

شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں ہی رہنا مناسب اور بہتر ہے (اشعة اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعة وفصلها) فقط والله اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم وهو الهادی الی الصراط المستقیم۔

قبرستان کی خالی جگہ میں عید کی نماز پڑھنا اور اس جگہ کو مصلحتاً عید گاہ بنانا:

(سوال ۱۳۷) ہمارے یہاں عید گاہ کے سلسلے میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے، آپ اس کا فیصلہ فرمائیں: ہمارے یہاں قبرستان بہت وسیع ہے اس کی غیر مستعمل جگہ میں تین چار برس سے کمیٹی کا عید گاہ بنانے کا ارادہ ہے چونکہ یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے شرعی مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کام نہ ہوا، اس سال عید الاضحیٰ کے وقت بعض نوجوانوں نے ہمت کر کے شہر کے قبرستان کی خالی جگہ میں (جو بہت وسیع اور غیر مستعمل ہے) عید گاہ بنانے کی نیت کے بغیر عید کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور کمیٹی اور متولیوں کے مشورہ کے بعد یہ طے ہو گیا کہ عید کی نماز اس سال قبرستان کی جگہ میں عید کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور عید گاہ کی نیت کے بغیر میدان میں جو نماز ادا کی جائے گی اس پر سنت کا ثواب نہیں ملے گا، اس قسم کے شک و شبہات پیدا کر کے وہاں عید کی نماز ادا کرنے سے انکار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ مسجد کا معین امام ہم کو اسی جگہ نماز عید پڑھاوے، کمیٹی والوں نے جواب دیا کہ اس پر ہم مسجد کے امام کو مجبور نہیں کر سکتے، اگر تم لوگ مسجد ہی میں نماز پڑھنے پر مصر ہو تو اپنے امام کا خود انتظام کرلو، چنانچہ ان لوگوں نے اپنا الگ امام تلاش کر کے مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھی، اب دریافت طلب امور یہ ہیں (۱) نماز عید مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا شہر کے باہر عید گاہ میں۔ (۲) خالی میدان میں یا میونسپل کی زمین میں عید گاہ بنانے کی نیت کے بغیر نماز عید پڑھی جائے تو سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۳) قبرستان کی غیر مستعمل زمین پر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اس جگہ نماز عید پڑھنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۴) قبرستان کی وقف زمین اس قدر وسیع ہے کہ اس کا ایک معتد بہ حصہ سو سو برس تک مردوں کے دفنانے کے کام نہیں آئے گا، تو ایسی خالی جگہ پر عید گاہ بنانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر عید گاہ نہ بنائی گئی تو خطرہ ہے کہ یہ جگہ حکومت کی نظر بد سے محفوظ نہ رہ سکے (۵) یہاں فریج گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ زمین کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ تیس برس تک ایسی ہی پڑی رہے اور پڑوسی اس کی نگرانی کرتا رہے، تیس برس کے بعد وہ پڑوسی اگر حکومت سے وہ زمین طلب کرے تو حکومت وہ زمین اس کو دے دیتی ہے، اسی قانون کے مطابق قبرستان کے پڑوس کی زمین قبرستان کو وقف میں ملی ہے، اس زمین پر عید کی پڑھی جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ (۶) کسی میدان میں عید کا انتظام ہے پھر بھی کوئی مسجد میں عید کی نماز بلا عذر ادا کرے تو کیا یہ مکروہ ہے؟ بیٹا تو جروا۔

(الجواب) ہر ایک شہر میں عید گاہ کا ہونا ضروری ہے، عید گاہ میں عید کی نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، (۱) رسول کریم ﷺ عید کے دن مسجد نبوی چھوڑ کر عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل سے عید گاہ کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے، پچھلے لوگوں کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ

(۱) والخروج إليها ای الجبابة لصلاة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع وهو الصحيح، درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۶ وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی صلاة العید الیہ هو موضع معروف بالمدينة، وین باب المسجد الف ذراع کما فی "لعینی علی البخاری طحطاوی علی مرافی الفلاح، باب العیدین ص ۲۹۰

رحیمیہ جلد اول ص ۵۷۲ اردو۔ جدید ترتیب کے مطابق ج ۶ ص ۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (صحیح)

جب تک عید گاہ کے لئے موزوں جگہ میسر نہ آئے تو جنگل وغیرہ میں نماز عید کے لئے کوئی جگہ اس کے مالک یا منتظمین یا حکومت کی اجازت سے متعین کی جاسکتی ہے قبرستان وسیع ہے تو خالی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں یا ہوں مگر دور ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں تو اس جگہ اگر عارضی طور پر نماز پڑھی جائے تو قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ اگر یہ مقصد ہو کہ شہر کے باہر ایک عظیم و کثیر جماعت کے ساتھ نماز عید پڑھنے سے اسلام کی شان و شوکت معلوم ہوگی اور لوگوں کے اندر عید گاہ میں نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اور شرعی عید گاہ بنانے کی فکر کریں گے تو عند اللہ ماجور ہوں گے انشاء اللہ۔ مگر قبرستان کی وقف جگہ میں عید گاہ بنانا درست نہیں ہے منع ہے، لیکن قبرستان کی وقف جگہ وسیع ہے مردوں کو دفنانے کے لئے اس خالی جگہ کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور خالی پڑھی رہنے سے سرکار کی نظر بد سے محفوظ نہ رہے گی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں خالی جگہ پر شرعی عید گاہ بنانے کی گنجائش ہے، جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور وقف بھی نہ ہو وہ سرکاری زمین ہے، اور گورنمنٹ کو مذہبی کاموں میں دینے کا اختیار ہے۔ لہذا جو جگہ سرکار کی طرف سے قبرستان کو ملی ہے وہ بھی وقف ہے اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اتنا جواب انشاء اللہ دونوں گروہ کے لئے کافی ہے خدا تعالیٰ آپ لوگوں میں اخلاص اور باہمی اتفاق کی فضا پیدا کرے۔ آمین فقط۔ والہم۔

ہر شہر کی عید گاہ الگ ہونی چاہئے:

(سوال ۱۴۸) ہمارے شہر میں عید گاہ کے لئے ایک زمین خریدی گئی مگر یہ زمین ہمارے شہر کی فضا میں نہیں ہے بلکہ دوسرے شہر کی فضا میں ہے، تو کیا دوسرے شہر کی فضا میں ہمارے شہر کی عید گاہ بنا سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) ہر ایک شہر کی عید گاہ الگ ہونی چاہئے، دوسرے شہر کی فضا میں جو عید گاہ بنے گی وہ اسی شہر کی عید گاہ شمار ہوگی مگر آپ کی نماز صحیح ہو جائے گی، لہذا آپ لوگ اپنے شہر کی فضا میں عید گاہ بنانے کی کوشش کریں، جب تک عید گاہ نہ بنے آبادی سے باہر کوئی جگہ متعین کی جائے، اگر موزوں جگہ نہ مل سکے تو شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمار اور ضعیفوں کے لئے جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا:

(سوال ۱۴۹) ہمارے قصبہ میں ہندو اور مسلمانوں کے مکانات ملے جلے ہیں، قصبہ میں دو مسجدیں ہیں اور عید گاہ بھی ہے لیکن بعض دور رہنے والوں کو عید گاہ دو کلومیٹر دور پڑتی ہے، عید کی نماز صرف عید گاہ میں ہوتی ہے، بہت سے بوڑھے، مریض اور کمزور لوگ سواری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عید گاہ نہیں پہنچ سکتے اور عید کی نماز سے محروم رہتے ہیں کیا ایسے بوڑھے مریض اور کمزور لوگوں کی خاطر عید گاہ کے علاوہ شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کی ادائیگی کا انتظام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عید کی نماز عید گاہ ہی میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، لیکن جو ضعیف مریض اور معذور لوگ عید گاہ نہ جاسکیں، ان کے لئے شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا جائز ہے، کبیری میں ہے۔ فان ضعف القوم عن الخروج

امر الا امام من یصلی بہم فی المسجد روی ذلک عن علی رضی اللہ عنہ (کبیری ص ۵۲۹ صلاة العید) شامی میں ہے۔ وفی الخانیة السنة ان یرج الا امام الی الجبانة ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوة العیدین فی موضعین جائزة بالا تفاق الخ (شامی ج ۱ ص ۷۷ باب العیدین)

مجالس الا برار میں ہے۔ ثم الخروج الی الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لکن یستخلف الا امام من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناء علی ان صلوة العید فی الموضعین جائزة بالا تفاق۔ ترجمہ: عید گاہ جانا مسنون ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو، لیکن امام کسی کو خلیفہ بناوے جو شہر کے اندر ضعیفوں اور بیماروں کو نماز پڑھاوے، اس بنا پر کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالا تفاق جائز ہے (مجالس الا برار ص ۲۱۲، ص ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۲) فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرنا:

(سوال ۱۵۰) کوئی حنفی عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرے تو زیادہ تکبیروں میں امام کی متابعت کرے یا نہیں؟ حنفی مذہب میں تو چھ تکبیریں ہیں اور امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں تو حنفی مقتدی کیا کرے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عید کی نماز میں حنفی شافعی امام کی اقتداء کرے تو زائد تکبیروں میں بھی امام کی متابعت کرے۔ ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مسنون (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۸ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر الاضحیٰ کی نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے:

(سوال ۱۵۱) عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لئے ہے؟ جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لئے یا سب کے لئے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) یہ حکم صرف قربانی کرنے والے کے لئے نہیں ہے، سب کے لئے ہے مستحب یہ ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں پیئیں، اور اگر اپنے گھر قربانی ہے تو اپنی قربانی سے کھائے، بلا عذر نماز سے پہلے کھانا مکروہ ہے کبیری میں ہے۔ والمستحب یوم الاضحیٰ تاخیر الا کل الی ما بعد الصلوة لما فی الترمذی کان علیہ الصلوة والسلام لا یرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحیٰ حتی یصلی وقیل هذا فی حق من یضحی لا فی حق غیر والا ول اصح۔ والا صح انه یکرہ الا کل قبل الصلوة هنا (کبیری ص ۵۲۴ صلاة العید) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام نے دوسری رکعت میں چھٹی ہوئی تکبیر کہی، اس وقت مقتدیوں نے رکوع کر لیا تو؟

(سوال ۱۵۲) عید کی نماز میں امام صاحب پہلی رکعت میں زائد تکبیروں میں سے ایک تکبیر بھول گئے یعنی تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کے بجائے دوسری تکبیر کے بعد ہی ہاتھ باندھ لیا، پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد

زائد تکبیروں میں ایک کا اضافہ کر دیا یعنی چوتھی کے بجائے پانچویں پر رکوع کیا اور مقتدیوں نے چوتھی کے بعد رکوع کر لیا تو کیا نماز ہو گئی یا دہرانا ضروری ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) صورت مسئلہ میں امام پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع میں مقتدیوں کے ساتھ مل گیا تو نماز صحیح ہو جائے گی جب کہ سجدہ سہو کر لے، لیکن اگر مجمع عظیم ہو، سجدہ سہو کرنے میں انتشار اور گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سجدہ سہو معاف ہو جاتا ہے، نماز ہو جائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۳ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ۔

عید کے روز نماز عید سے پہلے نفل کا حکم:

(سوال ۱۵۳) عید کے روز نماز عید سے پہلے مسجد میں نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟ (الجواب) نہیں پڑھ سکتے، پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لخطاوی میں ہے۔ قوله (فانه مکروه) ای تحریم علی الظاهر الخ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۲ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی کا اقتداء کرنا شافعی کے پیچھے:

(سوال ۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ شافعی مذہب کے مطابق پہلی رکعت میں سات ۷ اور دوسری رکعت میں پانچ ۵ تکبیرات عید ملی جاتی ہیں اور حنفی مذہب کے مطابق دونوں رکعتوں میں کل چھ تکبیرات ہیں تو اس حال میں حنفی مقتدی شافعی مذہب کے مطابق بارہ تکبیرات کہے یا تین تین تکبیرات کہہ کر خاموش رہے۔

(الجواب) حنفی مقتدی اگر شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھے تو اس کو تکبیرات عید میں اتباع شافعی امام کی کرنی چاہئے۔ لیکن شافعی وغیرہ امام کی قنوت فجر دائمی میں اور رفع یدین میں اور نماز جنازہ میں چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کی جائے کہ منسوخ ہیں۔ ولہذا لو اقتدی بمن یرفع یدیه عند الركوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنازہ خمسۃ لا یتا بعد لظہور خطاءہ بیقین لان ذلک کله منسوخ بدائع اقوال یؤخذ منه ان الحنفی اذا اقتدی بشافعی فی صلاة الجنازۃ یرفع یدیه لا نہ مجتہد فیہ فہو غیر منسوخ لانه قد قال بہ ائمة بلخ من الحنفیۃ وسیاتی تمامہ فی الجنائز وقد مناہ فی او اخر بحث واجبات الصلاة (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۸۰ باب العیدین)

نماز عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۵۵) امام صاحب کے عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح ہے فان قدم التکبیرات علی القراءة فیہا جاز۔ (نور الایضاح ص ۲۸ باب العیدین)

(۱) قال فی البدائع اذا ترکھا ونقص منها اوزاد علیھا او اتی بها فی غیرھا موضعھا فانه یجب علیہ السجود کذا فی البحر الرائق السہو فی الجمعة والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعة لتلا یقع الناس فی الفتنۃ کذا فی المضمرات ناقلا عن المحيط فتاویٰ عالمگیری سجود السہو ج ۱ ص ۱۶۸

نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے:

(سوال ۱۵۶) امام صاحب نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول گئے تو اب کیا کریں؟
(الجواب) اگر سورۃ فاتحہ کا کچھ حصہ یا پوری سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کہہ کر سورۃ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بعد یاد آئی تو صرف تکبیرات کہہ قرأت کا اعادہ نہیں ہے (مجالس الابراہ) ولو نسى التكبير في الركعة الاولى حتى، قرأ بعض الفاتحة او كلها ثم تذكر يكبر ويعيد الفاتحة وان تذكر بعد قراءة الفاتحة والسورة يكبر ولا يعيد القراءة لانها تمت ولا ن التام لا يقبل النقص مالا عادة الخ (مجالس الابراء م ۳۲ ص ۲۱۳) (کبیری ص ۵۲۹)

عید گاہ میں دوبارہ جماعت کرنا:

(سوال ۱۵۷/۱) عید کی جماعت فوت ہو جائے تو عید گاہ میں جماعت ثانیہ کرنا کیسا ہے؟
(الجواب) عید گاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے۔ جن کی نماز فوت ہوئی ہو وہ اس مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کریں جہاں نماز عید نہ ادا کی گئی ہو۔^(۱) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(سوال ۲/۱) جب نماز عید کے لئے عید گاہ جانا مسنون ہے تو وہاں نہ جانے والا عاصی ہوگا یا نہیں؟
(الجواب) ہاں نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ کے لئے عید گاہ جانا سنت ہدیٰ اور سنت موکدہ ہے بلا عذر نہ جانے والا تارک سنت، قابل ملامت اور لائق عقاب ہے اور عادی اس کا گنہگار ہے، بحر الرائق میں ہے۔ حتی لو صلى العيد في الجامع ولم يوجه الى المصلی فقد ترك السنة (ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین طحطاوی ج ۱ ص ۵۶۰۔ کبیری ص ۵۲۹۔ عمدة الرعاية ج ۲ ص ۲۴۵ وغیرہ) اور تلوتح میں ہے ترک السنة الموكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة اور در مختار میں ہے (ترجمہ) مکروہ تحریمی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ تارک واجب گنہگار ہوتا ہے اور سنت موکدہ کا حکم بھی مثل واجب کے ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحضر والا باحة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کے لئے حجرہ کرایہ پر لینا:

(سوال ۱۵۸) ہم انگلینڈ میں "لسٹر" نامی مقام میں رہتے ہیں اور یہاں سے مسجد پچاس میل دور دوسرے شہر میں ہے اور وہ مسجد بھی عید، جمعہ وغیرہ میں مصلیین کے لئے ناکافی ہے، وہاں کے باشندوں کو بھی نماز عید کے لئے کرایہ پر مکان رکھنا پڑتا ہے معاہم میں اتنی استطاعت نہیں کہ کوئی وسیع جگہ خریدیں لہذا اگر ہم کوئی حجرہ کرایہ پر لے کر نماز عید اس میں ادا کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

نوٹ:- ہر عید کے موقع پر ہم یہاں حجرہ کرایہ پر لے کر نماز اس میں ادا کرتے ہیں کیونکہ یہاں دو تین مسلمانوں کے

(۱) ولا یصلیہا وحده ان فاتت مع الامام ولو بالا فساد اتفاقا فی الاصح كما فی تمیم البحر وفيها بلغزای رجل فسد صلاته واجبة عليه القضاء ولا قضاء، ولو امكنه الذهاب الى امام آخر فعل لانها تؤدى بمصر واحد فی مواضع كثيرة اتفاقا شامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۳

اپنے خود کے مکان میں بھی ہیں مگر ان میں جگہ ناکافی ہوتی ہے نیز حجرہ وقف کرنے کی ہماری استطاعت نہیں اس لئے حجرہ کرایہ پر لے کر نماز ادا کی جاتی ہے۔

(الجواب) نماز جمعہ وعید کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ شہر اور فناء شہر میں پڑھ سکتے ہیں (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۳) (۱) (طحاوی علی مراقی الفلاح ۲۹۳) جائے نماز کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں، ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ میں بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۱ باب الجمعۃ) لہذا آپ حضرات مسجد بننے تک اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے لئے کوئی مکان یا حجرہ خاص کر لیا جائے جہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکیں اور جمعہ وعیدین میں اگر جگہ ناکافی ہو تو زائد لوگ باہر اطراف میں روڈ وغیرہ پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (سوال ۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ یا افضل؟

(۲) اگر سنت مؤکدہ ہے تو اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہو گا یا نہیں؟

(۳) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے حوالہ صفحات کے ساتھ تحریر کریں۔

بینا التوجروا۔

(الجواب) (۱) (۲) عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ متوارثہ ہے۔ آنحضور ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواخبت برسبیل عبادت عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا فرماتے رہے صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔ ”زاد المعاد“ میں ہے۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العیدین فی المصلی (الی قولہ) ولم یصلی العید بمسجد الا مرة واحدة اصابہم مطر فصلى بهم العید فی المسجد (ج ۱ ص ۱۲۳) اور کتاب المدخل میں ہے۔ السنة المرضیة فی صلوۃ العیدین ان تكون فی المصلی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوۃ فی مسجدی هذا افضل من الف صلوۃ فی سواہ الا المسجد الحرام ثم مع هذه الفضیلة العظیمة خرج صلی اللہ علیہ وسلم الی المصلی وترک المسجد فهو دلیل واضح علی تاکید امر الخروج الی المصلی صلوۃ العیدین فقہر سنة ج ۲ ص ۸۲) لکن الخروج الی الجبانة سنة مؤكدة الخ عمدة الرعاية علی شرح الرقابة ج ۱ ص ۲۱۵ فصل العیدین

(۲) نماز عید کے لئے عید گاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔ بلا عذر اس کا تارک لائق طاعت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کا عادی گنہگار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے ”ویاثم بارتکابه کما یأثم بترک الواجب ومثله السنة المؤکدة“ یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔ جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحظر والاباحۃ) شہر سے عید گاہ دور ہونے کی وجہ

(۱) لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القرى لقوله عليه السلام لا جمعة ولا تشریف ولا اضحی الا فی مصر جامع من يجوز فی جمیع اقبه المصر باب صلاة الجمعة طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۳

سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے ثم الخروج الى الجبانه سنة وان وسعهم الجامع لكن يستخلف الا امام من يصلي بالضعفاء والمرضى بناءً على ان صلوة العيد في الموضعين جائزة بالا تفاق الخ یعنی عید گاہ جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو جاتی ہو البتہ امام کسی کو اپنا نائب یا خلیفہ بنا جائے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے (مجالس الارام ۳۳ ص ۲۱۲) (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۳) (کبیری ص ۵۲۹) (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸) واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیرات عید بھول جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۶۰) اگر امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیرات بذواند بھول جائے تو رکوع میں یاد آتے ہی کھڑے ہو کر تکبیرات کہہ لیں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ فرض چھوڑ کر واجب کی طرف لوٹنا لازم آتا ہے! (الجواب) صورت مسئلہ میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔^(۱)

(سوال) اگر امام نماز عید میں پہلی رکعت میں تکبیرات زواند بھول جائے اور سورۃ فاتحہ پوری یا بعض حصہ پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کا کیا حکم ہے، کہے یا نہیں؟

(الجواب) یاد آتے ہی تکبیرات کہہ لے اور سورۃ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۃ فاتحہ دونوں پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو فقط تکبیرات کہہ لے۔ قرأت کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔^(۲)

نماز عید کی ترکیب:

(سوال ۱۶۱) نماز عید کی تکبیرات میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں یعنی کونسی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور کب نہیں، ہاتھ کب چھوڑے اور کب باندھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا وضاحت فرمائیں۔

(الجواب) رکعت اول میں مع تکبیر تحریمہ کل چار تکبیرات ہوں گی چاروں تکبیرات میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پہلی اور چوتھی تکبیر کے وقت ہاتھ باندھ لے۔ یہ کلیہ یاد رہے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لے اور جہاں کچھ پڑھا نہیں جاتا وہاں چھوڑ دے ملاحظہ ہو:۔^(۳)

تکبیر اولیٰ۔ ہاتھ اٹھا کر باندھ لے (ثنا پڑھی جاتی ہے)

تکبیر ثانیہ۔ ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے

(۱) وذكر في كشف الاسرار ان الامام اذا سها عن التكبيرات حتى ركع فانه يعود الى القيام الخ فتاوى عالمگیری سجد السهو ج ۱ ص ۱۲۸۔

(۲) وفي المحيط انيراء الامام بالقراءة سهوا ثم تذكره فان فرغ من قراءة الفاتحة والسورة يمضي في صلاته وان لم يقرأ الا الفاتحة كبر واعاد القراءة لزوما بحر الرائق باب العیدین ج ۲ ص ۱۶۰۔

(۳) ويرفع يديه في الزوائد وان لم يري امامه ذلك الا اذا كبر راكعا فلا يرفع يديه على المختار لان اخذ الركعتين سنة في محله ليس بين تكبيراته ذكر مسنون ولذا يرسل يديه قال في الشامي تحت قوله ولذا يرسل يديه اي في اثناء التكبيرات ويضعهما بعد الثلاثة كما في شرح المنية لان الوضع سنة قيام طويل فيه ذكر مسنون شامي باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۲۔

تکبیر ثالثہ - ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے

تکبیر رابعہ - ہاتھ اٹھا کر باندھ لے (قرأت پڑھی جاتی ہے)

دوسری رکعت میں بھی مع رکوع کی تکبیر کے چار تکبیرات ہوں گی۔ پہلی تین تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے اور چوتھی میں ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے۔ مذکورہ طریقہ خیال میں رکھو گے تو انشاء اللہ غلطی نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

عورتوں کے لئے احکام عید:

(سوال ۱۶۲) نماز عید کے لئے جانے کا حکم عورتوں کے لئے نہیں ہے تو ان کو غسل کرنا اور لباس جدید پہننا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں عید کے روز عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس پہنیں کیونکہ یہ دن خوشی اور زینت کا ہے۔ (کبیری صلاۃ العید ص ۵۲۳)

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۳) شہر میں پچاس میل دور دس بارہ دوکانیں ہیں اور یہاں کی آبادی کم ہے دوکانداروں کے پاس جنرل ڈیلر کا لائسنس ہے اور وہ ہر سال نماز عید ادا کرتے ہیں اور خطبہ بھی ایک صاحب پڑھاتے ہیں لیکن اس کے لئے مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے فقط کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے صرف عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے جمعہ وغیرہ نہیں پڑھا جاتا تو نماز عید صحیح ہوگی یا نہیں؟ مقتدی حضرات صرف ۳۰-۴۰ ہوتے ہیں!

(الجواب) صورت مسئول عنہا میں نماز عید واجب نہیں ہوتی^(۱) واجب یہ ہے کہ بلا تاخیر مسجد بنا کر اس میں بیٹھو و نماز ادا کریں۔ یہ واجب ادا نہیں ہوتا تو صرف نماز عید کا شوق ایک جذباتی بات ہے مذہبی مسئلہ نہیں۔

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۴) عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے۔ تقبل اللہ منا و منکم اور آپ کو عید مبارک ہو وغیرہ الفاظ کہے (در مختار مع الشامی ج ۷ ص ۷۷ باب العیدین) واللہ اعلم بالصواب۔

عید گاہ جانے سے قبل مسنون کیا ہے؟

(سوال ۱۶۵) عید گاہ جانے سے قبل شیر خرما کا دستہ رکھے دودھ خرید کر بناتے ہیں اس کی کوئی اصلیت ہے۔ جواب تحریر فرمائیں۔

(۱) قوله شرط ادائها المصراى شرط صحتها ان تؤدى فى مصر حتى لا يصح فى قرية ولا مفازة لقول على رضى الله عنه لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطرو ولا اضحى الا فى مصر او مدينة عظيمة بحر الرائق ، باب صلاة الجمعة ج ۲ ص ۱۴۰

(الجواب) عید گاہ جانے سے پہلے طاق عدد چھوڑے یا کھجور ورنہ شیریں چیز کھانا مستحب ہے (در مختار مع الشامی ج ۶ ص ۷۷) (۱) شیر خرما کی خصوصیت بے اصل ہے یہ رواجی چیز ہے اس کو مسنون نہ سمجھنا چاہئے۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۸) (۲) فقط اللہ اعلم۔

عید گاہ بننے تک کسی میدان میں نماز پڑھیں:

(سوال ۱۶۶) کسی جگہ عید گاہ نہ ہو تو کسی میدان میں نماز ادا کرنا اچھا ہے۔ یا مسجد میں؟

(الجواب) شہر قصبہ اور وہ قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ، واور وہاں جمعہ و عیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو۔ وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عید گاہ بنانا ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عید گاہ میں نماز عید کے لئے جمع ہونے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ہوتا ہے جس میں ان کی شان و شوکت ظاہر ہو اور ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو۔ اسی وجہ سے عید گاہ میں تمام لوگوں کے جمع ہونے کو سنت قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ ایک راستے سے آتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے۔ تاکہ دونوں راستوں کے باشندے مسلمانوں کی شان و شوکت اچھی طرح دیکھ لیں۔ وسن الصلوة والخطبة لئلا یكون شینی من اجتماعهم بغیر ذکر اللہ وتنوید شعائر الدین وضم معه مقصد آخر من مقاصد الشریعة وهو ان کل ملة لا بدلها من عرصہ یجتمع فیها اهلها لتظهر شوکتهم وتعلم کثرتهم وکذلک استحب خروج الجميع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض ويعتزلن المصلی وبشہدن دعوة المسلمين وکذلک کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخالف فی الطريق ذهاباً وایاباً لیطلع اهل کلتا الطريقین علی شوکة المسلمين ولما کان اصل العید الزینة استحب حسن اللباس والتقلبس ومخالفة الطريق والخروج الی المصلی۔ (حجة اللہ البالغہ ص ۱۰۵، ۱۰۶ ج ۲ العیدان)

لہذا جس طرح ہو جلد از جلد عید گاہ بنالیں اور جب تک عید گاہ بنے اس وقت تک کے لئے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کر لیں۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجر عظیم کے حق دار بنیں انشاء اللہ سبقت کرنے والے زیادہ ثواب کے حق دار ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید گاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۶۷) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن و حدیث مرحمت فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عید گاہ ہے۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عید گاہ میں ہوتی ہے۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب بعید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت قریب ہو گیا شروع کیجئے۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں

(۱) وفدب یوم الفطر اکلہ حلوا وتدلوا قروبا قبل خروجه الی صلاتہا۔ باب العیدین۔ کبیری ص ۵۲۴

(۲) واما ما یفعله الناس فی زماننا من جمع التمر مع اللبن والفطر علیہ فلیس له اصل فی السنة باب العیدین

گے۔ ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو گنہگار کون؟ امام صاحب یا جلد باز اصرار کرنے والے۔
(الجواب) مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۱) نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عید گاہ پہنچ

جائیں۔

(۲) عید کے موقع پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔ بے شک حاضرین کو ایسے موقع پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔ لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کر لے۔ سال میں دو موقع آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔ نماز فوت ہوگئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا قدرے انتظار کیا جائے اور تعاوناً علی البر پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جانے۔ البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں اور ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ ”جاتے ہیں جاتے ہیں۔“ اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل کا بل اور ست لوگوں کا انتظار کرنا۔ ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المنتقى ان تاخير المؤذن وتطويل القراءة لا دراك بعض الناس حوام هذا اذا مال
لاهل الدينا تطويلاً وتاخيراً يشق على الناس فالاحصل ان التأخير القليل لا عانة اهل الخير غير
مكروهه (شامی ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفة الصلاة مطلب في اطالة الركوع للجاني) فقط والله اعلم بالصواب

نماز عید میں بعد میں شریک ہونے والا زائد تکبیر کب کہے؟

(سوال ۱۶۸) عید کی نماز شروع ہوگئی۔ امام صاحب نے قراءت شروع کی تو ایک آدمی آیا اور وہ بھی جماعت میں شریک ہوا۔ تو تکبیر کہے یا نہیں؟ اگر پہلی رکعت چھوٹ گئی اور دوسری رکعت میں شریک ہوا تو پہلی رکعت کس طرح پڑھے؟

(الجواب) اگر امام نے پہلی رکعت کی تکبیر کہیں بعد میں قراءت پڑھتے وقت شریک ہوا تو نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر زائد تکبیریں کہے۔ ”در مختار“ میں ہے۔ (ولو ادرك) المؤتم (والا امام في القيام) بعد ما كبر (كبر) في الحال۔ یعنی اگر مقتدی امام کے تکبیر کہنے کے بعد حالت قیام میں شریک ہوا۔ تو فوراً تکبیرات کہے۔ (در مختار مع الشامی ص ۸۱ ج ۱ باب العیدین)

اور اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت فاتحہ کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو۔ ثناء۔ تعوذ۔ تسمیہ۔ سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہے۔ بقیہ نماز اپنے طریقہ سے پوری کرے۔ ولو سبق بر كعة يقرأ ثم يكبر لنلا يتوالى التكبير (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۲)

ایضاً واللہ اعلم۔

نماز عیدین کھلیان میں:

(سوال ۱۶۹) ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں دونوں میں نماز عید ہوتی ہے چھوٹی مسجد میں تنگی ہوتی ہے۔ تو سرکاری جگہ کھلیان میں نماز عید پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟
(الجواب) ہاں! اس جگہ پر نماز عید درست ہے۔ اجازت کی ضرورت ہو تو حکومت سے اجازت حاصل کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کے لئے مالک زمین سے اجازت لے لینی چاہئے:

(سوال ۱۷۰) مذکورہ بالا صورت میں سرکاری پروانگی نہ ملے تو کسی کی مقبوضہ زمین میں مالک زمین کی اجازت سے عید پڑھیں تو صحیح ہے؟
(الجواب) ہاں! مالک کی اجازت لے کر نماز عید پڑھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید دوبارہ پڑھنا:

(سوال ۱۷۱) میں نماز عید بمبئی پڑھ کر نو ساری آیا۔ یہاں دوسرے دن عید ہوئی۔ تو یہاں دوسرے دن نماز عید پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟
(الجواب) ہاں پڑھ سکتے ہو، نفل کی نیت سے پڑھ لو۔ ”فتاویٰ سراجیہ“ میں ہے۔ اذا صلی العید فی بلدۃ ثم انتہی من الغد الی قوم یصلون صلاة العید بلدۃ اخری فصلی معهم لم یکرہ (ص ۱۸)
ترجمہ:- جب کوئی شخص ایک شہر میں نماز عید پڑھ کر دوسرے دن دوسری جگہ پہنچا وہاں نماز عید ہو رہی تھی۔ اس میں شامل ہو کر دوبارہ پڑھی تو نماز صحیح ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔

تکبیر تشریق ایک بار کہے یا تین بار؟

(سوال ۱۷۲) تکبیر تشریق ایک بار کہنا مسنون ہے یا تین بار؟
(الجواب) تکبیر ایک بار کہنا واجب ہے۔ تین بار کہنا مسنون نہیں ہے۔ تین بار کہنے کا قول صحیح اور مفتی بن نہیں ہے۔ حتیٰ لو زاد لقد خالف السنۃ۔ مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۶ صلاة العید فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایام تشریق میں تکبیرات پڑھنے کا حکم:

(سوال ۱۷۳) ایام تشریق میں تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں؟ جہری کہنا چاہئے، یا سری؟ جہری کہنے میں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے کسی کی نماز میں خلل آوے تو کیا ایسے موقعہ پر چھوڑ دینا چاہئے یا آہستہ پڑھے؟
(الجواب) ایام تشریق میں نماز پنجگانہ کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔ ”ملا بدمنہ“ میں ہے۔ مسئلہ۔ تکبیرات تشریق بعد

ہر نماز فرض بجماعت گزار دہ شود واجب است (ص ۶۰) اور جہراً کہنے کا حکم ہے۔ ”گوید یکبار بآواز بلند اللہ اکبر الخ“ (ص ۶۰) مسبوق وغیرہ نمازی کے ہونے پر سرّاً کہنے کا حکم نہیں ہے جہراً ہی کہنا چاہئے۔ البتہ چلانا اور بہ تکلف آواز نکالنا ہر حال میں ممنوع اور مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟

(سوال ۱۷۴) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ ولا تکبیر عقب السنن والنوافل و صلوة العید (فتاویٰ سر اجیہ ص ۱۸) ولا یکبر عقب الوتر و عقب صلوة العید (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۱ وما یصل بعد التکبیرات ایام التشریق) قوله المفروضات یحترز من الوتر و صلوة العید (الجواهرۃ النیرہ ص ۹۶ ج ۱ باب صلاة العیدین) قوله المفروضات (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۳ ج ۱ ایضاً) ولا یجب عقب صلوة العید ولا عقب الوتر ولا عقب النوافل لان تلك الصلوات لیست بفریضة (مجالس الابرار ص ۲۳۱ م ۳۵) صلوة مسعودی میں بدعت تک لکھا گیا ہے۔ ولا بأس بالتکبیر عقب صلوة العیدین (نور الايضاح ص ۱۹۹ باب العیدین) کذا فی المبسوط ابی الیث لتوارث المسلمین ذالک (مراقی الفلاح ص ۱۰۸ ایضاً) وقید بالمکتوبة احترازاً عن الواجب کصلوة الوتر والعیدین وعن النافلة فلا تکبیر عقبها. وفي المجتبى والبلخیون یکبرون عقب صلوة العید لانها تودی بجماعة فاشبه الجمعة الخ وفي مبسوط ابی الیث ولو کبر علی اثر صلوة العید لا بأس به لان المسلمین توارثوا هکذا فوجب ان یتبع توارث المسلمین الخ (بحر الرائق ص ۱۶۵ ج ۲ ایضاً) لا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون (درمختار) قوله ولا بأس الخ (۱) کلمة لا بأس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم (قوله فوجب) الظاهر ان المراد بالوجوب المثبوت لا الوجوب المصطلح علیه وفي البحر عن المجتبى والبلخیون یکبرون عقب صلوة العید لانها تودی بجماعة فاشبهت الجمعة وهو یفید الوجوب المصطلح علیه (درمختار مع الشامی ص ۷۸ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید قربان سے پہلے کھانا:

(سوال ۱۷۵) عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے والے کے لئے نماز عید سے پہلے کھانا کیسا ہے؟

(الجواب) بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے عدم کراہیت کی تصریح کی ہے۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو مکروہ کہتے ہیں اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اور جو کراہت کی نفی کرتے ہیں۔ اس سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ ولا یکرہ الا کل قبلها فی المختار ای تحریماً (در المنتقى. شرح المنتقى. مجمع الانهر ص ۷۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

”تکبیر تشریق کے متعلق“

(سوال ۱۷۶) تکبیر تشریق جو عرفہ کے روز نماز فجر سے لے کر ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ تکبیر چھوٹے گاؤں میں جہاں پر عید کی نماز شریعت کے حکم کے مطابق صحیح نہ ہو وہاں پر پڑھنا کیسا ہے؟ بعضوں کا کہنا ہے کہ گاؤں میں تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے، بہشتی زیور میں بھی ہے کہ جہاں پر چھوٹی بستی نہ ہو، شہر یا قصبہ ہو وہاں پر پڑھنا واجب ہے۔ لہذا آپ تفصیل سے بیان کریں کہ گاؤں میں واجب نہیں ہے تو پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کی تشریح مع حوالہ کتب مطلوب ہے۔

(الجواب) صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی تحقیق کے مطابق جن لوگوں پر نماز فرض ہے ان پر تکبیر تشریق بھی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، مقیم ہو یا مسافر، باجماعت سے پڑھی یا بلاجماعت، شہر ہو یا گاؤں، اسی پر عمل اور فتویٰ ہے والفتویٰ علی قولہما حتی یکبر المسافر و اهل القری ومن صلی وحده (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۹۶ باب صلاۃ العیدین) (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۹ باب صلوۃ العیدین) مجالس الابرار میں ہے والعمل فی هذا الزمان علی قولہما احتیاطاً فی باب العبادات (م ۳۵ ص ۲۳۱) ”اور عمل اس زمانے میں صاحبین کے قول پر ہے، عبادات کے باب میں احتیاط کے لحاظ سے“ فقہا واللہ اعلم بالصواب۔

بڑے شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز اور عید گاہ قائم کرنا:

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ (۱) ہمارا شہر درمیان میں ایک ندی ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہے جانب شمال میں مسلم آبادی کی تعداد کثیر ہے بخلاف جانب جنوب کے وہاں نسبتاً تعداد کم ہے لیکن عید گاہ جانب جنوب شہر کے باہر ہے جس کی وجہ سے ضعفاء وغیرہ کے پہنچنے میں دشواری کے ساتھ ایک حصہ بالکل خالی ہو جاتا ہے، وقتی کسی حادثہ یا ضرورت (بیماری، موت، آگ، وغیرہ) پڑنے پر ایک آدمی کا ملنا بھی مشکل ہے سوائے بچے اور عورتوں کے کوئی مرد اس وقفہ میں نہیں مل سکتا، نیز بعض محلے ایسے بھی ہیں کہ جہاں سے عید گاہ کا فصل تقریباً چار کلومیٹر ہے، ان اعذار کے تحت شہر کے شمالی جانب کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ عید گاہ کے علاوہ جانب شمال میں بھی تین بڑی مسجدیں موجود ہیں (۱) جامع مسجد (۲) انا لہ مسجد (۳) لال دروازہ مسجد اور ان تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عید گاہ کے علاوہ شہر کی مذکورہ بالا مسجدوں میں عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں، مدلل و مکمل جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) کسی بھی شہر میں عید گاہ کے علاوہ متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ فی زمانہ ہر شہر میں متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بینوا تو جبروا۔

(الجواب) (۲-۱) عید کی نماز ضعفاء و معذورین شہر کی مسجد میں ادا کر سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے، فقہاء رحمہم اللہ نے لکھا ہے ولہذا کان علی رضی اللہ عنہ یصلی العید فی الجبائۃ ای المصلی ویستخلف من یصلی

بالناس بالمدينة (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب صلوٰۃ الجمعة) اور باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔ ویسبغی ان یتخلف من یصلی باصحاب العلیل فی المصر لما روینا عن علی رضی اللہ عنہ وان لم یفعل جاز (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۷) مجالس الابرار میں ہے ثم الخروج الی الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لكن یتخلف الامام من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضى بناء علی ان صلوٰۃ العید فی الموضوعین جائزة بالاتفاق بخلاف الجمعة مجالس الابرار ص ۲۱۲، ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۳ شامی میں ہے ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی الموضوعین جائزة بالاتفاق وان لم یتخلف فله ذلك اه (شامی ج ۱ ص ۷۷۷ باب العیدین)

مذکورہ بالا عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں ضعفاء و معذورین کے لئے بجانب شمال جامع مسجد وغیرہ میں نماز عید بلا کراہت درست ہے جب کہ شہر بڑا اور دور دور تک لوگ آباد ہوں، اور اگر کسی حادثہ کا قوی اندیشہ متوقع ہو تو بطریقہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہوگا اور دائمی خطرہ کی صورت میں اس جگہ عید گاہ بنانا چاہیے تو اس کی بھی اجازت ہوگی، نہر حائل ہونے کی وجہ سے کموضعین کہا جاسکتا ہے۔ قال محمد لا بأس بصلاة الجمعة فی المصر فی موضعین وثلاثة ولا یجوز اکثر من ذلك لان المصر اذا بعدت اطرافه شق علی اهله المشی من طرف الی طرف فیجوز دفعا للخرج وانه یندفع بالثلاث فلا حرج بعدها الی قوله وقال ابو یوسف كذلك الی ان یكون بین الموضوعین نهر فاصل کبغداد لانه یصیر کمصرین الخ۔ (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب العیدین)

اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بھی بعد اطراف شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہو سکتی ہے۔ (کفایت مفتی ج ۳ ص ۲۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید گاہ اور عید کی نماز سے متعلق چند اہم مسائل:

(سوال ۱۷۸) عید گاہ سے متعلق چند مسائل دریافت طلب ہیں۔

- (۱) شہر سے باہر مسلمانوں کے لئے ایک عید گاہ کافی ہو تو بلا ضرورت دوسری عید گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟
- (۲) چھوٹی بستی یا دیہات جہاں کے مسلمان قصبہ میں آکر قصبہ کی مسجد میں نماز عید ادا کرتے ہیں تو ان دیہات والوں پر عید گاہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور عید گاہ بنانے کی وجہ سے یہ لوگ تارک سنت ہوں گے یا نہیں؟
- (۳) مقامی غیر مسلموں کے نازیبا رویے یا حکومت کے کسی ناشائستہ طرز عمل کی مذمت میں احتجاجاً عید گاہ میں نماز نہ پڑھنے کی گنجائش ہے؟

(۴) حکومت کے مسلم آزار رویے کے خلاف اظہار ناراضگی کے لئے بازوؤں میں سیاہ پٹی لگا کر نماز عید ادا

کرنا کیسا ہے؟

(۵) سہولت کے لئے ایک ہی شہر میں کئی عید گاہ بنانا کیسا ہے؟

(۶) کسی غیر مسلم کی زمین پر اجازت یا عدم اجازت ہر دو صورت میں نماز عید ادا کرنا کیسا ہے؟
(۷) لاوارث ٹرسٹ (خالصہ زمین) جو ہے تو مسلمانوں کی لیکن ٹرسٹ ایکٹ کی رو سے قبضہ گورنمنٹ کا ہے ایسی زمین یا عید گاہ پر نماز عید ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۸) عید گاہ اگر ہر سال سیلاب کی زد میں نقصان سے دوچار ہوتی ہو تو کسی محفوظ جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(۹) ہمارے شہر کی موجودہ عید گاہ مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(۱) برادران وطن کے مشکوک طرز عمل نے فضا بالکل مشکوک بنا دی ہے، پچھلی دنوں عید گاہ کے آس پاس دیسی ساخت کے بم دستیاب ہوئے پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے عید گاہ کے قریب بم کا ایسا زبردست دھماکا ہوا کہ جس سے پتھر کی عمارت ریزہ ریزہ ہو گئی اور جو لوگ مرے ان کے جسم کے پرچے اڑ گئے، اس دھماکہ سے عام مسلمانوں کا تاثر یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش ہے جس کے نتیجے میں ہمارے شہر میں کسی بھی وقت خطرناک صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ (۲) عید گاہ کا پورا علاقہ غیر مسلم آبادی سے گھرا ہوا ہے (۳) مسلم آبادی تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر دور ہے (۴) ابھی کچھ دنوں پہلے انتہائی بھیانک فساد کی وجہ سے مسلمانوں میں عام طور پر خوف و ہراس موجود ہے، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے حفظ المآل کے طور پر شہر کی مشہور درس گاہ کے وسیع میدان میں نماز عید ادا کی، ایسی صورت میں اصل عید گاہ کو باقی رکھتے ہوئے خطرے اور دیگر مذکورہ بالا اسباب کے پیش نظر کسی محفوظ مسلم علاقہ میں عید گاہ بنانا کیسا ہے؟ کیا دوسری عید گاہ بنانے میں شرعی قباحت ہے؟

(۱۰) اصل عید گاہ کو چھوڑ کر شہر سے باہر کسی متبادل جگہ پر عید کی نماز ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) (۱) جب کہ ایک عید گاہ کافی ہے تو بلاشبہ دوسری عید گاہ بنانا منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ فقط
(۲) جب بستی اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتی تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ جب ان پر عید کی نماز نہیں ہے تو عید گاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے، لہذا یہ تارک سنت نہ ہوں گے، البتہ اگر قصبہ میں عید گاہ نہ ہو تو ان پر عید گاہ بنانا ضروری ہے نہ بنائیں گے تو تارک سنت ہوں گے فقط۔
(۳) کوئی خطرہ لاحق ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ عید گاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں کو بیمار اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عید گاہ چھوڑنا درست ہے، محض احتیاجاً عید گاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے احتجاج کے لئے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ فقط۔

(۴) اظہار ناراضگی کی دوسری جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ سیاہ پٹی لگا کر نماز پڑھنے میں تشبہ لازم آئے گا، یہ غیروں کا شعار ہے۔ فقط۔

(۵) شہر وسیع ہو دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عید گاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد عید گاہ بنانا درست ہے۔ فقط۔

(۶) جہاں اجازت کی ضرورت معلوم ہو وہاں اجازت کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا اور جس جگہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ ناراض نہ ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے تو وہاں اجازت کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فقط۔

(۷) مسلمانوں کی ملک ہے تو اس زمین یا عید گاہ میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب کہ قبضہ حکومت کا ہے اور اس کو استعمال کرنے میں قانون کی خلاف ورزی کا جرم عائد ہو سکتا ہے اور مزاحمتیں اور ذلیل ہونے کا موقع آ سکتا ہے تو اس سے بچنا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں۔ قانونی کارروائی کر کے اپنا حق ثابت کریں یا حکومت سے اجازت حاصل کر کے نماز پڑھیں۔ فقط۔

(۸) عید گاہ تمام احکام میں مسجد شریعی کے حکم میں نہیں ہے مگر وقف تو ہے وقف کو کیسے منتقل کریں گے؟ اسے محفوظ کر لیا جائے اور دوسری اطمینان بخش جگہ عید گاہ بنائی جائے۔ فقط۔

(۹) مذکورہ حالت میں موجودہ عید گاہ کو محفوظ کر لیا جائے اور دوسری مامون جگہ میں عید گاہ بنانے کی کوشش کی جائے اور جب تک دوسری عید گاہ نہ بنے جامع مسجد میں نماز عید ادا کی جائے اور اگر جامع مسجد کافی نہ ہو تو مذکورہ میدان میں ادا کر سکتے ہیں۔ فقط۔

(۱۰) عذر کی بنا پر اصل عید گاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو انشاء اللہ سنت کا ثواب ملے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مشرقی سمت عید گاہ بنانا:

(سوال ۱۷۹) ہمارے قصبہ میں عید گاہ کی جگہ مشرقی سمت میں منتخب کی گئی ہے، بعض لوگ اس کے مخالف ہیں تو مشرقی سمت میں عید گاہ بنانا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عید گاہ شرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں قبلہ تو مغرب ہی کی طرف یعنی خانہ کعبہ ہی کی سمت ہوگا پھر کیا مضائقہ ہے؟ نماز صحیح ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۰) حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھا سکتا ہے تو امام چھ تکبیر کہے گا تو شوافع معتدلوں کی تکبیرات میں کمی آئے گی اور اگر زائد کہتا ہے تو تکبیرات معینہ پر زیادتی لازم آتی ہے، تو وہ حنفی امام کیا کرے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ہاں پڑھا سکتا ہے مگر اپنے طریقہ پر پڑھاے معتدلوں کو ان کا اتباع کرنا ہوگا، اور اگر معتدی رضا مند نہ ہوں تو ان میں سے کوئی امام بن جائے اور حنفی ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیں اور ان کو امام کی اتباع میں تکبیریں زیادہ کہنی ہوں گی ولو زاد تابعہ الى ستة عشر لانه ما ثورہ (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۰ باب العیدین) فقط واللہ اعلم۔

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے:

(سوال ۱۸۱) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے؟ آپ کی فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۸۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں نماز عید الاضحیٰ کے بعد تشریق پڑھے یا نہیں؟) میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے

کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، پھر آپ نے بہت ساری عبارتیں نقل کی ہیں، لیکن جناب راجح کا علم نہیں ہوتا آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) نماز عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے فتاویٰ رحیمیہ میں آخری عبارتوں میں ”لابا“ کا لفظ ہے، اس مقام پر اس سے مراد استحباب ہے۔ مفید مفتی میں ہے۔

تبصرہ نمبر ۲۲ لفظ لابس کا استعمال ترک اولیٰ کے واسطے مطرد نہیں ہے بلکہ مندوب میں بھی یہ استعمال کیا جاتا ہے، لفظ لابس دلیل اس پر ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے یعنی مدخول علیہ لابس مستحب نہیں ہے اس واسطے کہ لابس کے معنی شدت ہے اور مندوب میں لفظ لابس کا جو استعمال ہوتا ہے تو یہ وہیں ہوگا جہاں لابس اور شدت کا تو ہم ہو مثلاً وضو موجود رہنے پر پھر دوبارہ وضو کرے تو یہ فعل مستحب ہے اور واندہ نور علی نور آیا ہے اور یہاں کہیں الوضو علی الوضوء لا بابس بہ تو مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یہ مستحب ہے مکروہ نہیں اگرچہ اس کا زیادہ استعمال ترک اولیٰ کی محل پر ہوتا ہے، لیکن مندوب اور مستحب میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، اسی طرح فقہاء کہتے ہیں ”لابس بتکبیر التشریق عقب العید“ تو یہاں اس سے مراد استحباب ہے اس واسطے کہ مسلمانوں کا اس پر توارث اور تعامل ہے یعنی علماء و فقہاء کا ہمیشہ سے اس پر عمل درآمد ہے تو ان کی اتباع و پیروی واجب ہے، تنویر الابصار اور درمختار اور بحر الرائق اور رد المحتار کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید محلہ در محلہ:

(سوال ۱۸۲) بعض شہروں میں نماز عید ہر محلہ میں پڑھی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) نماز عید شہر سے باہر جنگل (عید گاہ) میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی جیسی بڑی فضیلت والی مسجد چھوڑ کر عید گاہ میں جا کر عید کی نماز ادا فرماتے، عذر (جیسے بارش) کے بغیر کبھی بھی مسجد میں نہیں پڑھیں، عید گاہ دور ہونے کی وجہ سے کمزور و ضعیف لوگ وہاں نہ پہنچ سکتے ہوں تو ایسی معذوروں کے لئے مسجد میں پڑھنے کی گنجائش ہے، ایک مسجد نا کافی ہو تو حسب ضرورت ایک سے زائد مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔

وفی الخلاصة والخاتمة السنة ان يخرج الامام الى الجبابة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على ان صلاة العیدین فی موضعین جائزة بالا تفاق (درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۲ ص ۷۷۶)

لیکن شرعی عذر کے بغیر محلہ در محلہ نماز عید قائم کرنا خلاف سنت ہے، اور شریعت کے مقصود و منشاء (یعنی اجتماع عظیم) فوت کرنے، اور اسلام کی شوکت و عظمت میں کمی کرنے کے مترادف ہے، لہذا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ نمازیوں سے مشورہ کرنے کے بعد محلہ کی مسجد میں نماز عید بند کر کے بڑے کسی میدان میں نماز عید قائم کر کے اسلام کی شان و شوکت دوبالا کریں، شہر سے باہر بڑا میدان بمسرت ہر سکے تو بڑے ہال یا بڑے مکان میں پڑھیں ایک ہال اور مکان نا کافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش و جستجو کے باوجود ہال اور مکان نا کافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش

وجہ تو کے باوجود ہال یا بڑا مکان میسر نہ ہو تو مجبوری کے پیش نظر محلہ کی مسجد میں گنجائش ہے، مجبوری نہ ہو تو اجازت نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ ہر دو گانہ کا امام علیحدہ ہونا ضروری ہے یعنی ایک ہی امام دو جگہ نماز عید نہیں پڑھا سکتا، نیز عید کے امام کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا بھی غلط ہے، حسب توفیق بطیب خاطر بطور ہدیہ اگر کوئی کچھ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مسبوق پر تکبیر تشریق واجب ہے:

(سوال ۱۸۳) مسبوق (یعنی جو امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شریک ہو، او) پر تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟
 مسبوق نے بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا پھر تکبیر تشریق کہی تو نماز ہو گئی یا دوبارہ پڑھنی ہو گی؟
 (الجواب) مسبوق پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے وہ اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد کہے گا وکذا یجب علی المسبوق ویکبر بعد ما قضی ما فاتہ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۲ صلاة العیدین) اگر مسبوق نے سہوا امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تشریق کہی تو نماز فاسد نہیں ہوئی مگر اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد سجدہ سہو کرے و ذکر فی الملتقط ان المسبوق اذا سلم مع امامہ وکبر تکبیر التشریق مع امامہ سہوا فعليه السهو (کبیری ص ۲۳۸ صلاة العید) اور سلام پھیرنے کے بعد پھر سے تکبیر تشریق کہنا اولیٰ ہے ولو کبر مع الامام لا تفسد (قولہ لا تفسد) وهل یعیده الظاهر نعم لو وقع منه فی غیر محله (طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۵۶۸ صلاة العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عیدین سے پہلے تکبیر تشریق پڑھانا:

(سوال ۱۸۴) ہمارے یہاں امام مسجد نماز عیدین سے قبل تکبیر پڑھاتے ہیں، اگر امام صاحب تکبیر نہ پڑھاویں بلکہ مقتدی پڑھاوے تو اس میں کوئی حرج ہے، مینواتو جروا۔
 (الجواب) عید گاہ پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا حکم ہے عید گاہ پہنچنے کے بعد تکبیرات، ذکر اللہ وغیرہ میں لگ جاوے لیکن جہراً منع ہے سراپڑھے یا خاموش بیٹھا رہے، امام صاحب یا کسی مقتدی کے تکبیر تشریق پڑھانے پر حاضرین کا پکار کر تکبیر پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عید گاہ کے قرب و جوار میں قبریں ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۵) ہمارے ہاں کی عید گاہ قبرستان سے متصل ہے، عید گاہ کی قبلہ والی دیواروں بارہ فٹ اونچی ہے اس کے پیچھے والے حصہ میں قبریں ہیں ایسے ہی دائیں بائیں حصہ کا لوہے کی سلاخوں سے احاطہ کر لیا ہے، اس کے بیرونی حصہ میں بھی قبریں ہیں، غرض کہ عید گاہ کے مقبوضات میں قبریں ہیں لہذا نماز عید میں کوئی خلل واقع ہوگا؟ مینواتو جروا۔
 (الجواب) جب قبریں عید گاہ کی دیوار اور احاطہ عید گاہ سے باہر ہیں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز بلا تردد

(۱) ویکبر جہراً اتفاقاً فی الطريق قبل وفی المصلیٰ وعلیہ عمل الناس الیوم لا فی البیت درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۴۔

درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عیدین میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال؟:

(سوال ۱۸۶) امام کی تکبیرات انتقال کی آواز بذریعہ مکبرین مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے مگر امام کی قرأت کی آواز مصلی حضرات تک نہیں پہنچتی، لہذا نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیسا ہے؟ بینواتو جرو۔

(الجواب) صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی قرأت کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر میں امام کی قرأت کہاں سنائی دیتی ہے؟ ایسے ہی مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری و چوتھی رکعت میں قرأت نہیں سنائی دیتی اس کے باوجود نماز صحیح ہو جاتی ہے، تکبیرات انتقالات کی تبلیغ کے لئے مکبرین کا انتظام کافی ہے، لہذا نماز عید وغیرہ میں امام کی قرأت عام مقتدیوں کو سنوانے کے لئے مانک کا استعمال مکروہ ہے۔ (۱) یہی مفتی بہ قول ہے ملاحظہ ہو (آلہ مکبر الصوت مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہر کے بالکل قریب واقع زمین کو عید گاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۷) ایک صاحب عید گاہ کے لئے ایک زمین اللہ وقف کرنا چاہتے ہیں مگر وہ زمین شہر کے کنارے پر ہے، بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے فی الحال شہر میں، اور کچھ مدت کے بعد تو درمیان شہر میں آ جانے کی پوری امید ہے، اس زمین کو عید گاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟ اگر قبول کر لیا جائے تو کیا عید گاہ ہی بنانا وہاں ضروری ہوگا یا دوسرے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، فقط بینواتو جرو۔

(الجواب) حامد اومصلیاً ومسلماً، عید گاہ شہر سے باہر جنگل میں ہونا چاہئے، یہی سنت ہے، درمختار میں ہے (ثم حروجه ما شيا الى الجبانه) وهى المصلی العام والخروج اليها (الى الجبانه لصلوة العيد سنة وان وسعهم الجامع) هو الصحيح (درمختار ص ۱۷۷ ج ۱ باب العیدین)

ٹھٹھاوی علی الدر المختار میں ہے (قوله المصلی العام) هو الذى يكون فى الصحراء افاده فى البحر ص ۵۶۰ ج ۱ باب العیدین)

تمدة الرعاۃ علی شرح الوقایہ میں ہے: ص ۱۷۷ قوله ويخرج الى المصلی لصیغة المجهول وهو موضع فى الصحراء یصلی فیہ صلوٰۃ العیدین ویقال له الجبانه لكن الخروج الى الجبانه سنة مؤکدة (شرح الوقایہ ص ۲۴۵ ج ۱، باب العیدین)

مجالس الابرار میں ہے: ثم الخروج الى الجبانه سنة وان وسعهم الجامع (ص ۲۱۲ مجلس نمبر ۳۳) (فتح القدیر ص ۲۲۳ ج ۱) (کبیری ص ۵۲۹) (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸)

ان تمام عبارتوں میں لفظ جبانه استعمال کیا گیا ہے اور جبانه کے معنی جنگل ہوتے ہیں لہذا اس سے ثابت ہوتا

(۱) یعنی خلاف اولیٰ ہے کیونکہ آلہ مکبر الصوت نماز کے درمیان خراب بھی ہو سکتا ہے، نیز بے ضرورت آواز بلند کرنا بھی پسندیدہ نہیں ہے اور آج کل لوگ فیشن کے طور پر لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے لگے ہیں اور اتنی آواز بلند کرتے ہیں کہ سارا محلہ پریشان ہوتا ہے اور بہت سی مرتبہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور اہل محلہ اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں قرآن پاک کوئی سنتا نہیں ہے اس لئے بے ضرورت استعمال سے احتراز بہتر ہے ۱۲ سعید احمد پالنپوری۔

ہے کہ عید گاہ شہر کے باہر جنگل میں ہونا چاہئے۔

صورت مسئلہ میں جب وہ جگہ شہر کے کنارے پر ہے اور کچھ مدت کے بعد شہر کے درمیان آ جانے کے آثار ہیں تو ایسی صورت میں وہ زمین برائے عید گاہ قبول نہ کی جائے بلکہ کسی اور دینی مصرف مثلاً اگر وہاں مدرسہ کی ضرورت ہو تو برائے مدرسہ، یا اس جگہ مسجد کی ضرورت ہو تو برائے مسجد قبول کریں، معاملہ فہم، دیندار، ذمہ دار، اور تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے کام کریں۔ ان سب کا جو مشورہ ہو مدرسہ یا مسجد بنوانے کا اس کے لئے قبول کریں، فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز کے لئے جانے والے لوگوں کو نماز سے روکنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ عید الاضحیٰ کے دن مسلمان نماز عید کے لئے جا رہے ہوں ان میں کوئی شخص لوگوں کو روک کر ایک جگہ بٹھائے رکھے اور عید گاہ یا کہیں مسجد میں نہ جانے دے اور کہہ دے کہ فلاں ابن فلاں جو حج کے لئے گیا ہے اس نے وہاں نماز پڑھی ہوگی، اس لئے تم سب کی نماز ہوگئی، اب تمہیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، مندرجہ بالا طریقہ سے لوگوں کی نماز چھڑا دے، ایسے نماز چھڑانے والے اور اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کو از روئے شریعت مظہرہ کیا کہیں گے؟ اس کا نکاح فاسد ہوتا ہے یا نہیں اور وہ مسلمان رہتا ہے یا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینو تو جروا۔ از جام نگر۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ و مسلمان: نمازیوں کو عید کے روز سربسجود اور دست بدعاء ہونے سے روکنے والا شخص کمال درجہ کا سرکش اور گمراہ ہے، شیطان یعنی اور ابو جہل مردود کا پیر و اور کافرانہ فعل کا مرتکب ہے اور وعید شدید و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یکذکر فیہا اسمہ و سعی فی خرابہا کا مصداق اور لہم فی الدنیا خزی و لہم فی الآخرۃ عذاب عظیم کا مستحق ہے، اس پر توبہ لازم ہے، مگر اس پر مرتد ہو جانے اور نسخ نکاح کا حکم نہیں کیا جائے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۵۹ء۔

عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں تقریر اور بیان کا پروگرام افضل ہے یا

تکبیر تشریق پڑھنا پڑھانا:

(سوال ۱۸۹) عید کے دن نماز سے قبل تقریر کریں تو لوگ تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ تقریر کا پروگرام نہ رکھتے ہوئے تکبیر تشریق ہی پڑھنے دیا جائے یا تقریر کا پروگرام رکھا جائے؟ افضل کیا ہے؟ بینو تو جروا۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ و مسلمان: عید گاہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر مستحب ہے، عید گاہ پہنچ کر تکبیر موقوف کر دینی چاہئے، اگر عید گاہ میں آہستہ کہے تو گنجائش ہے، اس لئے روکا بھی نہ جائے و یقطعہ ای التکبیر اذا انتہی الی المصلیٰ فی رواۃ جزم بہا فی الدراۃ، وفی رواۃ اذا افتتح الصلوۃ کذا فی الکافی وعلیہ عمل الناس قال ابو جعفر وہ ناخذ (مراقی الفلاح ص ۱۰۶ باب العیدین)

تقریر کے پروگرام سے مراد ضروری احکام بیان کرنے کا پروگرام ہے تو افضل اور مستحسن ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳ رمضان ۱۴۳۲ھ۔

ایام نحر میں تکبیر تشریق جہرا کہنی چاہئے:

(سوال ۱۹۰) عید النضحیٰ میں جو سائڑھے تین دن تکبیرات پڑھی جاتی ہیں بعد جماعت کے وہ آہستہ پڑھی جاویں یا بلند آواز سے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ و مسلمان! تکبیر تشریق جہرا اور بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، والتشریق هو الجہر بالتکبیر (ہدایہ ج ۱ ص ۵۵ باب العیدین) فلیستحب رفع الصوت به. (شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۳۰) بگوید یک بار با آواز بلند، یعنی تکبیر تشریق جہرا اور بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ (مالابد منہ ص ۵۱) لیکن چیخنا اور چلانا اور بتکلف آواز نکالنا مکروہ اور ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کا عید گاہ میں سنت مؤکدہ ہونا اور اس کے تارک کا حکم:

(سوال ۱۹۱) (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ یا افضل ہے؟

(۲) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے مع حوالہ صفحات تحریر کریں۔

(۳) اگر سنت ہے تو اس کا تارک گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) حامد اومصلیٰ و مسلمان! (۱-۲) عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ متوارثہ ہے، آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبۃ برسبیل عبادت عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ نے مسجد میں پڑھی ہے، زاد المعاد میں ہے: کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العیدین فی المصلی. الی قوله. ولم یصل العید بسمجدہ الا مرة واحدة اصابہم مطر فصلى بهم العید فی المسجد (ج ۱ ص ۲۴ باب العیدین)

اور کتاب المدخل میں ہے: السنة المرضیة فی صلاة العیدین ان تكون فی المصلی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلاة فی مسجدی هذا افضل من الف صلوة فیما سواہ الا المسجد الحرام ثم مع هذه الفضیلة العظیمة خرج صلی اللہ علیہ وسلم الی المصلی لصلوة العیدین فہی سنة (ج ۲ ص ۸۲ باب العیدین)

(۳) ہاں نماز عید کے لئے عید گاہ جانا سنت ہے بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کرنے کا عادی گنہگار ہوتا ہے، درمختار ہے ویأثم بارتکابہ کما یأثم بترک الواجب ومثله السنة المؤکدة یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحضر والاباحۃ)..... شہر سے عید گاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، ثم الخروج الی الجبانۃ سنة وان وسعهم الجامع لكن يستخلف الامام من یصلی بالضعفاء والمرضى بناء علی ان صلاة العید فی الموضوعین جائزة بالاتفاق الخ یعنی عید گاہ جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش

ہو جاتی ہو لیکن امام کسی کو امام نائب اور خلیفہ بنا جائے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے (مجالس الا برار ص ۲۱۲ و ص ۳۳۲) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۳ شوال ۱۳۷۹ھ۔

عید گاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۹۲) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن و حدیث مرحمت فرمائیں۔
ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عید گاہ ہے۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عید گاہ میں ہوتی ہے۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب عید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت وقت ہو گیا شروع کیجئے۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں گے۔ ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو کنگہ کار کون؟ امام صاحب یا جلد باز اصرار کرنے والے۔
(الجواب) مندرہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔
(۱) نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عید گاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقع پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجالت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔ بے شک حاضرین کو ایسے موقع پر ذر ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔ لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرے۔ سال میں دو موقع آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔ نماز فوت ہو گئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا قدرے انتظار کیا جائے اور تسبیح و نوا علی البس پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جائے البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عاری ہیں اور ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ ”جاتے ہیں جاتے ہیں“ اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل کا بل اور ست لوگوں کا انتظار کرنا۔ ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المستقی ان تاخیر المؤذن وتطویل القراءة لا دراک۔ بعض الناس حرام هذا اذا مال
لاهل الدنيا تطویلاً وتاخیراً یثیق علی الناس فالحاصل ان التأخیر القلیل لا عانة اهل الخیر غیر
مکروه (شامی ص ۴۶۳ ج ۱) (مکروہات الصلاة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسائل تراویح

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا:

(سوال ۱۹۳) امام تراویح نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا چار رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کیا۔ اور سلام پھیرا تو نماز ہوگئی یا اعادہ واجب ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح کی دو رکعتیں ہوئیں اور دو رکعت نفل ہوئیں۔ لکن صححوا فی التراویح انه لو صلاھا کلھا بقعدة واحدة وتسلیمة انها تجزئ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح۔ (شامی ص ۶۵۲ ج ۱ باب الوتر والنوافل بحث المسائل التسعة عشریة) مشکوٰۃ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھی اور روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۴) ایک شخص نے تراویح پڑھی اور بلا عذر روزہ نہ رکھا۔ تو اس کی نماز تراویح مقبول ہے یا نہیں؟ (الجواب) قبولیت کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ فقہی گویا قانونی لحاظ سے نماز تراویح کو جائز کہا جائے گا۔ کیونکہ نماز تراویح کے جواز کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں، مگر بلا عذر رمضان کا روزہ چھوڑنا ایسا بڑا گناہ ہے کہ اس کی بناء پر تراویح کا ثواب بھی سوخت ہو جائے تو تعجب نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من افطریوما من رمضان میں غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنه صوم الدھر کلہ وان صامہ (رواہ اصحاب السنن)۔ مشکوٰۃ الشریف باب تنزیہۃ الصوم کتاب الصوم باب تنزیہۃ الصوم ص ۷۷۱) یعنی جس شخص نے کسی ایسے عذر کے بغیر جو شرعاً معتبر ہو۔ مثلاً مسافر ہو یا بیمار ہو رمضان شریف کے کسی ایک دن کا روزہ نہ رکھا تو اگر اب عمر بھی روزہ رکھتا رہے تب بھی اس فضیلت کی تلافی نہیں کر سکتا جو ایک دن کا روزہ چھوڑنے سے فوت ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھانے والا پابند شرع نہ ہو تو شرعی حکم:

(سوال ۱۹۵) ذیل میں مذکورہ الصفات کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟ (۱) خلاف سنت داڑھی رکھنے والے کے پیچھے (۲) سرکاری ملازم یا اسکول کے ٹیچر (تعلیم دینے والے) حافظ کے پیچھے (۳) دکاندار ہو یعنی سودی رقم سے بلیک مارکیٹ کرتا ہو، ناجائز طریقہ سے تجارت کرتا ہو اس کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) خلاف سنت داڑھی والا، سودی معاملہ کرنے والا اور ناجائز طریقہ سے تجارت کرنے والا شخص امامت کے قابل نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ لیکن حاضرین میں سے کوئی دوسرا شخص ایسا بھی نہ ہو تو تنہا پڑھنے کے بجائے ایسے امام کے پیچھے پڑھ لینی چاہئے۔ کیونکہ جماعت کی بڑی فضیلت اور تاکید ہے۔^(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة وهل المراد به من یر تکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک، شامی باب الامامت، ج ۱ ص ۵۲۳۔

تراویح پڑھنے والے کو لقمہ کون دے؟

(سوال ۱۹۶) حافظ صاحب تراویح میں غلطی کرے اور سامع اچھی طرح نہ بتا سکے تب دوسری تیسری صف میں سے کوئی لقمہ دے تو کچھ حرج ہے؟ امام صاحب کہہ رہے ہیں کہ لقمہ دینا ہو تو پہلی صف میں کھڑا رہے تو اگر دیر سے آنے والے حافظ صاحب کو پہلی صف میں جگہ نہ ملے تو کیا اس کو لقمہ دینے کا حق نہیں؟

(الجواب) اگر سامع مقرر ہے تو اس کو غلطی بتانی چاہئے۔ کسی دوسرے کو جلدی نہ کرنا چاہئے اس سے نماز میں انتشار اور ایک طرح کی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر سامع نہ بتا سکے یا اچھی طرح نہ بتائے۔ تو اب جو بھی اچھی طرح بتا سکے اس پر غلطی کی اصلاح کرنا فرض ہے خواہ وہ کسی صف میں ہو۔ قریب ہو یا دور ہو۔ اس پر فرض ہے کہ غلطی کی اصلاح کرے اگر اصلاح نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز میں امام کے ساتھ شریک ہو۔ جو نماز میں شریک نہ ہو اس نے اگر غلطی بتائی اور امام نے اس کی غلطی کے بتانے (لقمہ دینے سے اصلاح کی۔ تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت تراویح سنت مؤکدہ

سامرودی صاحب کے اعتراضات اور مفصل جوابات

(سوال ۱۹۷) مکرمی حضرت مفتی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ ایک غیر مقلد مولوی عبد الجلیل صاحب سامرودی نے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح ثابت نہیں ہیں ان کا ایک اشتہار گجراتی اخبار پر تاپ میں شائع ہوا ہے جس میں چیلنج دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

سامرودی صاحب نے فقہ احناف کی کتابوں۔ طحاوی۔ مراقی الفلاح۔ فتح القدیر یعنی۔ کبیری وغیرہ وغیرہ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ان میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہے ان کتابوں کی عبارتیں یہی اصل کی ہیں۔ انہیں سامرودی صاحب نے اپنی کتاب نبی کی نماز میں لکھا ہے۔

دوستو! اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ نبی صاحب ﷺ نے بیس رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں۔ البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے نبی صاحب ﷺ ہی کی فرمانبرداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین اسلام شریعت کی قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتیوں کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (نبی ﷺ کی نماز گجراتی ص ۵۲)

مہربانی فرما کر تراویح کی بیس رکعات کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمائیے، لوگوں میں بہت انتشار اور تسویش

ہے۔ بیٹو! تو جروا۔

اس قسم کے سوالات محترم جناب حکیم احمد میاں صاحب مدظلہ و مکرم جناب حافظ غلام محمد شیخ محمد چشتی صاحب سورتی و مکرم جناب عبدالشکور وغیرہ کی جانب سے ہوتے رہے ہیں طوالت کے خوف سے سب کو نقل نہیں کیا گیا، خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (مرتب)

(الجواب) (بعون اللہ تعالیٰ وارشادہ)

آج جبکہ مسلمانوں کی اکثریت بے نمازی ہے، تراویح کی پابند نہیں، مساجد ویران اور تھوڑے آباد ہیں تو بیس رکعت کے خلاف گمراہ کن بحث مباحثہ اور چیلنج یہ اسلام کی کوئی خدمت ہے؟
شعر:-

گر معلم ایں چنین گر مقنن ایں چنین

الوداع اے سنت دیں الفراق اے ورع دیں

افسوس عین اس وقت جب کہ جیل پور وغیرہ میں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور ساری دنیا کے مسلمان نیچین ہو کر ان مظلومین کی امداد کی فکر میں لگے ہوئے تھے تب یہ سامرودی صاحب بیس رکعت کے خلاف ہزار روپے کے انعام کی چیلنج پر چیلنج دے رہے تھے۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

ان کی اس طرح کی نازیبا حرکتوں نے ان کی جماعت کو بدنام و رسوا کر دیا ہے جس کی بناء پر ان کی جماعت کے سنجیدہ اور سمجھ دار لوگ ان سے سخت بیزار ہیں اور ان کو بجائے سامرودی کے ”سامری“ (موسیٰ کے زمانے کا چال باز منافق) کہنے اور لکھتے لگے ہیں اخبار ترجمان، دہلی کے ایڈیٹر صاحب ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے شمارہ میں ”فتنہ سامری“ کے زیر عنوان تحریر کرتے ہیں کہ ”اس عجیب انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہنگامہ پسندی اس کا خاص شعار ہے ان کی زندگی کے حالات ہنگامہ آرائی، اندیشوں اور فتنوں کی ہوا خیزی اور ساکن فضا میں تموج انگیزی سے ہیں۔ ان کی نسبت (سامرودی) ایک فتنہ خیز و شر انگیز ”سامری“ کے ہمنام ہو کر رہ گئی ہے۔ (از رکعت تراویح جدید ایڈیشن حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ ص ۷۸)۔

ان سامرودی صاحب کا اہل حدیث کے پیشوا مولانا ثناء اللہ کی شان میں کیا ہوا بکواس مولانا ثناء اللہ صاحب عقیدہ اہل حدیث ہرگز نہ تھے عقیدہ معتزلہ جمیہ نیچرل تھے (ملاحظہ ہو) ترجمان دہلی ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء)۔
جو لوگ صحیح علم و فہم سے محروم بر خود غلط کم عقل اور ناقص العلوم ہوتے ہیں، جن کے سامنے دین کی ایک نا تمام حقیقت اور صرف ایک پر چھائی ہوتی ہے جس کو وہ دین کامل گمان کرتے ہیں وہ ہمیشہ فساد کے بیج بویا کرتے ہیں اور فتنے برپا کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

دست ناقص دست شیطان است دیو

زانکہ اندر دام تکلیفست دیو

ناقص شخص کا ہاتھ شیطان دیو کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ یہ ناقص دیو ہے۔ جو تکلیف کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ (۱)
خوارج ناقص اور سطحی علم رکھتے تھے ان کے سامنے دین کی حقیقت ناتمام تھی، اسی کو دین کامل سمجھتے
تھے۔ قرآن حکیم کی ایک آیت ان الحکم الا للہ کے الفاظ کو بہانہ بنا کر خلیفہ راشد حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ وہ
معاذ اللہ قرآن پاک کی حکم عدولی کر رہے ہیں لہذا وہ بھی معاذ اللہ گمراہ اور کافر اور ان کے ساتھی بھی کافر پھر ان کے
خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ قرآن ان کی زبان پر تھا مگر دل اس کی تاثیر سے محروم اور دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر۔
انہیں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی تھی یقرئون القرآن لا یجاوز حنا جرحہم (الحديث) قرآن
پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے چنبرہ گردن (ہنسیوں) سے آگے نہیں بڑھے گا (نہ دل پر اثر کرے گا اور نہ عند اللہ
قبولیت کی منزل پر پہنچے گا)۔ (بخاری شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے دریافت فرمایا حضرت
علیؓ کے بارے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟ جواب دیا کہ وہ دین کے بارے میں لوگوں کو حکم بناتے ہیں اور انسان کے
فیصلے کا اعتبار کرتے ہیں جو قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے قرآن میں ہے ان الحکم الا للہ سیدنا حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما نے فرمایا۔ خود قرآن میں انسان کو حکم بنانے کا حکم موجود ہے مثلاً حالت احرام میں اگر کوئی شکار کر لے تو اس
کے لئے خدائے پاک نے جزا مقرر فرمائی ہے مثل ماکل۔ یعنی مارے ہوئے جانور کا مثل اور مماثلت کا فیصلہ دو عادل
مسلمانوں کے حوالے کیا ہے ”یحکم بہ ذوا عدل منکم“ اسی طرح میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں ارشاد
ربانی ہے فابعثوا حکماً من اہلہ و حکماً من اہلہا (سورہ نساء) یعنی ایک حکم مرد کے کنبہ کا اور ایک حکم
عورت کے کنبہ کا بھیجو (فیصلہ ان کے حوالے کر دو)۔

سامرودی صاحب بھی قرآن کے معنی و مطلب کو سمجھے بغیر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا ورد کرتے ہیں اور
حدیث حدیث پکارتے رہتے ہیں۔ مگر قرآن پاک کی دوسری آیات و احادیث اور تعامل صحابہ وغیرہ سے آنکھ بند کر لیتے ہیں
خوارج نے حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کرام کو معاذ اللہ گمراہ کہا تھا مگر سامری صاحب ان تمام اہل ایمان اور
حاملان دین کو جو تیرہ سو برس سے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ جن میں صحابہ کرام۔ تابعین و تبع تابعین اور
دین کے تمام مقدس بزرگ اولیاء اللہ مشائخ طریقت حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور
حضرت امام احمدؒ ضلیل وغیرہ سب داخل ہیں سب کو مخالفین سنت اور مخالفین حدیث اور معاذ اللہ گمراہ ثابت کرتے ہیں اور
تعالیٰ صحابہؓ پر عمل کر کے بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنے کو فریب خوری قرار دیتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)
شعر:-

انقلاب چمن دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو نجیل

(۱) یعنی یہ ناقص العلم شخص بظاہر انسان ہے جس پر شریعت کے احکام نافذ ہیں اور وہ نمائشی طور پر ان پر عمل بھی کرتا ہے مگر درحقیقت اس کا نفس خبیث
ایک دیو ہے اور یہ احکام شریعت کی پابندی دل سے نہیں کرتا بلکہ اس طرح کرتا ہے جیسے کسی دیو یا جن کو گرفتار کر لیا جائے اور وہ تعمیل پر مجبور ہو جائے
ایسے ناقص شخص کے ہاتھ میں اگر ہاتھ دے دیا گیا تو ظاہر ہے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیا۔ (معاذ اللہ)

بو حنیفہ کو کہے طفل و بتان جاہل
 مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل
 حسن یوسف میں بتانے لگا ابرص سو عیب
 لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی بیچ ہے فیل
 شرک توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
 لوح محفوظ کو کہتی ہے مخرف انجیل
 سامری موسیٰ عمران کو کہے جادو گر
 شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجھیل
 اپ تازی شدہ مجروح بزمیر پالان
 طوق زریں ہے گدھے کے لئے عزت کی دلیل

مولوی سامرودی صاحب کے اشتہارات اور چیلنج کے مثال وہی ہے وانتم سکاری کو حذف کر کے لا
 تقرّبوا الصلوٰۃ سے استدلال کیا جائے (نماز کے پاس نہ جاؤ) یا شوق شراب کی خرمستی میں ”ولا تسرفوا“
 فراموش کر دیا جائے اور کلووا و اشربوا۔ گو بار بار دہرایا جائے۔ اکبر الہ آبادی نے ایسے خود فراموشوں کی یاد دہ گونی
 نقل کر کے خوب جواب دیا ہے:-

(دلیل) توبہ جب ہم کریں شراب و کباب سے قرآن میں جو آیا کلووا و اشربوا نہ ہو

(الجواب) تسلیم قول آپ کا تب ہم کریں جناب کلووا و اشربوا کے آگے ولا تسرفوا نہ ہو

خدا کی پناہ۔ انتہا ہو گئی اس جرأت اور دیدہ دلیری کی جو سامرودی صاحب نے اختیار کی ہے آپ نے اپنے
 اشتہارات میں طحطاوی، اشباہ، مراقی الفلاح حضرت مولانا محمد قاسم کی کتاب ”مکتوبات“ مولانا انور شاہ صاحب کی
 عرف شہزی، علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر، علامہ عینی کی شرح بخاری علامہ حلبی کی کبیری، ملا علی قاری کی مرقاۃ اور طحطاوی
 شریف کے حوالے دیئے ہیں۔ مگر تعجب اور حد درجہ تعجب ہے کہ جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ناقص۔ تراشیدہ۔ منشاء اور مقصد
 کے سراسر خلاف۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ملاحظہ فرمائیے اور دیدہ دلیری کی داد دیجئے۔ ہر ایک کی کتاب کی مثال پیش کی جا رہی ہے ان اریسہ الا

الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

(۱) طحطاوی:

(۱) علامہ طحطاوی طویل بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں فعلی هذا یكون عشرون ثابتاً من فعله

صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر بیس ۲۰ رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں

(طحطاوی، شرح در مختار ج ۱ ص ۳۶۶ صلاة التراويح) نیز تحریر فرماتے ہیں بیس رکعت تراویح دس۔ ۱۰ التسلیمات سے

متواتر ہے یعنی زمانہ سلف سے آج تک اس پر برابر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے (ج ۱ ص ۴۶۸ صلوۃ التراویح)

(۲) مراقی الفلاح:

میں ہے۔ التراویح سنة مؤکدہ وہی عشرون رکعة باجماع الصحابة رضی اللہ عنہم بعشر تسلیمات کما هو المتورات یعنی تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اجماع صحابہ کے بموجب اس کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں دس سلاموں سے، جیسا کہ زمانہ سلف سے سلسلہ وار برابر چلا آ رہا ہے (باب التراویح ص ۸۱)

(۳) الاشباہ والنظائر:

والتراویح عشرون رکعة بعشر تسلیمات یعنی تراویح بیس ۲۰ رکعت ہیں دس سلام سے (اشباہ مع شرح خموی ص ۴۷ صلوۃ التراویح)

(۴) لطائف قاسمی:

حضرت مولانا محمد قاسم اطائف قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:-

(الجواب) (۱) اینکہ ہر چہ صحابہؓ براں مواظبت فرمودہ باشند سنت مؤکدہ میباشد بقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وبتہ الجنتنا، الراشدین (مکتوب سوم ج ۱ ص ۱۶) (یعنی) جس (بات) پر صحابہ کرامؓ نے مواظبت کی ہے (جس کو وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں) وہ سنت مؤکدہ ہوتی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بسنتی الخ)

(الجواب) (۲) الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہؓ وراخر زمان عمر ثابت شدہ، پس سنت باشد وکسے کہ از سنیت آل انکار دارد خطا است (مکتوب سوم ص ۱۸)

الحاصل بیس رکعت تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے آخری دور میں باجماع صحابہؓ ہو چکا ہے لہذا بیس رکعت سنت ہے اور جو کوئی بیس رکعت کی سنیت سے انکار کرے وہ خطا اور غلطی پر ہے (ص ۹) اس کے علاوہ تصفیۃ العقائد میں آپ کا فتویٰ موجود ہے جو آخر میں مع سوال پیش کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے ص ۳۴۲۔

(۵) حضرت علامہ انور کشمیری:

آپ کی مطبوعہ تقریر ترمذی المعروف ”عرف شذی“ میں ہے لم یقل احد من الائمة الا ربعة باقل من عشرين رکعة والیہ جمہور الصحابة رضی اللہ عنہم یعنی چاروں اماموں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس ۲۰ رکعت سے کم کا قائل نہیں۔ جمہور صحابہؓ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ بیس ۲۰ سے بھی زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں (عرف الشذی ج ۱ ص ۳۲۹ کتاب الصوم باب الترغیب فی قیام شہر رمضان وما جاء فیہ من الفضل) عرف الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویجہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے۔ جو حضرات مکہ معظمہ میں حرم شریف میں

تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویج کے وقفہ میں خانہ کعبہ کا ف کر لیا کرتے تھے۔ اہل مدینہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تذکر اس طرح کرتے تھے کہ چار ترویجوں میں سولہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے (العرف الشذی ص ۳۲۹)۔

(۶) علامہ ابن ہمام:

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں، سند صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں صحابہؓ وغیرہ (تابعینؓ) بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے جو یزید ابن رومان سے مؤطا امام مالکؒ میں مروی ہے اور یہی نے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں ہم بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے جس کی سند صحیح ہونے کی تحقیق امام نوویؒ نے خلاصہ میں کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۰۷ باب قیام شہر رمضان)

(۷) عینی شرح بخاری:

علامہ عینی شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ان سب کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بیہقیؒ نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزیدؒ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعینؓ رحمہم اللہ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل و انسب طریقہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین کا ہے۔ (عمدة القاری شرح بخاری ج ۷ ص ۱۷۸ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۸) علامہ حلبی:

علامہ حلبیؒ کبیریؒ میں فرماتے ہیں۔ علم من هذه المسئلة ان التراویح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعند مالک ستة وثلاثون ركعة احتجاجاً بعمل اهل المدينة وللجمهور ما رواه البيهقي باسناد صحيح عن السائب ابن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله عنه بعشرين ركعة وعثمان رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه مثله وهذا كاجماع. یعنی بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے، دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقیؒ نے بسند صحیح روایت کیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمانؓ علیؓ (رضی اللہ عنہما) کے دور میں۔ اور مؤطا میں یزید ابن رومان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان میں تیس ۲۳ رکعت و ترویں سمیت پڑھا کرتے تھے، اور کتاب ”المغنی“ میں حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ فرمایا یہ مثل اجماع کے ہے۔ ابن رومان کی روایت اگرچہ منقطع ہے مگر امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے اس لئے معتبر ہے۔ (کبیری ص ۳۸۸ صلوۃ تراویح تحت قوله والصحيح انهم يصلون فرادی)

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ:

علامہ ملا علی قاری شرح النقایہ میں تحریر فرماتے ہیں:- فصاراجماعاً لما روی البیهقی باسناد صحیح انہم کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعة وعثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ۔ یعنی امام بیہقی نے بسند صحیح حضرت عمرؓ کے زمانے میں اور حضرت عثمانؓ و علیؓ رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بیس ۲۰ رکعت پڑھنے کے روایت کی ہے لہذا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۰۴ صلوٰۃ تراویح)

(۱۰) طحاوی شریف:

بے شک امام طحاویؒ نے تین رکعت وتر کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ تراویح کی رکعتیں ۸ تھیں۔ لیکن اگر امام موصوف اس کے قائل تھے تو ان کو یہ روایت تراویح کے بیان میں نقل کرنی چاہئے تھی مگر وہاں نقل نہیں کی کیونکہ معلوم تھا کہ تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔^(۱) اب حدیث اور حضرات محدثین و مجتہدین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

احادیث اور حضرات محدثین و ائمہ مجتہدین کے اقوال و ارشادات

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعة والوتر۔ بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰۃ باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو ابن ابی شیبہؒ نے معنیف میں بطبرانی نے کبیر میں ابن عدی نے مسند میں اور بغوی نے مجمع صحابہ میں نقل کیا ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔ زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۳۶۶ باب قیام شہر رمضان۔

حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلئیں فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغدانی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونہا من حدیث عائشۃ دون عدد الرکعات۔ ترجمہ:- آنحضرت ﷺ نے دو رات بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا۔ مجھے خیال ہو گیا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو نبھار نہ سکو گے۔

(۱) روایت یہ ہے عن المسائب بن بزید قال امر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وقيما الداری ان يقوموا للناس باحدى عشرة رکعة قال فكان القاری یقرء بالمئین حتی یعمد علی العسی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر معانی الآثار للطحاوی باب الوتر ص ۲۰۵ روایت کا اثری جملہ وما کنا ننصرف الخ بتارہا ہے کہ یہ صلوٰۃ لایل یعنی تہجد سے متعلق ہے تراویح سے نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں متفق علی صحۃ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے تلخیص الحبر فی تخریج احادیث الرافع الكبير ج ۱ ص ۱۱۹ الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵ اللوامع الدراری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۵ ۱۵۶ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ ونحو فی العناية علی مستخلص الحقائق ص ۲۰۳ للمحدث الفقیہ شیخ اکمل الدین رحمہ اللہ وھکذا قال الفقیہ المحدث السيد جلال الدین الكرلانی الخوارزمی فی الکفایۃ مع الھدایہ ج ۱ ص ۱۶۳ فصل فی التراویح.

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے والتراویح سنة مؤکدة عشرون رکعة بما روى ابو بکر عبد العزيز الشافعي عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في شهر رمضان عشرين ركعة (ونحوہ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۰ صلوۃ التراویح) سامرودی صاحب کے ہم مشرب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کو بھول جاتے ہیں کہ سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر فرمائی یا بالسراور جہاں اختلاف ہی نہ ہو حضرات صحابہ کے دور مقدس سے لے کر آج تک ان تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی ہے یہ اتفاق یہ عمل تو اتر اور تلقی بالقبول خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے، چنانچہ ایسے اقتباسات ہزاروں پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے تلقی بالقبول ثابت ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند پراکتفا کرتے ہیں۔

(۱) امام ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوری (المتوفی ۲۵۱ھ) حضرت ابن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۴۰ھ) تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعی کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے (ترمذی ج ۹ ص ۹۹ کتاب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

(۲) حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ فصلی بہم عشرين ركعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ و تابعینؓ کو) بیس ۲۰ رکعت پڑھائی (ج ۲ ص ۲۸۳)

(۳) حدیث کی تیسری مشہور کتاب بیہقی میں ہے کہنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بیہقی ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصلوۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۹۳ فصل فی قیام شہر رمضان)

(۴) حدیث کی چوتھی مشہور کتاب موطا امام مالکؓ میں ہے کہ یزید ابن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ عن یزید بن رومان قال کان الناس يقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة. ص ۴۰ ماجاء فی قیام رمضان.

(۱۲) علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں ثم تقرر الامر علی عشرين رکعة (پھر بیس رکعت پر اتفاق ہوا) (رسائل الارکان ص ۳۸ فصل فی صلوة التراویح)

(۱۳) حافظ حدیث ابن ہمام کی تحقیق ”بالاخر بیس ۲۰ رکعت پر اتفاق ہوا اور یہی متواتر ہے“ (فتوح القدیر ج ۱ ص ۲۰۷ فصل فی التراویح) ثم استقر الامر علی العشرين فانه المتواتر (حوالہ مذکور)

غیر مقلدوں کے مقتدی اور امام حافظ ابن تیمیہ نے بھی حدیث مذکور نقل فرمائی ہے (دیکھئے منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۳)

(۱۴) شیخ الاسلام علامہ عینی نقل فرماتے ہیں ”کانوا یقومون علی عهد عمر رضی اللہ عنہ بعشرين رکعة وعلی عهد عثمان وعلی مثله الخ“ یعنی صحابہ کرام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح عمل ہوتا تھا، سند صحیح ہے (عینی شرح بخاری شریف ج ۷ ص ۱۷۸ کتاب التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ) (۱۵) ”فیض الباری“ شرح بخاری شریف میں ہے، سأل ابو یوسف ابا حنیفة رحمہما اللہ تعالیٰ هل کان لعمر رضی اللہ عنہ عهد من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عشرين رکعة فقال له ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ لم یکن عمر رضی اللہ عنہ مبتدعاً باب قیام النبی باللیل فی رمضان۔

(ترجمہ) حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ کیا حضرت عمرؓ کے پاس بیس ۲۰ رکعات تراویح کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد (کوئی قول وقرار) تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اپنی طہ سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے یقیناً ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت تھا (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۲۰ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ) (مراقی الفلاح ص ۸۱ بتغیر فصل فی التراویح) (بحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ اخر باب الوتر والنوافل)

(۱۶) ”موطا امام محمدؒ میں امام محمدؒ فرماتے ہیں وبهذا نأخذ... لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك وراوه حسنا وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ما راہ المؤمنون حسنا فهو عند اللہ حسن (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو رمضان میں امام بنا کر تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے (اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں... اس لئے کہ مسلمانوں (صحابہؓ) نے اس (بیس رکعات) پر اجماع کیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان (صحابہؓ) جیسے پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔“ (ص ۱۱۱-۱۱۲ باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل)

(۱۷) ”المستقی من اخبار المصطفیٰ“ میں ہے کہ ”حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم رمضان میں (بشمول وتر) تیس رکعتیں پڑھتے تھے (ص ۷۸)

(۱۸) حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (قاضی مدینہ منورہ) سے روایت ہے ان عمر بن الخطابؓ امر رجلا ان یصلی بہم عشرين رکعة، اسنادہ مرسل قوی (یعنی) بیشک حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک

ساحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس ۲۰ رکعات پڑھایا کریں اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ بحوالہ رکعات التراویح) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۱۹) حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدينة عشرين رکعة یوتر بثلاث، اسنادہ مرسل قوی (یعنی) حضرت ابی بن کعب رمضان میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح)

(۲۰) حضرت ابوالخطیب فرماتے ہیں کان یؤمناسوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویجات عشرين رکعة، اسنادہ حسن (ترجمہ) حضرت سوید بن غفلة رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویجوں میں بیس ۲۰ رکعات پڑھاتے تھے، اس کی سند حسن ہے۔ (نیہتی ج ۲ ص ۴۹۶) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح)

(۲۱) حضرت شتیر بن شغل (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کے شاگرد رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (۲۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوة باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۴ باب قیام شہر رمضان)

جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثاً وعشرين رکعة بالوتر واسنادہ حسن (ترجمہ) میں نے صحابہ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں بیس رکعت پڑھنے دیکھا ہے۔ ”اس کی سند حسن ہے“ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) (فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التہجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۲ ص ۲۱۹) (قیام اللیل ص ۹۱) (آثار السنن ج ۱ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۲۳) حضرت نافع شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں کان ابن ملیکۃ رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی رمضان عشرين رکعة ”اسناد حسن“ (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ ایضاً) (حضرت ابن ابی ملیکہ بیس رکعت پڑھاتے تھے) (اس کی سند حسن ہے)

(۲۴) حضرت اعمشؓ فرماتے ہیں ان عبداللہ بن مسعود کان یصلی عشرين رکعة ویوتر ثلاث۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر۔ ”اس کی سند مرسل قوی ہے“

”(عمدة القاری شرح صحیح البخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۷۴) (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۵) حضرت ابوالخثریٰ رمضان میں پانچ ترویجات پڑھتے تھے اور تین وتر“ (مصنف ابن ابی شیبہ ص

(۴۰۶)

(۲۶) حضرت ابوالحسنؓ سے روایت ہے ان علی بن ابی طالب امر رجلاً یصلی بنا خمس

تسروہیات عشرین رکعة (ترجمہ) حضرت علی بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ہمیں پانچ ترویجوں میں بیس ۲۰ رکعت پڑھائیں۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان) (عمر بن قیس کی متابعت کی وجہ سے روایت قوی ہے۔ دیکھئے (الجوہر النقی ج ۱ ص ۲۰۸ ایضاً) (عمدة القاری

شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷ باب قیام النبی

(۲۷) حضرت محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة (ترجمہ) حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۸) حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویجات ویوتر بثلاث (ترجمہ) علی بن ربیعہ رمضان میں پانچ ترویجات (بیس ۲۰) رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر۔ اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ باب فی الترویج بعشرین رکعات)

(۲۹) علامہ سبکی شافعی فرماتے ہیں کہ ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو سند صحیح ثابت ہے (شرح المنہاج)

(۳۰) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث الاعظم) فرماتے ہیں۔ وہی عشرون رکعة بجلوس عقب کل رکعتین ویسلم (ترجمہ) اور وہ بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے۔ نو فی کل رکعتین اصلی رکعتی الترویج المسنونة (اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں) (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۱-۱۰)

(۳۰) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں الترویج وہی عشرون رکعة و کیفیتہا مشہورۃ وہی س۶۰ رکعة (ترجمہ) تراویح بیس رکعت ہے اس کی کیفیت (طریقہ) معلوم ہے اور وہ سنت موکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۸ من الروایات صلاة الترویج) وقولہ عشرون رکعة بیان لکمیثہا وهو قول الجمهور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بثلاث وعشرین رکعة (ج ۲ ص ۶۶) (یعنی) اور بیس رکعت جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا میں ہے یزید بن رومان نے فرمایا کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں (وتر سمیت) تیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۳۱) شیخ احمد رومی فرماتے ہیں والصحابۃ حینئذ متوافرون منهم عثمان وعلی وابن مسعود و العباس وابنہ وطلحة والزبیر ومعاذ و غیرہم من المهاجرین والا نصار وما رد علیہ واحد منهم بل ساعدوہ ووافقوہ وامروہ بذلك وواظبوا علیہا حتی ان علیاً اثنی علیہ ودعاه بالخیر وقال نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجدنا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی وہی عشرون رکعة (مجالس الا برار مجلس نمبر ۲۸)

(ترجمہ) اس زمانہ میں جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان حضرت علی ابن مسعود عباس اور ان کے

ساجزادے ابن عباس حضرت طلحہ حضرت زبیر، حضرت معاذ اور ان کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین و انصار موجود تھے، کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا، ان کی تائید و موافقت کی اور اسی کو جاری اور رائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت مرثیٰ تعریف کی (ان کا شکر ادا کیا) اور ان کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے (رضی اللہ عنہ) ہماری مسجد روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقے اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں گے، ان کے طریقہ کو لازم پکڑو اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں (مجالس الا برار ص ۲۸ ص ۱۸۷)

(۳۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس ۲۰ رکعت مقرر ہوئی تھیں و زادت الصحابة ومن بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشياء الا جماع له فی مساجدهم وذلك لا نه یفید التیسیر علی خاصتهم وعامتهم واداءه فی اول اللیل مع القول بان صلوة اخر اللیل مشہودہ وھی افضل کما نبہ عمر رضی اللہ عنہ لهذا التیسر الذی اشرنا الیہ عدده عشرون رکعة (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۶۷ من النوافل قیام شہر رمضان)

(۳۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں ”من بعد عدد بیست وسه را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود (یعنی) صحابہ کرام نے بیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۶)

(۳۴) مولانا قطب الدین خاں محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں (مظاہر حق ج ۱ ص ۲۳۳ باب قیام شہر رمضان)

(۳۵) علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ صحابہ نہیں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا اس لئے تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔ فتح الملہم شرح صحیح المسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب الترغیب فی قیام رمضان هو التراویح)

جب ان حوالجات سے جو مشتے نمونہ ازخروارے ہیں آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہو گیا کہ اگر پہلے کچھ اختلاف بھی رہا ہو مگر حضرت فاروق اعظمؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو گیا۔ حضرت فاروقؓ کی بعد باقی خلفاء راشدین (حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ) کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ تو سب حضرات علماء محدثین اور فقہاء کرام کے مندرجہ ذیل اقوال پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں۔

تراویح باجماعت شعار اسلام میں سے ہے۔ نماز عید کے مشابہ ہے۔ (لانه من الشعائر الظاهرة فاشبهه صلوة العید) (نووی شرح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۹)

فمودی ثمان رکعات کیون تارکاً للذیہ الموکدة (تعلیقات ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱) تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہوگا۔ جب ترک سنت کی بات آگئی تو ہر ایک صاحب ایمان کو ترک سنت کی وعید اور سزا سے

خائف رہنا چاہئے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ستہ لعنتہم ولعنتہم اللہ وکل نبی مجاب۔ الزائد فی کتاب اللہ عزوجل والمکذب بقدر اللہ عزوجل والستحل حرمة اللہ والستحل من عترتی ما حرم اللہ والتارک للسنۃ۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۰۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ چھ شخص وہ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر ایک برگزیدہ نبی نے ان پر لعنت بھیجی ہے۔ وہ شخص جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے۔ جو تقدیر کی تکذیب کرے جو ایسی چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ جو میری آل و اولاد میں سے اس کو حلال کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور جو تارک سنت ہو۔

اس کے بالمقابل ہر ایک صاحب ایمان کو یہ بشارت ہونی چاہئے کہ رمضان شریف کی برکت سے سنت تراویح کا ثواب فرض کے برابر ہوگا (انشاء اللہ) کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان شریف میں کسی بھی خصلت خیر (اچھی بات) کا ثواب فرض جیسا ملتا ہے۔ من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادى فريضة فيما سواه (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۳) وفقنا اللہ لما یحبہ ویرضاه۔ امین۔

تفصیلی جائزہ

سنجیدہ تنقیحات۔ منصفانہ فیصلے کے لئے عادلانہ شرائط اور ان کے تقاضے

اوپر کے صفحات میں سامرودی صاحب کے غلط حوالوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے، پھر وہ اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن سے میں ۲۰ رکعت کا تواتر اور تواتر معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک سامرودی صاحب کے بلند بانگ دعوؤں کا تعلق ہے ان کی تردید کے لئے یہ تحریر کافی ہے۔ لیکن یہ فقیر چاہتا ہے کہ مسئلہ کی مزید وضاحت کی جائے۔ سامرودی صاحب بظاہر ان میں سے ہیں جو سنے کو ان سنا کر دیتے ہیں لہم اعین لا یصرون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے طلب حق کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ سنجیدہ تحقیق کی قدر کرتے ہیں اور اس سے مطمئن ہوتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔ فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (سورہ زمر ع ۲) (اے پیغمبر۔ میرے ان بندوں کو بشارت سنا دو جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو اچھی بات ہوتی ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں۔) یہی صاحب اخلاص طالبان حق جو بشارت خداوندی کے مستحق ہیں، ہمارے مخاطب ہیں۔ وباللہ التوفیق۔)

جب کسی شخص یا کسی جماعت کی طرف سے کوئی اعتراض سامنے آئے تو ایک حق پرست انصاف پسند کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ رائے قائم کرنے اور کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے سے دیکھے کہ وہ شخص یا وہ جماعت جس پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے اس کا طرز و انداز اس کا ذوق و فکر اور اس کا کردار کیا ہے اور اس اعتراض کی نوعیت کیا ہے۔ اگر اس شخص یا اس جماعت کی کچھ مشہور و معروف خصوصیتیں ہیں جو اعتراض کرنے والے کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو کیا ان خصوصیتوں

کے ہوتے ہوئے ممکن ہے کہ یہ الزام اس جماعت یا اس شخص پر چسپان ہو سکے یا الزام لگانے والے کے متعلق یہ بہت درست ہوگا۔

گرمہ بیند بروز شپہرہ چشم (۱)
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

اگر سامرو دی صاحب کو خوش کرنے کے لئے تسلیم کر لیا جائے کہ تراویح کی بیس رکعتیں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں تو پھر لازمی طور پر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت اور حضرات صحابہ کی جماعت سے آتی ہے کیونکہ یہی حضرات تراویح کے موجد قرار پاتے ہیں نیز نماز اور قرآن حکیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے کیونکہ تراویح کی حقیقت یہی ہے کہ خاص طرح پر نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے جس میں بلا قساط پورا قرآن شریف دہرایا جاتا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت ایسی ہے کہ کسی بدعت کی موجد ہو سکے بالخصوص قرآن شریف اور نماز کے بارے میں کوئی نئی ایجاد امت کے سر مڑھ سکے۔

کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت لوگوں کے اعتراض سے بالا تھی اور کوئی ان کے سامنے زبان نہیں ہلا سکتا تھا، کیا کوئی صحابی اور خصوصاً جماعت صحابہ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بدعت کو دیکھ سکتے تھے۔ آئیے اور ہر ایک تنقیح کا جائزہ لیجئے۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو پہچاننے کی کوشش کیجئے۔

یہی وہ عمر ہیں جن کا خطاب فاروق ہے کیونکہ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک قول حق و باطل کے درمیان فرقان ہوتا ہے جو دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتا ہے۔ جن کی خصوصیت صادق مصدوق ﷺ کی لسان صداقت آفرین نے یہ بیان فرمائی ہے اشدھم فی امر اللہ (خدا کے معاملہ) (دین کی باتوں) میں نہایت سخت ہیں) آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد نے تو اتر کی حیثیت اختیار کر لی ہے اکثر خطباء خطبہ جمعہ میں اس ارشاد کو برسر منبر دہراتے ہیں۔ یہ وہی عمر ہیں جن کے نام نامی سے شیطان بھی لرزتا ہے حتیٰ کہ جس راستہ پر عمر فاروقؓ قدم رکھتے ہیں شیطان کا وہاں گزر نہیں ہو سکتا۔ وہ اس راستہ سے کتر اگر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (حدیث صحیح) بایں ہمہ استقامت و تقدس آپ کا ارشاد یہ ہے۔

احب الناس الی من رفع الی عیوبی (تاریخ الخلفاء) (مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو مجھ تک میرے عیب پہنچائے) (جو مجھے میری غلطی سے آگاہ کرے)

اچھی طرح پہنچانے یہ عمر فاروقؓ وہی ہیں جنہوں نے عہد خلافت کے بعد سب سے پہلا اعلان یہی کیا تھا کہ ”میری اطاعت اس وقت تک ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے فرمان اور سیرت صدیق پر عمل کرتا ہوں۔ اور جہاں خالق کی معصیت ہو وہاں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔“

پھر یہ اعلان رکھی نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت اور سراسر حقیقت تھا اور مختلف عنوانات سے آپ اس کا اعادہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے برسر منبر دریافت فرمایا:-

(۱) اگر دن میں چوگا ڈر نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کا کیا تصور۔

لوگو! اگر میں سنت نبوی اور سیرت صدیقی کے خلاف کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے۔ لوگ خاموش رہے۔ پھر دوبارہ آپ نے دریافت فرمایا۔ تو ایک جوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور اشارہ کر کے بتا دیا یعنی انقلاب برپا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا جب تک یہ جرأت باقی ہے امت گمراہ نہیں ہو سکتی۔ (سیرۃ خلفاء راشدین ص ۶۸) ایک مرتبہ آپ تقریر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اسمعوا و اطیعوا۔ (سنو اور عمل کرو) ایک شخص نے فوراً کھڑے ہو کر اعلان کر دیا لا نسمع ولا نطیع (نہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور نہ آپ کے کہنے پر عمل کریں گے) فاروق اعظمؓ نے اس اعلان کرنے والے کی گردن اڑا دینے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وجہ دریافت کی۔ اعلان کرنے والے نے جواب دیا کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں مساوات سے کام نہیں لیا۔ یہ کپڑا جس کا آپ حلقہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں ہمیں بھی ملا ہے مگر ہم اس میں حلقہ (چادر اور تہبند) نہیں بنا سکے اور آپ نے حلقہ بنا لیا۔ آپ نے ہم سے دو گنا لیا ہے مساوات نہیں برتی۔

عمر فاروقؓ نے خود جواب نہیں دیا بلکہ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کو طلب فرمایا۔ انہوں نے شہادت دی کہ جو کپڑا مجھے ملا تھا وہ میں نے حضرت فاروقؓ (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح دو حق داروں کے دو حصوں سے مل کر یہ ایک حلقہ بنا ہے اعتراض کرنے والے نے اپنی جرأت کی کوئی معذرت نہیں کی بلکہ نہایت سادہ انداز میں کہہ دیا۔ اچھا اب آپ فرمائیے ہم سنیں گے اور عمل کریں گے دیکھئے الاسلام بین العلماء والحکماء ص ۷۲۔ (گویا معمولی بات تھی کہ فاروق اعظمؓ کے متعلق غلطی کا شبہ بھی ہو تو عام مسلمانوں کی عدالت اس کی تحقیق کرے اور فیصلہ صادر کرے)

پھر یہ آزادی صرف مردوں کو حاصل نہیں تھی بلکہ عورتوں کو بھی تنقید کا اتنا ہی حق تھا اور وہ بھی ایسی ہی جرأت اور لیری سے جرح کیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے خطبہ میں ہدایت فرمائی کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھتے جائیں۔ (آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کے یہی مہر مقرر فرمائے تھے۔ صاحبزادی محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے مہر بھی پانچ سو درہم ہی تھے) ایک قریشی بڑھیا نے برجستہ جرح کر دی کہ ارشاد خداوندی ہے و اتیتہم احداهن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً۔ (اگر تم دے چکے کسی بیوی کو مال کا توڑا (ڈھیر) پس مت واپس لو اس میں سے کچھ) سورۃ نساء ع ۱۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے قنطار پر بھی پابندی نہیں لگائی تو آپ کو کیا حق ہے کہ چار سو درہم سے زائد پر پابندی لگا دیں۔ (خلاصۃ التفاسیر ج ۱ ص ۳۶۳)

صحابہ کرام اور بدعت سے نفرت:

یہ عمر فاروقؓ ہیں (رضی اللہ عنہ) اب حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار پر نظر ڈالئے۔ ان کا ذوق کیا تھا اور ان کی فطرت کیا۔ یہ چکی تھی۔ یہ مقدس طبقہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان (ﷺ) کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ جس کو آخری پیغام کا حامل بنایا۔ جو اس دین کامل کا محافظ اول اور مبلغ تھا، جو قیامت تک رہنے والا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی سنن مبارکہ کا اتنا دلدادہ اور عاشق تھا۔ بدعت اور خلاف سنت فعل سے اتنا بیزار تھا کہ امت کا

کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ جماعت صحابہ کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی شہادت ہے لو ار احدمن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ ترمذی شریف (ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم) میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔

ذیل کی مثالوں میں آپ صحابہ کرام کی وقت نظر کا جائزہ لیجئے۔ جو باتیں ہمیں بہت معلوم ہوئی ہیں صحابہ کرامؓ کی نظر گنتی کڑی اور سخت ہوئی ہے اور کس طرح وہ بڑے سے بڑے صاحب شوکت و حشمت کو ٹوک دیتے ہیں۔ پھر بنظر انصاف فیصلہ کے لئے کہ کیا ایسے سخت گیر پابند سنت متبع شریعت حضرات کی پوری جماعت کے سامنے ممکن ہے کہ کوئی فعل علانیہ طور پر خلاف سنت ہوتا رہے اور وہ اس پر ہنگامہ برپا نہ کریں بلکہ اس کے خلاف اس میں پورے ذوق و شوق سے شریک ہوں اور قلبی اطمینان کا اظہار کریں، اب مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) پانی بدعت سے سلام بند:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک شخص نے سلام پہنچایا، آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری طرف سے اس کو سلام پہنچانے کی کوئی حاجت نہیں، عن نافع ان رجلا اتی ابن عمر فقال ان فلانا یقرأ علیک السلام فقال انه بلغنی انه قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأہ منی السلام (مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ باب الا یمان بالقدر)

(۲) اذان کے بعد تہویب پر اظہار نفرت:

مکہ معظمہ میں مؤذن نے اذان صبح کے بعد تہویب کہی مثلاً لوگوں کو بلائے کے لئے زور سے پکارا الصلوٰۃ جامعۃ (جماعت تیار ہے) تو حضرت فاروقؓ نے نہایت سختی کے ساتھ دھمکا کر فرمایا الیس فی اذانک ما یکفینا؟ (کیا تو نے اپنی اذان میں جو کہا (حی علی الصلوٰۃ) وہ ہمیں کافی نہ تھا؟) (کفایہ ص ۶۸)

(۳) حضرت علیؓ نے مؤذن کو عشاء کی اذان کے بعد تہویب کرتا ہوا دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو ان علیاً رضی اللہ عنہ مؤذنا یشوب للعثاء فقال اخر حرجہ ہذا المستدع من المسجد (اقامة الحجۃ ص ۷) (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۱ باب الاذان تحت قوله یشوب)

(۴) حضرت ابن عمرؓ نے اذان ظہر کے بعد مؤذن کو تہویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضب ناک ہوئے اور اپنے ساتھی ”حضرت مجاہد“ سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (چونکہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پھر مسجد چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں نماز نہ پڑھی ورنہ عن مجاہد قال دخلت مع عبد اللہ بن عمر مسجداً وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فخرج عبد اللہ بن عمر وقال اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۸ باب ماجاء فی التہویب فی الفجر) (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۸۶) (الاختصاص ج ۲ ص ۲۲۳) (واللفظ للترمذی)

(غور فرمائیے۔ جو حضرات اذان کی بعد ایک لفظ کا پکارنا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا وہ تراویح کی میں ۲۰

رکعتیں برواشت کر لیتے)

(۵) خلاف سنت تقریب سے مقاطعہ:

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو ختنہ میں بلایا گیا تو انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ختنہ کے موقعہ پر نہ ہم جاتے تھے نہ ہمیں بلایا جاتا تھا۔ (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۱۷)

(۶) تلبیہ کے ایک لفظ کے اضافہ سے ناراضگی:

حضرت سعد بن مالکؓ نے ایک حاجی کو تلبیہ میں لبیک ذالمعارج کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے۔ ان سعد بن مالک سمع رجلا يقول لبیک ذالمعارج فقال ما کنا نقول هذا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تلبیس ابلیس ص ۱۷)

(۷) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ان دو کونوں یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کو چھوڑ دیا جائے (بوسہ نہ دیا جائے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة (تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) (اگرچہ خانہ کعبہ کا ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے (مسند امام احمد)

تنبیہ:

جو حضرات خلاف سنت بیت اللہ کو بوسہ دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا ممکن تھا کہ وہ مسجد نبوی (علی صاب الصلوٰۃ والسلام) اور حرم مکہ میں معاذ اللہ بیس رکعت والی بدعت دیکھیں اور خاموش رہیں۔

(۸) بے وقت نوافل پر تنبیہ:

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت طاؤسؓ کو عصر بعد نوافل پڑھتے دیکھ کر روکا اور فرمایا کہ خلاف سنت ہے۔ (۹) حضرت علیؓ نے عید گاہ میں نماز عید سے پہلے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا۔ اور فرمایا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا یا کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اس کے کرنے میں ثواب نہیں ہے، لہذا تیری یہ نماز عبث ہے اور (عبادات میں) عبث کام حرام ہے، اندیشہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے خدا پاک تجھے عذاب دے۔ (مجالس الأبرار ص ۱۸۹) غور فرمائیے حضرت علیؓ دو رکعت نفل نماز کو اس لئے حرام اور مستحق عذاب سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے مطابق نہیں ہے لیکن تراویح کی بیس رکعت سے منع تو کیا کرتے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو پڑھانے کے لئے امام مقرر کرتے ہیں (جیسا کہ نمبر ۲۰ میں گذر چکا ہے)

(۱۰) مسنون وقت سے پہلے خطبہ پر حاکم وقت کو تنبیہ:

حضرت ابوسعید خدریؓ نے خلیفہ مروان کو نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے (اقامة الحجۃ ص ۵)

(۱۱) بہت مسنونہ کے خلاف خطبہ پڑھنے پر عتاب اور برہمی:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن بن ام حکم کو خلاف سنت خطبہ بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے، عن ابی عیدۃ عن کعب بن عجرۃ قال دخل المسجد وعبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظروا الی هذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعة)

(۱۲) غلط فتوے پر حاکم اور قاضی (جج) کو تنبیہ:

حضرت ابو موسیٰ شعریٰ حاکم کوفہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ قاضی کوفہ نے میراث کے ایک مسئلے میں ملکیت کے دو حصے فرما کر لڑکی کو ایک اور بہن کو ایک حصہ دینے کا اور پوتی کے محروم ہونے کا فتویٰ دیا اور مستفتی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بھیجا کہ اس سے تصدیق کرائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک یہ فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ آپ نے برجستہ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے جو سنا ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا، اگر کہوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق تعف ملکیت (ترکہ) لڑکی کو اور سدس (چھٹا حصہ) پوتی کو اور بقیہ ترکہ بہن کو دیا جائے (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹ پ ۲۷ کتاب الفرائض باب میراث ابنہ ابنہ مع ابنہ)

(۱۳) دعایا خطبہ میں خلاف سنت ہاتھ اٹھانے پر تنبیہ:

ایک شخص کو دعائیں سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ دلیل میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو دعا کے وقت (سوائے کسی خاص موقع کے) سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ عن ابن عمرؓ انه یقول ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی هذا یعنی الی الصدر۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث)

(۱۴) بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عبداللہ بن ربیعہؓ نے فرمایا قبح اللہ ہاتھ الی یدیتین القصیرتین لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یزید علی هذا و اشار ھشیم بالسبابۃ (یعنی) اللہ ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو خراب کر دے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ ابواب الجمعة باب ماجاء فی کراہیۃ رفع الایدی علی المنبر)۔

(۱۵) قعدہ میں دعائیں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا آنحضرت ﷺ جب تک

نہار سے فارغ نہ ہو لیتے، دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(۱۶) خلاف سنت تشبیح و تہلیل اور ذکر اللہ پر ناراضگی:

نماز صحیح میں لوگ جمع ہو کر خاص طریقہ سے سو مرتبہ اللہ اکبر سو مرتبہ لا الہ الا اللہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے اس کی خبر حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملی، آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا اے امت محمدیہ! تم پر افسوس تمہاری بلاست کی گھڑی کتنی قریب آگئی ہے، ابھی تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، تمہارے نبی کے پیڑے پرانے نہیں ہوئے ان کے برتن سلامت ہیں اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہو گئے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد ﷺ کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے یا تو تم گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے ہو، جو عنقریب کھلنے والا ہے (ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل پنجم ص ۱۳۰)

(۱۷) ایک روایت میں ہے کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنے مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد للہ کہو اور لوگ کہتے جاتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ اس کی خبر دی گئی، آپ ان لوگوں کے پاس گئے وہ جو کچھ کہتے تھے جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے یا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے۔ اور پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار ص ۱۸ ص ۱۲۵) تعجب ہے جنس تسبیحات پڑھنے پر مسجد سے نکال دیا جائے اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

(۱۸) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے، مگر (گھر میں یا مسجد میں تھا) اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں ملانیہ پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کو بدعت قرار دیا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳۸ ابواب العمرة، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۳۸) (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۰۹)

(۱۹) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورہ فاتحہ شروع کرتے ہوئے آواز سے بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہؓ نے فوراً تنبیہ فرمائی، بیٹا بدعت ہے بدعت سے الگ رہو۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجمعۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

(۲۰) حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ یہ زائد کلمہ یعنی والسلام علی رسول اللہ۔ اپنے منہ بوم کے لحاظ سے بالکل صحیح۔ ہے مگر اس موقع پر خلافت سنت ہے تو حضرت موصوف نے فوراً تنبیہ کی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم نہیں ہے (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹۸ ابواب الآداب باب ما یقول اذا عطس)

نوٹ:- اگر آٹھ بیس بارہ کی زیادتی ہوئی تو کوئی کیوں نہیں بولا؟؟؟

(۲۱) حضرت طارقؓ نے ان کے بیٹے ابو مالک اشجعیؓ نے نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کے متعلق سوال

کیا تو آپؐ نے یہی فرمایا۔ بیٹا۔ بدعت ہے۔ نسائی شریف ج ۱ ص ۱۲۲۔

غور فرمائیے۔ جو حضرات بسم اللہ کے جہر کو۔ چھٹک کے بعد السلام علی رسول اللہ اور نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے جیسی معمولی باتوں کو جو انفرادی طور پر ہوئی تھیں برداشت نہیں کر سکتے ان کو بدعت قرار دے کر رد کر دیا، وہ تراویح کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے جو انفرادی نہیں بلکہ جماعتی طور پر علانیہ ہوتی تھیں اور جن کے لئے دن اور رات کی تمام سنتوں سے زیادہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں یعنی دو چار نہیں بلکہ بیس رکعتیں۔

(۲۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ نماز جنازہ میں وہ بھی شرکت کر سکیں اس لئے فرمائش کی کہ آپ کے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھ لی جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح عراق۔ نہ صرف سابقین اولین میں سے ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمائش کر رہی تھیں مگر مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت تھی تو کیا ہوا؟ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فانکر الناس ذلک علیہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فرمائش کو تسلیم نہیں کیا گیا حضرات صحابہؓ نے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم شریف ص ۳۱۲ کتاب الجنائز)

اگر آٹھ رکعت کے بجائے بیس رکعت بدعت تھیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کا ثبوت نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کا یہ جذبہ انکار بیس رکعتوں کے بارے میں کیوں نہیں رونما ہوا۔

(۲۳) حضرت عمرؓ نے انگلی کی دیت میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے آنحضرت ﷺ کا فرمان پیش کیا گیا جو اس فیصلہ کے خلاف تھا حضرت عمرؓ نے فوراً ہی اپنا فیصلہ بدل دیا۔ (سیرۃ ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۲۵)

نوٹ:- بیس رکعت کا فیصلہ اگر آنحضرت ﷺ کے خلاف تھا تو کیوں کسی نے اس کو پیش نہیں کیا۔

(۲۴) حضرت عمرؓ نے ایک زانیہ کے سنگسار کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ یہ زانیہ دیوانی تھی حضرت علیؓ کو علم ہوا تو آپ نے اس کی مخالفت کی اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی مرفوع القلم ہیں۔ (۱) سونے والا جب تک بیدار نہ ہو (۲) بچہ جب تک بالغ نہ ہو (۳) مجنون جب تک ہوش میں نہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۴۰) حضرت عمرؓ نے صرف فیصلہ واپس ہی نہیں لیا بلکہ آپ نے حضرت علیؓ کا شکریہ ادا کیا کہ غلطی پر متنبہ کر دیا اور جیسا کہ مشہور ہے اسی موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا لا علی لہلک عمر۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

بہر حال جماعت صحابہ کے متفقہ عمل اور بیس رکعت کو خلاف سنت بتلانا غلط ضد اور ہٹ دھرمی ہے، صحابہ کا یہ متفقہ فیصلہ واجب العمل ہے۔ اس فیصلہ کو عمل کے لئے ناکافی سمجھنا اور دوسرے دلائل کا مطالبہ کرنا جہالت و ضلالت ہے۔

حضرت ابو ایوب سختیانیؓ روایت فرماتے ہیں اذا حدثت الرجل بالسنة فقال وعنا من هذا وحدثنا بما في القرآن فاعلم انه ضال (ترجمہ) جب تو کسی کو سنت طریقت بتلائے اور وہ کہے کہ اس کو چھوڑ، قرآن کیا کہتا ہے یہ بتا، تو وہ شخص گمراہ ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۶)

اتباع سنت کا شوق:

حضرت حق جل مجدہ نے (۱) آنحضرت ﷺ کو حکم فرمایا۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني . (سورہ آل عمران)

آپ فرمادیجئے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی عملی صورت یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔ اور میرے نقش قدم پر چلو۔

(۲) مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی:-

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة. تا آخر آیت سورہ احزاب ع ۳.

بے شک تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو، رسول اللہ کی ذات مبارک میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حب رسول اور حب خدا کا معیار یہ فرمایا:-

لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

(یعنی) تم میں سے کسی کا بھی ایمان قابل ذکر نہیں ہے جب تک یہ صورت نہ ہو کہ اس کی چاہ (اس کا جذبہ اور رجحان خاطر) اس کے تابع نہ ہو جائے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔

صحابہ کرام اللہ اور رسول کے ان ارشادات مبارکہ کی مثال کامل اور بہترین نمونہ تھے۔ ایک طرف ان کو بدعت سے بغض اور سخت ترین نفرت تھی جس کی مثالیں گزشتہ صفحات میں گذریں تو دوسری جانب آنحضرت ﷺ کی اتباع کے حریص۔ نقش قدم کے عاشق۔ اور سید الانبیاء محبوب رب العالمین کے اشاروں پر جان دینے والے تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اس سلسلہ میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اجلسوا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ ابن مسعود مسجد کے دروازے پر ہیں (جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں) جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑتا ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں (مسلم شریف)

(۲) آنحضرت ﷺ امامت فرما رہے ہیں۔ نعلین زیر پا ہیں، دفعۃً نعلین نکال دیتے ہیں۔ جن کے پیروں میں نعل تھے وہ بھی فوراً اتار دیتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ صاحبان نے نعل کیوں اتار دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا اس لئے کہ حضور نے اتار دیئے تھے (صحیح) ارشاد ہوا میں نے تو اس لئے اتارے (تھے) کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ نعل میں کچھ نجاست لگی ہوئی ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۰۲ باب الصلوٰۃ فی الفصل)

(۳) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ غصہ جاتا رہے گا سیدنا ابوذر غفاریؓ باغ میں پانی دے رہے تھے ایک شخص نے ایسی حرکت کی کہ نالی کی پال ٹوٹ گئی

اور پانی باہر نکل کر باہر بہنے لگا۔ حضرت ابوذرؓ کو غصہ آیا۔ مگر فوراً آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا۔ آپ وہیں کچھڑ اور پانی میں بیٹھ گئے۔ سارے کپڑے لت پت ہو گئے مگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں تاخیر برداشت نہیں کی (مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

(۴) آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہے کہ کھانے کی چیز اگر زمین پر گر جائے تو اس کو چھوڑ نہ دو یہ کفرانِ نعمت ہے شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ تم شیطان کو خوش مت کرو۔ بلکہ نوالہ گر گیا ہے تو اس کو اٹھا لو اور مٹی لگ گئی ہے تو اسے صاف کر کے باقی کھا لو۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کے دست مبارک سے نوالہ گر گیا۔ وہاں ٹخمی لوگ موجود تھے جو دیکھ رہے تھے ان کے یہاں گرے ہوئے ٹکڑے کا اٹھانا بہت معیوب تھا۔ حضرت حذیفہؓ گرا ہوا نوالہ اٹھانے لگے تو کسی نے کہا، یہاں یہ حرکت نہ کیجئے یہاں ٹخمی موجود ہیں جو اس بات کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے برجستہ جواب دیا۔ أترك سنة حبیبی لہو لاء الحمقاء۔ کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوب (ﷺ) کی سنت ترک کر دوں۔ التنبیہ فی الاسلام ج ۸ ص ۷۸ مختصراً

(۵) سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، جب حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے تمہ کو بوسہ دیا ہے تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری شریف وغیرہ کتاب المناسک باب ما ذکر فی الحجر الاسود ج ۱ ص ۲۱۷)

(۶) خانہ کعبہ میں ایک خزانہ تھا۔ مشرکین چڑھاوے میں سونے چاندی کی قیمتی چیزیں بھینٹ کیا کرتے تھے، وہ اس خزانہ میں جمع کر دی جاتی تھیں۔ اسلام نے اس چڑھاوے کی اجازت نہیں دی مگر اس خزانہ کو ختم بھی نہیں کیا۔ حضرت شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروقؓ خانہ کعبہ کے قریب تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ میں جو کچھ سنہری روپیلی دولت جمع ہے سب تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے دونوں بزرگ رفقاء (آنحضرت ﷺ اور خلیفہ اول صدیق اکبرؓ) نے تو یہ کیا نہیں (جیسے ہی یہ سنا فاروق اعظمؓ کا ارادہ منسوخ ہو گیا) فرمایا۔ یہ دونوں تو وہ ہیں جن کی میں پیروی کرتا ہوں۔ (بخاری شریف ص ۲۱۷ کتاب المناسک باب کسوة الکعبۃ)

(۷) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے وہ تمام مقامات یاد کر رکھے تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے سفر حج میں قیام فرمایا تھا۔ نماز پڑھی تھی۔ یا کوئی کام کیا تھا (بخاری) نے انہیں کی روایت سے ان تمام مقامات کا نشان اور پتہ بتایا ہے (ص ۷۰ باب المساجد التي علی طرق المدینۃ والمواضع التي صلی فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو جہاں جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ وہاں نماز پڑھتے اور جہاں جو کام کیا تھا، وہاں وہ کام کرتے۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ایک گھاٹی میں تشریف لے جا کر آنحضرت ﷺ نے قضاء حاجت کی تھی پھر وضو کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھاٹی میں جاتے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے وضو کیا تھا وہاں وضو کرتے۔ (بخاری شریف ص ۲۲۶ کتاب المناسک باب النزول بین العرفۃ وجمع)

(۸) ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید کئے گئے۔ تاریخ اسلام کا مشہور ظالم حجاج بن یوسف حجاز کا

گورنر بنایا گیا۔ حج کا زمانہ آیا تو لوگوں میں بہت بچینی پھیلی ہوئی تھی اور یقین تھا کہ اس موقع پر دوبارہ جنگ چھڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفر حج کا ارادہ کیا۔ صاحبزادوں نے منع کیا کہ جنگ کا خطرہ ہے۔ ممکن ہے آپ حرم کعبہ تک نہ پہنچ سکیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے (صلح حدیبیہ سے پہلے) عمرہ کا ارادہ کیا تھا تب بھی بہت خطرہ تھا یعنی جنگ کے خطرہ کی وجہ سے ملتوی کر دینا خلاف سنت ہے۔ پھر فرمایا اگر مجھے روک دیا گیا تو آنحضرت ﷺ کی دوسری سنت سامنے ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی داخلہ مکہ سے روک دیا تھا۔ آپ نے ہدیٰ ذبح کی اور احرام ختم کر دیا لہذا میں بھی ہدیٰ کا جانور ساتھ لے جا رہا ہوں اگر مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ (بخاری شریف ص ۲۲۲ باب لحواف القارن)

صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو جاں نثاروں کی ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچے تھے کہ مشرکین مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے بجائے صلح کو پسند کیا۔ کفار قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود بات چیت کرنے آئے۔ جو گفتگو کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ عروہ بن مسعود نے اثناء گفتگو میں صحابہ کرامؓ کا جو رنگ دیکھا تو اس نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے کہا۔

حضرات! میں بادشاہوں کے درباروں میں جاتا رہتا ہوں شاہ ایران اور شاہ روم کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ میں شاہ حبش نجاشی، کی دربار میں بھی گیا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کے جان نثاروں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں (ﷺ) خدا کی قسم میں نے یہ دیکھا کہ محمدؐ کھنکارتے ہیں تو اس کیساتھ کھنکار (لعاب دہن) کو زمین پر نہ گرنے نہیں دیتے (کھنکار کسی کی ہتھیلی پر پڑتی ہے تو وہ فوراً اس کو چہرے پر اور اپنے بدن پر مل لیتا ہے) گویا عطر میسر آ گیا) جہاں کسی بات کا اشارہ پاتے ہیں وہ تعمیل کے لئے چھیٹتے ہیں۔ محمدؐ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑنے لگیں گے۔ جہاں آپؐ نے کچھ بولنا شروع کیا سب دم بخود خاموش ہو جاتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ محمدؐ کی تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ بخاری شریف ص ۳۷۹ باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب و کتاب الشروط مع الناس بالقول۔

نقش پا رسول اللہؐ پر اس طرح جاں نثاری اور فدائیت کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جو فداکار لعاب دہن کو زمین پر نہ گرنے دیں کیا ممکن ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت کو نظر انداز کر دیں؟

تراویح اور حفاظت قرآن

ان علينا جمعه وقرأناه

سامرودی صاحب فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے وقت نظر عطا فرمائی اور جن کو مالک یوم الدین نے توفیق بخشی ہے کہ وہ حقائق پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالیں۔ وہ بیس رکعت تراویح کا سلسلہ قرآن پاک سے جوڑتے ہیں اور اس کو وعدہ خداوندی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ اور انا علینا جمعه وقرأناه کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔

اس کی وضاحت معنی خیز اور نہایت دلچسپ ہے۔

وضاحت:

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت کا آغاز تھا اور آنحضرت ﷺ کی وفات پر چند ماہ گزرے تھے کہ مسلمانہ کذاب سے خون ریز جنگ ہوئی جس میں کئی ہزار صحابہ شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن تھے۔ جنگ ختم ہوئی، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح بخشی۔ مسلمانہ کذاب اور اس کی امت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ یہ صدیق اکبرؓ کا عظیم الشان کارنامہ تھا جس کو اسلام کی عظیم الشان تاریخ کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ مگر سات سو حفاظ قرآن کی شہادت معمولی بات نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک آیت کو جیسے ہی نازل ہوتی قلمبند کرا دیا کرتے تھے۔ تمام آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ مگر یکجا نہیں تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہ احساس پیدا کیا کہ اگر آیات کلام اللہ اور سورتیں یونہی منتشر رہیں اور جن کو پورا قرآن پاک یاد ہے وہ ایسے ہی شہید ہوتے رہے تو فتنہ عظیم رونما ہوگا۔ بہت ممکن ہے معاذ اللہ قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ اس طرح ضائع ہو جائے لہذا ضروری ہے کہ قرآن حکیم صرف سینوں میں نہ رہے بلکہ کتابی شکل میں یکجا جمع ہو جائے۔

یہ ایک عظیم الشان کام تھا۔ وحی الہی سے اس کا تعلق تھا جو اسلام کا بنیادی سرمایہ ہے یہ کام سرکاری طور پر پورے اہتمام کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔ لہذا حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ رسول اللہ ﷺ (ابو بکر صدیقؓ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تجویز پیش کی کہ پورے قرآن پاک کو کتابی شکل میں یکجا ہونا چاہئے۔

صدیق اکبرؓ نے تجویز سنی۔ تو دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنے سے جو نفرت ان کے مقدس قلوب میں جاگزیں تھی۔ اس کی بنا پر پہلے تو حضرت صدیقؓ نے جرح کی۔

کیفُ تفعل شیناً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا اسے آپ کیسے کر سکتے ہیں؟

عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ہذا واللہ خیر (قسم بخدا یہ کام لامحالہ اچھا ہے) پھر ان دونوں مقدسین کے درمیان بحث ہوئی۔ اس بحث کی تفصیل تو معلوم نہیں ہے البتہ حضرت صدیقؓ کا یہ ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلك۔ ورایت فی ذلک الذی رأی عمر

عمر مجھ سے الٹ پھیر (بحث) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کام کے لئے شرح صدر عطا فرمایا (اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا ذہن کی گنجشک جاتی رہی) اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہو گئی جو عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی رائے تھی ان دونوں حضرات کی رائے متفق ہو گئی تو پھر حضرت زید بن ثابتؓ کو اس خدمت پر مامور کرنے کے لئے طلب فرمایا۔

حضرت زید بن ثابتؓ و مقتدر صحابی تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد فرما رکھی تھی ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوتی تو یہی قلمبند کیا کرتے تھے، بہت ذہین، صاحب فہم و ذکا اور اپنے کام میں نہایت چست اور مستعد تھے صحابہ کرام کے معتمد تھے۔ مگر جب حضرت صدیقؓ نے ان پر واضح کیا کہ ان کو جمع قرآن کی خدمت انجام دینی ہے تو یہی سوال آپ نے بھی کیا۔

”کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(آپ صاحبان وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔) اور پھر خود حضرت زید بن ثابتؓ کا

بیان ہے۔

”فلم یزل ابو بکر یواجعی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر۔“
(حضرت ابو بکر مجھ سے جواب و سوال (الٹ پھیر) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا) (مجھے بھی شرح صدر ہو گیا) جس کے لئے ابو بکر و عمر کو شرح صدر ہو چکا تھا۔)

اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پورے حزم و احتیاط سے یہ خدمت انجام دی اور قرآن حکیم کا نسخہ مرتب کیا جو خلیفہ رسول اللہ ﷺ (ابو بکر صدیقؓ) کی تحویل میں رہا۔ ان کی وفات کے بعد خلیفہ دوم (عمر فاروقؓ) کی تحویل میں رہا۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ کرادیا۔ بخاری شریف ص ۴۵ باب جمع القرآن۔

اس کے بعد جب حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ تراویح کی سنت جو آنحضرت ﷺ نے قائم فرمائی تھی (کہ دو روز صحابہ کرام کو تراویح پڑھانے کے بعد جماعت سے اجتناب کیا تھا) صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہیں نیز آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبہ (۱) (صحابہ) پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نفلیں پڑھتے ہیں، کچھ الگ الگ پڑھتے ہیں اور کچھ جماعت بنا لیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں متعدد ہو جاتی ہیں تو آپ نے ارادہ کیا کہ ان سب کی ایک جماعت ہو جائے اور حضرت ابی بن کعبؓ جن کو لسان رسالت (علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام) نے ”اقرءہم کتاب اللہ“ کے مخصوص خطاب کا شرف عطا فرمایا تھا۔ وہ ان کو تراویح پڑھایا کریں تو کنز العمال میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو بلا کر ان پر اپنا یہ ارادہ اور یہ منصوبہ ظاہر فرمایا تو حضرت ابن کعبؓ نے بھی یہی جرح کی کہ جماعت کی یہ صورت جو آنحضرت کے زمانے میں جاری نہیں رہی آپ اس کو کیسے جاری فرماتے ہیں؟ اس

(۱) جو شخص (اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر) ایمان و یقین رکھتے ہوئے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کرے اس کے پہلے گناہ سب بخش دیئے جائیں گے۔

پر بحث ہوئی اور نتیجہ میں حضرت ابی بن کعب کو بھی اسی طرح شرح صدر ہو گیا جیسے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کو پہلے ہو چکا تھا۔ تب آپ نے حضرت فاروقؓ کے ارشاد پر عمل شروع کیا (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴) اور اس طرح تراویح کی باقاعدہ جماعت ہونے لگی۔

یہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ درحقیقت تکمیل ہے ان وعدوں کی جو قرآن حکیم کی ان آیتوں میں کیا گیا تھا۔

الف. انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون (ب) اور ولا تحرك به لسانك لتعجل به.

ان علينا جمعه وقرآنه.

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

باید دانست کہ جمع کردن شیخین قرآن عظیم را در مصاحف مسبیل حفظ آں شد کہ خدا تعالیٰ بر خود لازم ساختہ بود وعدہ اں فرمودہ و فی الحقیقت ایں جمع فعل حق است و انجامز وعدہ اوست کہ بروست شیخین مظهر یافتہ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۵۱) چنانچہ چاہئے کہ حضرات شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا قرآن حکیم کو مصاحف میں جمع کرنا۔ قرآن حکیم کے تحفظ کا راستہ اور طریقہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم فرمایا تھا اور اس کا وعدہ کیا تھا (کہ ارشاد ہوا تھا ہم ہی ہیں اس کے محافظ) درحقیقت یہ جمع کرنا حضرت حق جل مجدہ کا فعل اور اپنے وعدہ کو پورا کر دینا تھا جس کا ظہور حضرت شیخین کے دست مبارک پر ہوا۔

دوسری آیت (ب) کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) سے فرما رہے ہیں آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں وہ کس طرح یاد رہیں گی اور یاد رکھنے کی خاطر اپنے ذہن کو حفظ کرنے کی مشقت میں مشغول نہ کریں۔ یہ کام آپ کا نہیں ہے یہ ہمارا کام ہے جس کا ظہور آپ کی تبلیغ (وحی الہی کو سنا دینے) کے وقت سے عرصہ بعد ہوگا آپ کا کام یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ کی زبانی اس کی تلاوت کی جائے تو آپ کان لگا کر سنتے رہیں۔ ”چون بر زبان جبرائیل تلاوت آن کنیم در پے استماع آن باش۔“

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس وعدہ خداوندی کی تکمیل کی پہلی منزل تو یہ تھی کہ جیسے ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آپ وحی الہی سنتے تھے ”بخط متمکن مے شد“ ذہن میں جم جاتی تھی۔ چنانچہ بطور خرق عادت (اور بطور معجزہ) یہ ہوتا تھا کہ قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کے یاد کرنے میں جو مشقت امت کو برداشت کرتی پڑتی ہے (کہ بار بار یاد کرتے ہیں جب آیت یاد ہوتی ہے) آنحضرت ﷺ کو یاد کرنا تو درکنار دھرانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ خود بخود یاد ہو جاتی تھی۔

دوسری منزل یہ تھی کہ حضرات شیخین کو اس طرح جمع قرآن پر آمادہ کیا۔ یہ ان علینا جمعه (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا) کی ذمہ داری کی عملی صورت تھی۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۰ و ص ۵۱)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ ہی کی وہ شخصیت ہے جو تبلیغ قرآن اور اشاعت قرآن کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ بنی۔ آج کسی بھی گروہ اور کمی بھی طبقہ کا مسلمان قرآن شریف

پڑھتا ہے تو منت فاروق اعظم بر گردن اوست“ (ازالۃ الخفاف ص ۲ ص ۲۰۹) حضرت فاروق کا احسان عظیم اس کی گردن پر ہے۔

حضرت شاہ صاحب کچھ تفصیل کرنے کے بعد بطور خلاصہ فرماتے ہیں۔

اول کسیکہ داعیہ الہیہ در خاطر اور یزش نمود و اورا بمنزلہ جارحہ خود ساخت در اتمام مراد خویش کہ مضمون و انالہ لیا فظون باشد و فوائے ان علینا جمعہ و قرآنہ فاروق اعظم است۔

سب سے پہلا شخص جس کے دل میں تقاضا خداوندی کا نزول ہوا (ریزش ہوئی اور جس کو مشیت خداوندی نے ”انالہ“ لحافظون“ اور ”ان علینا جمعہ و قرآنہ“ کے منشاء کی تکمیل کے لئے اپنا آلہ اور جارحہ (ظاہری سبب) بنایا وہ فاروق اعظم ہیں۔

حضرت شاہ صاحب جمع قرآن۔ حفاظت اور نشر و اشاعت کی ان صورتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم نے اختیار فرمائیں مثلاً قرآن پاک کو کتابی شکل میں مرتب کرانا۔ ہر ایک آیت کے بارے میں علیحدہ علیحدہ تحقیق و تفتیش۔ حفظ کلام اللہ کی ترغیب، کلام پاک حفظ کرانے کے لئے اساتذہ کا تقرر وغیرہ انہیں خدمات کا ایک اہم باب وہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری کی سند سے نقل کیا ہے کہ رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابہ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو بہت بہتر اور افضل ہو۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کر دیا۔ فجمعہم علی ابی بن کعبؓ۔ بخاری شریف ص ۲۶۹ باب فضل من قام رمضان۔

یہ وہی تراویح ہیں جن کے لئے سامروہی صاحب حدیث ضعیف کا مطالبہ کر رہے ہیں اور حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو آلہ اور جارحہ بنا کر اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔

عالمبائیہ حقیقت تھی جس کو ان بزرگوں نے (حضرت ہمدان اکبر عمر فاروق اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم) نے اس وقت پیش نظر رکھا جب غور و خوض اور بحث فرما رہے تھے۔ ورنہ کیا مجال تھی عمر فاروق کی کہ وہ کلام اللہ شریف اور نماز باجماعت کے بارے میں اپنی عقل چلاتے اور من مانی کرتے۔ معاذ اللہ۔ (کسوت کلمۃ تخرج من افواہہم)۔

گروہ اہل حدیث کے مسلم مقتدی و پیشوا حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔ صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۵۸)

جماعت صحابہ معیار حق ہے

کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں

سامرودی صاحب کے یہ فقرے کتنے گستاخانہ ہیں:-

”بنی صاحب نے بیس ۲۰ رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں..... البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس ۲۰ رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے بنی صاحب کی فرماں برداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین، اسلام، شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتی کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (بنی کی نماز گجراتی ص ۵۴)

یہ لوگ کون ہیں؟ ظاہر ہے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم) اسی سلسلہ میں سامرودی صاحب یہ بھی فرما رہے ہیں:-

اب یہی غور و انصاف کی بات ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ہی کی اتباع اور فرماں برداری قرار دی ہے یا لوگوں کی۔ دین۔ اسلام۔ شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی امتیوں کو دیا ہے.....؟ (حوالہ مذکور) ان فقروں کا واضح اور کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سامرودی صاحب صحابہ کرام کو بھی اپنے جیسے لوگوں کی جماعت قرار دے رہے ہیں اور جس طرح ہم جیسے لوگوں کا کردار کوئی شرعی حجت اور معیار حق نہیں ہے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھی معیار حق اور ان کے کردار اور فیصلوں کو حجت شرعی نہیں مانتے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ سامرودی صاحب کو نہ کتاب اللہ کی خبر ہے نہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد مبارکہ کی۔ اگر ان کو تلاوت کلام اللہ کی توفیق ہوتی ہے تو ان کی تلاوت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے مصداق ہے ”لا یجاوز حنا جروہم“ یعنی محض حلق اور زبان کی حرکت تک تلاوت کا اثر ہوتا ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف ”ازالۃ الخفا“ میں قرآن پاک کی تقریباً سو آیتیں پیش کی ہیں، جن کا واضح منشا یہ ہے کہ جماعت صحابہ کو مسلمانوں کی عام جماعتوں پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ شرف بخشا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس امت کا بہترین طبقہ اور خیر لمتہ۔ اور لمتہ وسطاً کا صحیح ترین مصداق اول ہیں بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد صرف جماعت صحابہ ہی ہے جس کو پوری کائنات کی آنکھ کا تارا کہا جاسکتا ہے اور جو یقیناً معیار حق ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ نے ان آیات کو بہت ہی موزوں اور مناسب ترتیب کے ساتھ عہد زریں میں جمع کر دیا ہے جو اردوں میں ازالۃ الخفا کی بہترین شرح ہے تفصیل کو ان کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہم یہاں صرف تین آیتیں پیش کرتے ہیں۔ فیصلہ خود آپ کے حوالہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

۱. فانزل اللہ سیکنتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و الزمہم کلمۃ التقویٰ و کانوا احق بہا

واہلہا، وکان اللہ بکل شئی علیماً۔ (سورہ فتح ۳۷)

ترجمہ:- پس نازل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون (اور اطمینان) اپنے رسول پر اور مومنین پر، اور ان کو جمادیا۔ تقویٰ کی بات پر (چپکادی ان پر تقویٰ کی بات) اور یہ مومنین اس کی سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور اس کے اہل تھے۔ (اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں جو مومنین تھے۔ وہ صحابہ ہی تھے) اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا پورا علم رکھتا ہے۔

۲۔ دوسری آیت ولکن اللہ حب الیکم الا یمان وزینہ فی قلوبکم، وکرہ الیکم الکفر

والفسوق والعصیان اولئک ہم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم۔ (سورہ حجرات ۱۷)

ترجمہ:- لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب کر دیا۔ تمہارے لئے ایمان (تمہارے دلوں میں اس کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری دی۔ اور ایمان کو آراستہ کر دیا) (سجادیا) تمہارے دلوں میں اور تمہارے اندر پوری کراہیت پیدا کر دی کفر سے۔ فسق سے اور حکم عدولی سے۔ یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں (راشد ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (سورہ حجرات ۱۷: ۱۳)

کلام اللہ شریف سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے؟ کسی کو معیار حق اس لئے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس میں فسق و کفر یا حکم عدولی کے جراثیم ہوتے ہیں لیکن جن برگزیدہ ہستیوں کو اور پوری کائنات کے جن منتخب افراد کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا ان کے متعلق کتاب اللہ شریف کی شہادت یہ ہے کہ ان جراثیم سے ان کے دماغ پاک ہو چکے ہیں، ان کے مقدس ذہنوں میں کفر و عصیاں اور فسق و فجور کے جراثیم نہیں رہے بلکہ ان سے کراہیت اور ان باتوں سے نفرت ان کے پاک ذہنوں میں رچ گئی ہے۔ کفر و فسق کے برخلاف ایمان کی محبت ان مقدس ذہنوں میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کو سجادیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکون نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ تقویٰ ان پر چپکادیا ہے (اور روح تقویٰ کو ان کے رگ و پے میں جاری اور ساری کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو ایسی موزوں فطرت عطا فرمائی ہے کہ یہ جماعت اس کی اہل ہے کہ کلمہ تقویٰ ان کے سر کا تاج اور ان کی سیرت و جبلت کا پیوند بن جائے ان خصوصیتوں کی بنا پر ان برگزیدہ شخصیتوں کے متعلق کتاب اللہ کا اعلان اور فیصلہ یہ ہے۔

اولئک ہم الراشدون O

یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں۔

۳۔ تیسری آیت۔ السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہم

باحسان۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (سورہ توبہ)

آگے بڑھ کر اسلام لانے میں پہل کرنے والے اور جو اچھے کردار کے ساتھ ان کے تابع ہوئے ہیں اور ان کے بعد ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے خدا سے راضی ہو گئے۔

اب معیار حق کے معنی مقرر فرمائیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ جن کے تقدس کی شہادت خود قرآن مجید دے رہا ہے۔ جن کو واضح الفاظ میں ”راشد“ فرما رہا ہے اور اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

کیا کسی صاحب ایمان کے لئے گنجائش ہے کہ ان پاکباز مقدسین کی جماعت کو معیار حق نہ قرار دے۔
احادیث رسول اللہ ﷺ آیات کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح ہوا کرتی ہیں۔ اب چند احادیث کے مطالعہ سے ذہن کو تازہ اور ضمیر کو روشن کیجئے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنو اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنو اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے میری امت کے بھی بہتر ۷۲ فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ وہ ملت کونسی ہے۔ ارشاد ہوا۔ ما انا علیہ واصحابی وہ ملت وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے ساتھی۔ (ترمذی شریف مستدر احمد و ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

۲۔ ارشاد ہوا۔ ما من احد من اصحابی يموت بارض الا بعث قاندا ونورا لهم يوم القيامة (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ ابواب المناقب)

میرے اصحاب میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا، قیامت کے روز اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔

۳۔ نیز ارشاد ہوا۔ اصحابی کالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم (مشکوٰۃ شریف باب المناقب)

میرے ساتھیوں کی مثال تاروں جیسی ہے جس کی اقتداء (پیروی) کر لو گے۔ ہدایت پا جاؤ گے۔
۴۔ نیز ارشاد ہوا۔ ان الله نظر الى قلوب العباد فاختر محمداً فبعثه برسائه ثم نظر في قلوب العباد فاجعل اصحابه فجعل انصار دينه ووزراء نبيه فما رآه المسلمون حساً فهو عند الله حسن ومارأه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح (اقامة الحجہ ص ۸ مجالس البرار ص ۱۸ ص ۱۳۰ موطا امام محمد ص ۱۱۲ اس کی سند صحیح ہے۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۲۲۸)

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس محمد (ﷺ) کو رسالت کے لئے انتخاب فرمایا۔ پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ کے اصحاب کو آپ کے لئے منتخب فرمایا۔ ان اصحاب کرام کو آپ کے دلوں پر نظر فرمایا۔ (پس یہ اصحاب کرام انصار اللہ اور آنحضرت ﷺ کے وزیر ہیں) جس کام کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی بہتر ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔

۵۔ نیز ارشاد ہے۔ تمام ادوار میں سب سے بہتر دور میرا دور ہے۔ پھر ان کا دور جو میرے دور والوں سے متصل ہیں پھر ان کا دور جو ان سے متصل ہیں۔ اس کے بعد کذب پھیل جائے گا۔ لوگ بے بلائے گواہی دینے کو تیار ہو جایا کریں گے۔ (بخاری شریف وغیرہ ترمذی ابواب المناقب باب ما جاء في فضل من رأى النبي صلى الله عليه وسلم وصحبه)

(نوٹ) حدیث نمبر ۵ نے واضح کر دیا کہ حدیث نمبر ۴ میں مسلمان سے مراد صحابہ کرام ہی ہیں اور صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ جس کام کو وہ اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔

یہ چند روایتیں صحابہ کرام سے متعلق تھیں جو اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ حضرات صحابہ معیار حق

ہیں ان کی اتباع اتباع حق ہے۔ مگر تراویح کا معاملہ عام صحابہ کے علاوہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ سے متعلق ہے جیسا کہ سابق روایتوں میں گذر چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بہت سی جماعتوں کو ایک جماعت بنایا اور حضرت علیؓ نے اس کی تائید کی۔ اس پر مسرت ظاہر فرمائی اور خود اپنے دور میں بھی عمل کیا۔ یہ دونوں بزرگ خلفاء راشدین میں سے ہیں۔ خلفاء راشدین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے طریقہ کو بھی آنحضرت ﷺ نے سنت فرمایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کو مضبوطی سے سنبھالے رکھیں دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑ لیں۔ عضوا علیہا بالنواجذ۔ (بخاری شریف وغیرہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۳۰)

سامرودی صاحب فرماتے ہیں۔ ”دین۔ اسلام۔ شریعت قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے۔“ بے شک صحابہ کرام (معاذ اللہ) نیا دین، نیا اسلام یا نئی شریعت نہیں بنا سکتے، نہ معاذ اللہ کسی نئے دین یا نئی شریعت یا نئے اسلام کی بحث ہے۔

بحث ہے سنت رسول اللہ ﷺ کی۔ آپ کے احکام کو سمجھنے اور آپ کے منشاء مبارک کو عملی جامہ پہنانے کی۔ بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات، اشارات اور آپ کے منشاء مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہتر سمجھ سکتے ہیں یا سامرودی صاحب اور ان کے ہم مشرب۔ اور اگر سامرودی صاحب جیسے لوگ آڑے آتے ہیں تو معیار حق کون ہیں؟

سابق احادیث نے یہ بتا دیا کہ ایسے موقع پر صحابہ کرام ہی (رضی اللہ عنہم) معیار حق ہیں انہیں کی تعمیل واجب اور انہیں کی اتباع اتباع شریعت ہے۔ علماء حق کا یہی فیصلہ ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ کسی کی اتباع اور اقتداء کرنی ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی ہی اقتداء کرو۔ خدا پاک نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے۔ لہذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پہچانو اور انہی کے نقش قدم پر چلو، وہ سیدھے اور صاف راستے پر تھے عن ابن مسعود قال من كان مستأفليستن بمن قدمات فان الحى لا تو من عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقبلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولا قامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على اثارهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ کتاب العلم) اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں:-

”یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی، اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی، اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی“ (الموافقات ج ۴ ص ۷۸ بحوالہ ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۶)

حضرت محمد بن سیرینؒ سے حج کا ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے کہا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے، اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ (قریب و حدیث کے) عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی

رائے میری رائے سے افضل ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ۔ ”بس علم تو وہی ہے جو آپ ﷺ کے صحابہ سے منقول ہے اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔“ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عامر شعمیؒ کا بیان ہے کہ۔ ”اے لوگو! جو باتیں تمہارے سامنے آپ ﷺ کے صحابہؓ سے نقل کی جائیں انہیں اختیار کر لو اور جو اپنی سمجھ سے کہے اسے نفرت سے چھوڑ دو۔“ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔ فارض لنفسک مارضی بہ القوم لانفسہم فانہم علی علم وقفوا..... فان کان الہدی ما انتم علیہ لقد سبقتموہم الیہ..... الخ۔

(ترجمہ) جماعت صحابہؓ نے اپنے لئے جو راستہ پسند کیا تم بھی اسی کو اپنے واسطے پسند کرنا اور مسلک بنالینا اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو (جیسے بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب سمجھتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم خود کو صحابہ کی جماعت سے آگے بڑھا ہوا مانتے ہو (ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا حماقت آمیز اور گمراہ کن ہے۔) (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب فی لزوم السنۃ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ۔ ”پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰت افضلھا ومن التسلیمات اکملھا تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی آل فرقہ واحدہ ناجیہ آنا اند کہ ایشان بطریقے اند کہ من برآں طریقہ واصحاب من برآں طریق اند و اگر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ درین موطن برائے آن تو اند و کہ تا بعد از اند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است و طریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست و بس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقد طاع اللہ پس اطاعت رسول عین اطاعت حق آمد سبحانہ و خلاف اطاعت او ﷺ عین معصیت او تعالیٰ و تقدس۔ پس در ما نحن فیہ دعویٰ اتباع آل سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعویٰ باطل است بلکہ آل اتباع فی الحقیقت عین معصیت رسول است پس نجات را در آل طریق مخالفت چہ مجال (مکتبہ)۔“ (ربانی ج ۱ ص ۱۰۲-۱۰۳) (یعنی)

آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہیں وہ اور میرے صحابہؓ ظاہرًا اتنا فرما دینا کافی تھا کہ ”جس طریقہ پر میں ہوں“ صحابہؓ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہؓ کی پیروی ہی میں منحصر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد من یطع الرسول فقد طاع اللہ نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں معصیت اور حکم عدولی ہے۔ پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ سامرودی کا طریقہ ہے) دعویٰ باطل ہے بلکہ یہ اتباع درحقیقت سراسر معصیت رسول ہے (ﷺ) پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں۔ ”ویمزان در معرفت حق وباطل فہم صحابہ و تابعین است

آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کو واجب قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۷)

(ترجمہ) حق و باطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے، جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرآن مجید کی تلاوت کو واجب قرار دیا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

تابعی جلیل، خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولایۃ الامر من بعده سننا الاخذ بها تصدیق لکتاب اللہ واستعمال لطاعة اللہ ومعونة علی دین اللہ لیس لاحد تغیرها ولا النظر فی رأی من خالفها فمن خالفها واتبع غیر سبیل المؤمنین ولاہ واللہ ما تولى واصلاه جهنم وساءت مصیرا : (جامع فضل العلم لابن عبدالبر۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد حضور ﷺ کے جانشین اولوالامر حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمادیے ہیں کہ ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل پیرا ہونا اور خدا کے دین کی مدد کرنا ہے کسی کو ان کے تغیر و تبدل کا حق نہیں پہنچتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی رائے قابل التفات ہے پس جو ان طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے طریقے کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف کا اس نے رخ کیا ہے، پھر اس کو جہنم میں داخل کر دے گا۔ اور جہنم بہت ہی بڑی جگہ ہے (التشبیہ فی الاسلام ج ۲ ص ۴۹)

بیس ۲۰ رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انه اخبرہ انه سأل عائشة کیف كانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدى عشرة رکعة یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن وطوبیہن ثم یصلی اربعاً۔ فلا تسئل علی حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثاً قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی (بخاری شریف، کتاب التہجد پ ۵ ج ۱ ص ۵۴ اوج ۱ ص ۲۶۹۔

(ترجمہ) حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو؟ پھر چار رکعت پڑھتے تھے ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

سامرووی صاحب اور ان جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی سخن فہم اور منشاء سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی ذہین صاحب سلیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا؟ اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے تراویح کے متعلق خود بخاری شریف کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی۔ پھر صحابہ کرام تشریف لائے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی۔ پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے۔ مگر نہ کبھی اس میں اس طرح اجتماع ہوا۔ نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء کبار نے تصریح کر دی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔ شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں:۔ اما ان المراد بها صلوة الوتر والسؤال والجواب واردان علیہ (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے، حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا)۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اوہو معارض بما روی انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرين ركعة ليلتين (اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائی۔ وروایۃ المثبت مقدمة علی روایۃ النافی (اور تعارض کی صورت میں) بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۵۶، ۱۵۵ کتاب التہجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ۔

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزار دہمہ تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت) وتر کے ساتھ پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔ (اشعۃ للمعات ج ۱ ص ۵۴۴)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ”آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی) (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۵)

(۴) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ وقد اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکعة وثلاث وخمس وهکذا بالأوتار الی احدى عشرة رکعة والروایۃ مترددة فی ثلث عشرة وفي

حدیث شاذ سبع عشرة و كانت هذه الركعات اعنى ما سينا حملتها و ترا صلوة باللیل وهو التهجد (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۲ رواتب الفرائض)

(ترجمہ)۔ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت نور رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے، تیرہ رکعت کی روایت متردد ہے اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہیں اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ و عدد رکعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۶ ابو اب قیام اللیل باب فی صلوة اللیل ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸ باب ماجاء فی وصف صلوة النبی ﷺ باللیل نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب قیام اللیل و تطوع النهار باب کیف الوتر بثلاث موطا امام مالک ص ۴۲ باب ماجاء فی صلوة اللیل صلوة النبی ﷺ فی الوتر امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب ”قیام اللیل“ میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔ دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱-۹۲ حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج ۱ ص ۸۶ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے۔ اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے۔ پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ ”بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں“ (یعنی شرح صحیح بخاری کتاب التہجد ج ۷ ص ۱۸۷ طبع جدید) مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں، اس کے برخلاف تیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کر لیا ہے امام ابو داؤد کا فیصلہ ہے کہ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ينظر بما اخذ به اصحابه (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصيد للمحرم) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور تیس رکعت والی حدیثیں، تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہؓ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ھ) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خديشان مختلفان وبلغنا ان ابا بكر و عمر عملا باحد الحديثين و تركا الاخر كان ذلك دليلا على ان الحق فيما عملا به یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور میں معلوم ہو کہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے (التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد ص ۴۴)

(۲) امام ابو داؤد سجستانی (المتوفی ۲۵۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں۔ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ينظر ما اخذ به اصحابه . یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے گا صحابہؓ نے کس پر عمل کیا ہے جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصيد للمحرم)

(۳) امام مجتہد ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:- متی روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظهر عمل السلف باحدهما كان الذی ظهر وعمل السلف به اولی بالاثبات یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا ہو تو وہی اولی بالاثبات ہوگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۷ باب القول فی بسم اللہ الرحمن الرحیم، فصل وما الجهر بها)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان داری سے نقل فرماتے ہیں۔ لما اختلفت احادیث الباب ولم يتبين الراجح منها نظرنا الى ما عمل به الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجحنا به احد الجانبين ۱ ھ یعنی جب ایک بات کی مختلف حدیثیں آگئی ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے تو ہم خلفاء راشدین کے عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۶۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث و خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو كان هذا الحديث هو المعمول به لعملت به الا ثمة ابو بكر وعمر وعثمان بعد رسول الله صلى الله عليه ان يصلى الا امام قاعداً ومن خلفه قعوداً . یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ تو اس پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۴۷ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ ومما يصح الحديث ايضاً عمل العلماء على وفقه . یعنی جن امور کی بنا پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے علماء اس کے موافق عمل کریں (تویہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۹ قبیل باب ايقاع الطلاق)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:-

”اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ۔ یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ج ۲ ص ۸۵)

(۸) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:- ”وميزان در معرفت حق و باطل فہم صحابہ و تابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرآن حالی و مقالی فہمیدہ اند و دریں تخطیہ ظاہر نکرده واجب القول است یعنی حق اور باطل سمجھنے کے لئے میزان اور معیار صحابہؓ و تابعینؓ کا فہم ہے جو اس جماعت نے

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے حالی اور مقالی قرآن کے انضمام کے ساتھ سمجھا ہے جب کہ اس فہم میں خطاء طاہرہ کی گئی ہو تو وہ فہم واجب القبول ہے (مجموع فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۷)

دلیل ثانی:-

آٹھ رکعت کے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت (قیام اللیل ص ۹۰) پر سامر دوی صاحب کو بہت ناز ہے اور مہلبہ کے لئے تیاری بتلاتے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے اس سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔ سند میں ایک راوی ”ابن حمید رازی“ ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیے:-

- (۱) وہو ضعیف۔ وہ ضعیف ہے (حافظ ذہبی)
- (۲) کثیر المناکیر۔ بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے (یعقوب بن شبہ)
- (۳) فیہ نظر۔ اس میں نظر (اعتراض) ہے (امام بخاری)
- (۴) کذبہ ابو زرعه۔ وہ جھوٹا ہے (ابوزرعه)
- (۵) اشھد انہ کذاب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوسج)
- (۶) فی کل شی یحدثنا ما رأیت اجر اعلیٰ اللہ منہ کان یاخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا، لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)
- (۷) واللہ یکذب خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)
- (۸) لیس بٹھہ معتبر نہیں (امام نسائی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۰-۳۹)
- دوسرے راوی یعقوب بن عبد اللہ اشعری اہمی کے متعلق:-
- (۱) لیس بالقوی قوی نہیں ہے (دارقطنی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۳)
- تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:-
- (۱) عندہ منا کیر اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)
- (۲) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (نسائی)
- (۳) متروک متروک الحدیث ہے (نسائی)
- (۴) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (ابوداؤد۔ خلاصہ)
- (۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱)
- بلوغ المرام میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے۔ دیکھئے بلوغ المرام
- (۴۲-۴۳) دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۳-۴۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس ۲۰ کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھٹکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھتے
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرو دی صاحب کا ایک شگوفہ اور اس کی تردید:

(سوال ۱۹۸) غیر مقلد مولوی عبد الجلیل سامرو دی کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب فتح سر المنان ص ۳۲۷ میں لکھا ہے کہ بیس ۲۰ رکعت کی روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ کیا یہ صحیح ہے اور یہ بھی بتائیں کہ علماء ہند حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا مسلک کیا رہا ہے۔ بیس رکعت کا ثبوت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیے۔

(الجواب) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بالکل لچر ہے سبحانک ہذا بھتان عظیم بلکہ آپ مذکورہ روایت کی تائید فرما رہے ہیں۔ آپ کو بیس رکعت تراویح کے مخالف کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ بیس رکعت کے قائل ہیں۔ بیس ۲۰ کے خلاف آپ کا قول و عمل ثابت نہیں، آپ تنہا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مشہور و مسلم محدثین حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پٹی وغیرہ صدما محدثین بیس ۲۰ رکعت کے قائل ہیں۔ بیس ۲۰ سے کم پڑھنا کسی سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب حجة اللہ البالغة ج ۲ ص ۶۷ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۵) (مالا بد منہ ص ۶۳)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب فتح المنان میں تحریر فرماتے ہیں کہ فالظاهر انه ثبت عندهم صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرين رکعة کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فاختره عمر رضی اللہ عنہ۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہو چکا تھا جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیس ۲۰ رکعت اختیار فرمائیں اور فرماتے ہیں کہ۔

صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد ہمہ نماز تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد و ابن ابی شیبہ از ابن عباسؓ آورد کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد بست رکعت بود یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی اور ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جو پڑھی ہیں وہ بیس ۲۰ رکعت ہیں (اشعة اللمعات ج ۱ ص ۵۳۴) اور فرماتے ہیں کہ۔ زیرا کہ بصحت رسیدہ است کہ قیام میکردند در عہد عمرؓ بہ بست رکعت۔ یعنی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرام بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (اشعة اللمعات ج ۱ ص ۵۳۷) اور ”ما ثبت بالنسبة“ میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک تراویح بیس ۲۰ رکعت سنت ہے کہ یہی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرام بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ نیز

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی یہی عمل رہا۔ (ص ۲۲۳)

یہ ہے اصل حقیقت اور آپ کا عقیدہ، کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو ”بالکل لچر“ کہتے ہیں اور آپ بیس ۲۰ رکعت کے مخالف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں جس سے حدیث ابن عباسؓ کو ضعیف کہہ سکیں اور عمل صحابہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہونا سمجھ سکیں ان کا عمل صحیح بنیاد پر تھا لہذا ان کی پیروی کرنے والے کس طرح دھوکا کھانے والے ہو سکتے ہیں؟ غرض کہ صحابہ کے اعتبار سے حدیث مذکور ہرگز ضعیف نہیں ہے البتہ بعد میں ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان شامل ہونے سے بعد والوں کے اعتبار سے روایت مذکورہ ”روایت“ ضعیف کہی جاسکتی ہے مگر ”دریہ“ تو صحیح ہی ہوگی کیونکہ خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کا بیس ۲۰ رکعت پر عمل و مواظبت اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ بحر العلومؒ فرماتے ہیں:- ومواظبة الصحابة على عشرين قرينة صحة هذه الرواية یعنی صحابہ کرامؓ کی بیس ۲۰ رکعت پر مواظبت اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت صحیح ہے۔ (رسائل الادرکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

آنحضرت ﷺ کے ہر وقت کے ساتھی اور عبادت کے شریک صحابہؓ کا آخری اور دائمی عمل بیس رکعت کا ہے۔ دیکھئے! حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ رکعت تراویح کے بارے میں اہل علم (محدثین) میں اختلاف ہے۔ بعضے وتر کے ساتھ ۳۱ رکعت کے قائل ہیں جیسے کہ اہل مدینہ کا قول و عمل ہے لیکن اکثر کا وہی عقیدہ ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی اور منقول ہے اور وہ بیس ۲۰ رکعت ہے۔ یہی قول امام الحدیث سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بھی بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۹۹ ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شیعہ رمضان) ائمہ روایت کے ان اقوال کی بناء پر ہمیں یقین آ جانا چاہئے کہ ابراہیم ابن عثمانؒ بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں سچا ہے جس کام کی صحیح طور پر۔ (تعالیٰ صحابہؓ) سے تصدیق ہو جائے اس کو جھٹلاتے رہنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ رہا محدثین کا نزاع تو وہ ایک قانونی بحث ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیس رکعت کے مخالف ہیں اور وہ بیس رکعت پڑھتے نہ تھے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ابن ہمامؒ وغیرہ جن کو بطور مخالف پیش کیا جاتا ہے ان کا عمل بیس رکعت سے کم ثابت نہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدین کی اتباع ہمارے لئے ضروری ہے۔ اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اے ایمان والو! تم خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی۔ (قرآن حکیم)

حضرات خلفاء راشدینؓ اولوالامر کے سب سے پہلے مصداق ہیں ملاحظہ ہواہل حدیث کے امام مولانا صدیق حسن صاحب کی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن (ج ۱ ص ۵۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما اتکم الرسول فخذوه ترجمہ۔ اور رسول ﷺ تم کو جو کچھ دے اس کو قبول کرو۔ (قرآن حکیم)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ میرے اور میرے خلفاء راشدینؓ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ)

مذکورہ آیات و احادیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ باب مناقب ابی بکر و عمر) اور ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

اور مؤطا امام محمد میں ہے کہ جس طریقہ کو مومن پسند کریں وہ عند اللہ بھی پسندیدہ ہے۔ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ طریقہ حق اور نجات دہندہ ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ابن مسعودؓ کی وصیت کو مضبوط پکڑے رکھو یعنی ان کی وصیت پر مکمل عمل کرو (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۱ ابواب المناقب مناقب عبد اللہ بن مسعود)

اب حضرت ابن مسعودؓ کی وصیت دربارہ صحابہ گہا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں: تم میں سے اگر کسی کو اقتداء کرنا ہے تو وہ اصحابؓ محمد ﷺ ہی کی اقتداء کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ لہذا تم بھی ان کی عظمت پہچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ وہ واضح راہ راست پر تھے۔ (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

اور حضرت حسن شہادت دے رہے ہیں کہ اس کعبہ کے رب کی قسم کہ صحابہؓ کی یہ جماعت صراط مستقیم پر قائم تھی (الموافقات ج ۴ ص ۷۸ از ترجمان السنۃ ج ۱)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ کی ملامت کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقہ پر ہو۔ پھر حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔ بظاہر یہ فرما دینا کافی تھا کہ جس پر میں ہوں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اصحاب کا ذکر بھی اپنے ساتھ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میرے اصحاب کا طریقہ وہی ہے جو میرا طریقہ ہے۔ لہذا نجات کی راہ صحابہ کی اتباع ہی سے وابستہ ہے۔ جیسے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع کی اس نے اللہ کی اطاعت کی یعنی رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہی اللہ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا عین اللہ کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہ کے طریقہ کی اتباع کی مخالفت کرنا یہ دعویٰ رد اور باطل ہے بلکہ اس طرح کی اتباع درحقیقت آپ کی نافرمانی شمار ہوگی تو اس صورت میں نجات کی گنجائش کہاں رہ سکتی ہے۔ ویحسبون انهم علیٰ شئی الا انهم هم الکاذبون۔ یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی حقیقت پر ہیں مگر جان لو! کہ وہ جھوٹے ہیں (قرآن حکیم) یہی حال ان کا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جس جماعت نے اصحاب رسول ﷺ کی اتباع کو لازم بنا لیا ہے وہی اہل سنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور گردانے۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۱۰۳ مکتوب نمبر ۸۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۷۵ھ) کے اس مکتوب گرامی کو محدثین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں حضرات صحابہؓ نے اپنے لئے جو رائے اور عقیدہ پسند کیا ہے تم بھی اپنے لئے اسی کو پسند کرو اور اس کو اپنا مسلک بنا لو کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ خدا کی طرف سے جو علم لائے تھے صحابہ کرامؓ اس سے پوری طرح واقف و باخبر تھے۔ دین کے بارے میں ان کو بصیرت تامہ اور فہم رسا حاصل تھی جس کی وجہ سے ہر چیز کی حقیقت تک وہ پہنچتے تھے اور تم سے زیادہ دین کی حقیقت اور شریعت کے منشاء کو سمجھتے تھے اس کے باوجود اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو جماعت صحابہؓ سے بھی افضل سمجھتے ہو ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا احمقانہ اور گمراہ کن ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب لزوم السنۃ)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ خوارج کو سمجھانے لگے خوارج کہنے لگے کہ ہم تو صرف قرآن کا حکم مانیں گے دوسری کوئی دلیل سننا نہیں چاہتے۔ حضرت علیؓ نے قرآن ہاتھ میں لے کر فرمایا اے قرآن بول اور جس بارے میں یہ نزاع کر رہے اس کی حقیقت ان کو سمجھا دے۔ پھر آپ نے خوارج سے فرمایا تم نے دیکھا قرآن نے میرے کہنے کے باوجود کچھ نہیں کہا (مطلب یہ تھا کہ قرآن کی اتباع کی صورت یہی ہے کہ اس کے جاننے اور سمجھنے والے جو کچھ بتائیں اس کی اتباع کرو۔ یہی قرآن کی اتباع ہے) پھر فرمایا کہ احمقو! جن لوگوں نے رسول خدا سے (ﷺ) بلا واسطہ قرآن اور دین اخذ کیا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن و دین کے جاننے والے ہو؟

غرض کہ بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، دھوکا کھانے والے نہیں، دھوکا کھانے والے بیس ۲۰ سے کم پڑھنے والے ہیں کہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر خلفاء راشدینؓ، صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، سلف صالحینؓ سے لے کر خلف لاحقینؓ تک اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے ایک ایسی حدیث پر جس میں دوسرے احتمالات موجود ہوں عمل کر کے دوسری احادیث صحیحہ کو ترک کر دینا امانت داری نہیں ہے امانت دار تو وہ ہے جو تمام احادیث پر عمل کرتا ہو اور ان کو تسلیم کرتا ہو۔

خدا را بیس ۲۰ رکعت پڑھنے دو۔ عبادت سے مت روکو اور خود بھی بیس ۲۰ پر عمل کرو چاہے سنت خلفائے راشدینؓ سمجھ کر پڑھو۔ لیس الا بامرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بانی دارالعلوم دیوبند شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں فیصلہ کن فتویٰ پڑھئے۔

(سوال) علماء دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک شخص کہلن دھرا پر نگینہ ضلع بجنور کا باشندہ آیا ہے وہ کہتا ہے کہ ”ضاد“ بخرج ”زا“ پڑھو نہیں تو نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو۔ بیس ۲۰ رکعت پڑھنا فضول ہے! (حضرت مولانا نے تراویح کے متعلق جو جواب دیا ہے وہ درج ذیل ہے)

(الجواب) باقی رہی تراویح! اس میں آج کل کے ملائوں نے تخفیف کر ڈالی ہے۔ یعنی بیس ۲۰ کی آٹھ کر ڈالی ہے وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے تہجد کی رکعات ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے تراویح تو بیس ۲۰ ہی رکعت ہیں!

حضرت عمرؓ کے دور میں ہزار باصحابہؓ موجود تھے اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس ۲۰ رکعت میں حجت نہیں کی تھی (خوشی خوشی بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے) مگر آج کل ایسے عامی ان پڑھ عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو بھی غلط کہا۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال! یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس ۲۰ رکعت پڑھی نہ جاتی تھی، یہ غلط خیال ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس ۲۰ رکعت خاص اہتمام سے پڑھی جانے لگی اس سے یہ کیسے لازم ہوا کہ پہلے بیس ۲۰ رکعت نہ پڑھی جاتی تھی۔ البتہ اتنے اہتمام اور جماعت کثیر کے ساتھ نہ پڑھی جاتی تھی الگ الگ متفرق جماعتوں سے پڑھی جاتی تھی حضرت عمرؓ نے سب کو ایک بڑی جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

دیکھئے! پہلے نکاح ثانی کا اتنا اہتمام نہ تھا کیونکہ نکاح ثانی کو اتنا معیوب نہیں سمجھتے تھے جب حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دیکھا کہ لوگ نکاح ثانی کو نہایت معیوب سمجھنے لگے تو اس کا ذکر آپؒ نے اپنی کتابوں میں کیا اور ان کی اولاد اور شاگردوں نے نکاح ثانی کے اجراء کے لئے کمر کس لی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ثانی کا طریقہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی ایجاد ہے اور حضور ﷺ کے دور کا طریقہ نہیں ہے! بس اسی طرح بیس ۲۰ رکعت تراویح کو حضرت عمرؓ اور آپ کے دور کے صحابہؓ کی ایجاد نہیں بلکہ سنت نبوی ﷺ ہی سمجھنا چاہئے ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت عمرؓ ہی نہ تھے آپ کے دور کے صحابہؓ بھی سنی نہ تھے تمام نعوذ باللہ بدعتی تھے! آپ ﷺ کی سنت کو محو کر دیا اور اپنی سنت جاری کی۔ اب آپؒ ہی بتلائیے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو برا سمجھنے والے کون ہیں؟ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم تو احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ چند احادیث لکھے دیتا ہوں۔ غیر مقلد مولوی صاحب سے ان کا مطلب دریافت کر لینا جو آٹھ رکعت کا نفاذ بجاتے ہیں اور بیس ۲۰ رکعت کو فضول کہتے ہیں۔

(۱) علیکم بستی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی (۲) اقتدوا بالذین من بعدی

(۳) اصحابی کالنجوم باہم اقتدیتم اهتدیتم۔ (تصفیۃ العقائد ص ۳۹، ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح اور وتر کے متعلق متفرق مسائل

(سوال ۱۹۹) تراویح پڑھانے کے لئے ایک حافظ ہے اور قرآن سننے والا حافظ نہیں تو ایسی حالت میں ایک آدمی امام کے پیچھے قرآن مجید کھول کر سنے تو کیا حکم ہے؟ اور لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا امام قرآن مجید اپنے سامنے کھلا رکھ کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ میں نے خود نے ”بریاؤ“ میں اس طرح نماز پڑھی ہے؟ فی الحال جو امام صاحب ہیں وہ انکار کرتے ہیں کہ کھول کر دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کے مولوی کے کہنے کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ لہذا شرعی حکم کیا ہے اس سے آگاہ فرمائیں؟

(الجواب) صور مسئلہ میں جب امام کے پیچھے مقتدی بیٹھ کر قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دے گا تو قرآن مجید ہاتھ میں اٹھائے گا یا آغوش میں یا رحال پر رکھے گا اور بار بار ورق پلٹے گا۔ رکوع کے وقت قرآن مجید ہٹائے گا اور دوبارہ اپنی طرف کھینچے گا اور قرآن مجید میں سے سیکھ کر امام کو بتلائے گا یا امام کو سکھلائے گا تو قرآن مجید معلم اور مقتدی و امام متعلم بنیں گے جس سے عمل کثیر لازم آئے گا۔ لہذا نماز فاسد ہو جائے گی۔ قال فی الہدایہ۔ ان حمل المصحف

والنظر فيه وتقلب الاوراق عمل كثير ولا نه تلقن من المصحف فصار كما اذا تلقن من غيره
حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے نہانا امیر المؤمنین ان نوم الناس فی المصحف وان
یومنا الا محتلم۔ (عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۸۵ باب ماتفسد الصلوة وما یکرہ فیہا) یعنی حضرت
عمر فاروقؓ نے منع فرمادیا کہ ہم قرآن شریف میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں۔ نیز ہدایت کر دی تھی کہ صرف بالغ
شخص ہی امامت کر سکتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ حضرت سعید بن
المسیب حضرت حسن بصری حضرت شعبی حضرت مسلمی اور حضرات غیر مقلدین کے مقتدا ابن حزم ظاہری کا مسلک بھی
یہی ہے البتہ اگر قرآن شریف یا وہ رکوع یا سورت جو پڑھ رہا ہے وہ اس کو حفظ یاد ہے اور سامنے قرآن شریف کھلا رکھا
ہے اس پر نظر پڑ جاتی ہے یا اس پر نظر ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے۔ مثلاً سورہ اخلاص حفظ یاد ہے وہ حفظ کے اعتماد پر پڑھ
رہا ہے۔ سامنے قرآن شریف میں یہی سورت اس کے سامنے کھلی ہوئی ہے یا دیوار پر لکھی ہوئی ہے وہ اس پر بھی نظر
ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ نماز ہو جائے گی کیونکہ یہاں نماز میں سیکھنے اور یاد
کرنے کا عمل نہیں ہو رہا ہے قال فی شرح الہدایۃ للعلامة العینی واذا کان یحفظہ عن ظہر القلب و هو
مع ذلک ینظر فی المکتوب او علی المحراب فیکراً فلا اشکال انہ یجوز ج ۱ ص ۸۴ ایضاً

جو صاحب حفظ یاد نہ ہونے کی صورت میں قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھنے کو نماز میں جائز قرار دیتے ہیں
وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک عمل سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک
ترجمہ باب میں بلا سند کے نقل کر دیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کانت عائشۃ یومہا عبدہا ذکوان من
المصحف ص ۹۶ باب امامۃ العبد والمولی۔ (ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کی امامت کیا کرتے
تھے ان کے غلام ذکوان قرآن شریف سے) مگر اس عمل سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں ہے کہ
حضرت ذکوان کو قرآن شریف یاد نہیں تھا بلکہ وہ قرآن شریف سے پڑھتے تھے اور اس طرح پڑھ کر امامت کیا کرتے
تھے۔ یہ بات قرین قیاس بھی نہیں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی صاحب علم اور صاحب فضل ام المؤمنین نماز جیسی
اہم عبادت کے لئے ایسے غلام کو امام بنائیں جس کو قرآن شریف یاد نہ ہو اور بچوں کی طرح قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا
ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس سے یہ استدلال نہیں کیا۔ اما بخاری نے اس واقعہ کو "امامۃ العبد والمولی"
کے سلسلہ میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ کہ زرخیز غلام یا آزاد کردہ غلام آزاد خاتون یا خود اپنے آقا کی امامت کر سکتا ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب دنیا میں صرف ایک مصحف تھا۔ احادیث اور تاریخ کی کتابوں
میں بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی تحریک پر قرآن پاک
کتابی شکل میں مرتب کرایا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد خلیفہ دوم کے سپرد کیا گیا
۔ جو ان کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ بخاری شریف ص ۴۵ ص ۴۶
باب جمع القرآن۔ اس دور میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ صحابہ گرام کے مقدس سینے قرآن
پاک کے محافظ خانے تھے۔ یہی حال ان کے تلامذہ (تابعین) کا بھی تھا۔ اس دور میں اس ایک مصحف کو جو حضرت
ابوبکرؓ کے یہاں محفوظ تھا۔ دیکھنا، اس کی زیارت کرنا یا اس کی تلاوت کرنا بہت عجیب اور قابل فخر تھا۔ اس روایت میں

اسی عجیب بات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ذکوان مصحف دیکھ کر یاد نہیں کرتے ہیں بلکہ خاص بات یہ ہے کہ اپنی یاد کو مصحف شریف سے ملاتے ہیں اور پہلے اس طرح اپنی یاد کو قرآن شریف سے ملا لیتے ہیں اور مقابلہ کر لیتے ہیں پھر نماز میں اس کو پڑھتے ہیں۔ یہ صورت اس زمانہ کے حالات کے بھی مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احتیاط کے بھی مناسب۔ یعنی حضرت ذکوان صرف نماز ہی نہیں پڑھاتے بلکہ اپنی یاد کا مصحف شریف سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں یہ مقابلہ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو اس موقع پر استدلال میں پیش کرنا مسئلہ کی دلیل نہیں بلکہ واقعات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وتر پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے والا:

(سوال ۲۰۰) امام صاحب نے غلطی سے سولہ رکعات تراویح کے بعد وتر شروع کر دے اور مقتدی بہ نیت تراویح شامل تھے سلام کے بعد کہا کہ امام صاحب نے غلطی کی پھر بقیہ چار رکعت تراویح پڑھائی اب دریافت طلب یہ ہے کہ وتر ہوئے یا نہیں؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ وتر احتیاطاً لوٹا لو اس صورت میں پہلے وتر معتبر نہ تھے۔ امام نے دوبارہ وتر پڑھائے۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں امام صاحب کی پہلی وتر نماز معتبر ہے مگر مقتدی کی نہ پہلی وتر نماز معتبر ہے اور نہ دوسری کیونکہ پہلی مرتبہ میں نماز وتر کی نیت نہ تھی۔ اور دوسری مرتبہ میں اگرچہ وتر کی نیت تھی مگر وتر پڑھے ہوئے کی اقتدا کی گئی اس لئے یہ بھی معتبر نہیں (کیسری)

تراویح کی نیت سے وتر کی اقتدا کی تو شرعاً کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۰۱) اگر تراویح سمجھ کر وتر پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو وتر صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وتر نماز معتبر نہیں۔ ہاں ایسی صورت میں امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت پڑھ لے تو بہتر ہے۔ یہ چار رکعت نفل ہو جائے گی۔ (کیسری ص ۳۹۲) (۱)

(سوال) امام صاحب وتر کی دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے قوم کے لقمہ دینے سے پھر بیٹھ گئے۔ اب تیسری رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد سجدہ سہو کیا تو وتر ہوئے یا نہیں؟

(الجواب) امام صاحب وتر کا قعدہ اولیٰ بھول گئے تو اب نہ بیٹھتے محض سجدہ سہو سے وتر صحیح ہو جاتے، کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یہ غلط کیا مگر نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اب سجدہ سہو کیا ہے تو نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(۱) وفيها اقتدى به علي ظن أنه في التراويح فاذا هو في وتر تيممه معه ويضم اليها رابعة ولو افسدها لا شئ عليه آخر صلوة التراويح

(۲) ومن سها و كان اماماً او منفرداً عن القعود الاول من الفرض ولو عملياً وهو الوتر عاد اليه اليه وجوباً مالم يستقر قائماً في ظاهر الرواية وهو الاصح وان عاد الساهي عن القعود الاول اليه بعد ما استتم قائماً اختلف التصحيح في فساد صلاته وارجحهما عدم الفساد مراقي الفلاح على هامش طحطاوى ص ۲۵۳

عورتوں کو تراویح میں جماعت کرنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۰۲) عورتیں اپنی تراویح باجماعت ادا کر سکتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نماز تراویح اور وتر منفرداً (تہاتہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر ایسی شکل پیش آجائے کہ کوئی میت ہے۔ مرد کوئی نہیں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں تو وہ جنازہ کی نماز پڑھیں اور نماز کی جماعت کر لیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۸) (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

تراویح میں چار رکعات کے بعد دعائے مانگنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۰۳) امام صاحب تراویح میں چار رکعت پر دعا کرتے ہیں تو چند آدمی دعا نہیں مانگتے تو از روئے حدیث ہر چار رکعات پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح میں اجازت ہے چاہے تسبیح پڑھے چاہے تلاوت کرے چاہے خاموش رہے یا نفل پڑھے (درمختار مع الشامی) (۲) لہذا امام اور قوم کا اجتماعی دعا کرنے کو ضروری سمجھنا اور دعا نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں ہاں افراد دعا کرے تو منع نہیں۔

وتر نماز میں تراویح کی نیت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(سوال ۲۰۴) تراویح کی دو رکعت بھول سے رہ گئی اور نماز وتر شروع کر دی قعدہ اولیٰ میں تراویح کی فاتحہ یاد آگئی اب تراویح کی نیت کر کے دو رکعت پر سلام پھیرے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ دو رکعت میں شمار نہ کی جائیں گی۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۲۴۳) (۳)

نابالغ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے؟

(سوال ۲۰۵) بارہ سال کا بچہ حافظ ہے مگر بالغ نہیں ہے تو یہ تراویح پڑھائے یا نہیں؟

(الجواب) مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ نماز تراویح میں بھی نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۳) (۴)

نابالغ بچہ تراویح میں لقمہ دے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۰۶) نابالغ بچہ تراویح میں امام صاحب کو بھول بتائے یا نہیں؟ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلاۃ جنازۃ الخ

(۲) ویجلس بین کل اربعۃ بقدرھا وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقرآۃ وسکوت وصلاۃ فرادی باب الوتر والنوافل بحث صلاۃ التراویح

(۳) امام شرع فی الوتر علی ظن أنه اتم التراویح فلما صلی رکعتین تذکرہ أنه ترک تسلیمۃ واحده فسلم علی رأس رکعتین لم یجز ذلک عن التراویح لأنہ ما صلی بنیۃ التراویح باب التراویح فصل فی السہو واحکامہ

(۴) ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأة اوصبی... والمختار أنه لا یجوز فی الصلوات کلھا لأن نفل الصبی دون نفل البالغ باب الامامۃ

(الجواب) ہاں جب بچہ نماز میں ہو اور لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۵) (۱)

تراویح میں سجدہ تلاوت کے بعد سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۰۷) تراویح میں سجدہ تلاوت ادا کرنے کے بعد بجائے اگلی آیت پڑھنے کے سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کو شروع کرے تو سجدہ، سہو ہے یا نہیں؟ سورہ فاتحہ کی تکرار ہوتی ہے۔

(الجواب) سورت شروع کرنے سے پہلے اگر سورہ فاتحہ کو مکرر پڑھ دے تب تو سجدہ سہو ہوگا۔ کیونکہ فاتحہ کے بعد بلا تاخیر سورہ شروع کرنا واجب تھا اس میں تاخیر ہوگئی اور واجب کی تاخیر سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ لیکن صورت مسئلہ میں جب سورہ فاتحہ کے بعد قرأت شروع کر چکا تھا تو سورت یعنی قرأت شروع کرنے میں تو تاخیر نہیں ہوئی فاتحہ کے فوراً بعد شروع کر دی اب اگر فرض رکوع کا ہے اس کی ادائیگی قرأت کے بعد ہونی چاہئے مگر قرأت کی کوئی حد معین نہیں جتنی چاہے قرأت کرے اور جس جس سورت کی چاہے قرأت کرے رکوع سے پہلے اس کو مختصر اور طویل قرأت کرنے کا اختیار ہے اس میں تطویل و تاخیر سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ رد المحتار تحت قوله کذا ترک تکبیر ہا اما لو قرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا تجب کما فی خانہ الخ (شامی ج ۱ ص ۲۲۹ باب صفة الصلاة مطلب فی واجبات الصلاة) بخلاف ما لو اعادها بعد السورة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۶ الباب الثانی عشر فی سجود السهو) لہذا اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔

نماز عشاء باجماعت پڑھنے والا تراویح گھر پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۰۸) نماز عشاء باجماعت ادا کرنے والا تراویح گھر میں تنہا پڑھے تو گنہگار ہے یا نہیں؟
(الجواب) تراویح باجماعت کی ادائیگی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ محلہ کی مسجد میں تراویح باجماعت ادا ہوتی ہو اور کوئی شخص اپنے مکان میں تنہا ادا کرے تو گنہگار نہ ہوگا مگر جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ (در مختار مع الشامی ج ۲ ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل بحث صلاة التراويح)

(سوال) ہمارے محلہ کی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح تک نمازی رہتے ہیں پھر کم ہو جاتے ہیں تو ہم اس سجدہ پڑھ کر دوسری مسجد میں تراویح ادا کریں تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) بیس ۲۰ رکعات تراویح باجماعت محلہ کی مسجد میں ہونا ضروری ہے لہذا آپ لوگوں کو اپنی مسجد میں تراویح پڑھنی چاہئے۔ چاہے مصلی کم ہوں مگر محلہ کی مسجد میں تراویح نہ ہوگی تو سب اہل محلہ گنہگار ہوں گے۔ (شامی ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل بحث صلاة التراويح)

تراویح پڑھانے پر معاوضہ:

(سوال ۲۰۹) حفاظ کرام تراویح کے لئے روپے متعین کرتے ہیں یا متولی سے کہتے ہیں کہ جو آپ چاہیں دیں یا متولی صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنی خوشی سے جو چاہیں گے دیں گے تو اس طرح کی تعیین جائز ہے۔

(الجواب) بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ الم تر کیف سے تراویح پڑھی جائے۔ لوجبہ اللہ پڑھنا اور لوجبہ اللہ امداد کرنا جائز ہے۔ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے۔ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے تو اب اللہ کہاں رہا۔ اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں۔ اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجبہ اللہ تراویح خوان حافظ نہ ملے وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لئے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا جائز ہو جائے گا کیونکہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ ہے:-

”اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے۔ کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔“ محمد کفایت اللہ کان اللہ دہلی۔ ۲۷ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:-

”اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے۔ لیکن حالت مذکورہ میں حیلہ مذکور کی گنجائش ہے۔“ محمود گنگوہی مدرسہ

مظاہر علوم، سہارنپور۔ ۱۵ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

امام تراویح وغیرہ میں قرأت کیسی آواز سے پڑھے:

(سوال ۲۱۰) امام تراویح وغیرہ جہری نمازوں میں قرأت کس قدر زور سے پڑھے۔

(الجواب) افضل اور بہتر ہے کہ امام جہری نمازوں میں بلا تکلف اس قدر جہر سے پڑھے کہ مقتدی قرأت سن سکے اس سے زیادہ تکلف کر کے پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔ ارشاد بانی ہے۔ ولا تجھو بصلاح ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک مسیلاً (بنی اسرائیل ۱۲) اور نہ تم اپنی نماز میں زیادہ زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو ان کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو۔ مفسرین..... فرماتے ہیں کہ نماز میں درمیانی آواز سے قرأت کرنی چاہئے اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے نہ اس قدر زور سے پڑھے کہ قاری اور سامع دونوں کو تکلیف ہو کہ اس سے حضور قلب میں خلل آجائے (خلاصۃ التفاسیر ج ۳ ص ۶۰ تفسیر فتح المنان ج ۵ ص ۹۶) فقہاء کرام جہر سے پڑھنے میں دو باتیں ضروری قرار دیتے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والا اپنے اوپر غیر معمولی زور نہ ڈالے (یہ مکروہ ہے) دوسرے یہ کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً تہجد کے وقت کوئی سو رہا ہے یا کچھ لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں آپ ان کے پاس کھڑے ہو کر اتنی بلند آواز سے قرأت کرنے لگیں کہ ان کے کام میں خلل ہو یہ بھی مکروہ ہے۔ ان دو باتوں کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ جماعت کی کمی زیادتی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بموجب قرأت کرے۔ مثلاً مقتدیوں کی تین صفیں ہیں، آپ اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ تیسری صف تک آواز پہنچتی رہے یا اس سے زیادہ زور سے پڑھیں کہ باہر تک آواز پہنچے۔ فقیہ ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ جتنی بلند آواز سے پڑھیں اچھا ہے بشرطیکہ پڑھنے والے پر تعجب نہ ہو اور کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ مگر دوسرے فقہاء کا قول یہ ہے اور رائج یہی ہے کہ بقدر ضرورت آواز بلند کریں یعنی صرف اتنی بلند کریں کہ تیسری صف تک آواز پہنچے البتہ

اگر صفیں زیادہ ہوں تو آواز کو اس سے بلند بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے اوپر زیادہ زور نہ پڑھے۔ (طحطاوی علی
مراقی الفلاح ص ۱۳۷ فصل فی واجب الصلوة ورد المحتار ج ۱ ص ۲۹۷ مجمع الانهر ج ۱
ص ۱۰۳ عالمگیری ج ۱ ص ۷۲) (۱)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے۔
(سوال ۲۱۱) تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے
اور باقاعدہ سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کر کے سلام
پھیرے مگر ان چار رکعت کو صرف دو رکعت شمار کیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸) (۲)

فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے وقت آیت سجدہ امام سے سنے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۱۲) امام اور مقتدی چار رکعت پر ترویجہ میں بیٹھے اس وقت میں فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے کھڑا
ہوا بھی میری نماز نا تمام ہی تھی کہ امام نے تراویح شروع کی اور آیت سجدہ پڑھی۔ میں نے بھی سنی تو مجھ پر سجدہ تلاوت
لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئلہ میں سجدہ تلاوت لازم ہو گیا۔ ہاں اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے یا سجدہ کرنے کے بعد
اس رکعت کے آخر میں امام کے پیچھے نیت باندھ لی اور نماز میں شامل ہو گئے تو امام کا سجدہ آپ کے لئے بھی کافی ہے
علیحدہ سجدہ کرنا نہیں ہوگا سمع من امام قد خل معہ قبل ان یسجد سجدة معہ الی ان قال امالوا در کہ فی
الرکعة الاخری یسجدہا بعد الفراغ۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳ الباب الثالث فی سجود التلاوة)

(سوال ۲۱۳) امام صاحب تراویح پڑھا رہے تھے۔ دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے سہو کھڑے
ہو گئے مقتدی بیٹھے رہے اور لقمہ دیا تو امام صاحب بھی بیٹھ گئے اور تشہد کے بعد سجدہ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟
(الجواب) صورت مسئلہ میں امام صاحب بیٹھ گئے اور سجدہ سہو کر لیا تو اچھا کیا تراویح صحیح ہو گئی۔ (۳)

تراویح میں ہر چار رکعت پر دعائے مانگنا صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال ۲۱۴) تراویح میں ہر چار رکعت پر امام اور مقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور ہے تو کیا یہ سنت طریقتہ؟ امام زور
سے دعا پڑھتے ہیں کوئی کچھ پڑھنا چاہے تو پڑھ نہیں سکتا تو کیا ترویجہ میں صرف دعائی کر سکتے ہیں؟ تسبیح وغیرہ ذکر

(۱) والمستحب ان یجهر بحسب الجماعة فان زاد فرق حاجة الجماعة فقد أساء كما لو جهر المصلی بالا ذکار
فہستانی عن کشف الاصول وهذا اولی مما فی الزاہدی عن ابی جعفر انه كلما زاد الامام أو المنفر فی الجهر فی
صلاة الجهر فهو افضل بعد ان لا یجهد نفسه ولا یؤدی غیره وان زاد علی حاجة المقتدی

(۲) وعن ابی بکر الاسکاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانية قال ان تذکر فی القيام ینبغی
ان یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثة فان أضاف الیها رکعة أخرى كانت هذه الاربع عن تسلیمة واحدة
الح فصل فی التراویح

(۳) وعن ابی بکر الاسکاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانية قال ان تذکر فی القيام ینبغی
ان یعود ویقعد ویسلم فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸ فصل فی الترویج

واذکار منع ہیں؟ تلاوت اور تسبیح وغیرہ مشغول رہنے والے کو دیوبندی کہتے ہیں۔ لہذا اب وضاحت بیان کیا جائے۔

(الجواب) تراویح میں ہر ترویج کے بعد امام و مقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور مطابق سنت نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ نے اجازت دی ہے کہ چاہے تلاوت کرے، نفل پڑھے، دعا مانگے، تسبیح تحلیل یا درود وغیرہ اذکار میں مشغول رہے یا چپ بیٹھے، اختیار ہے کسی چیز کو ضروری بنا لینا شریعت مطہرہ کی دی ہوئی۔ اجازت میں دخل بے فائدہ ہے اور دوسرے اذکار مثلاً تلاوت، تسبیح، نفل درود وغیرہ سے امتناع کے مرادف ہے۔ لہذا طریقہ مذکورہ قابل ترک ہے جس کا جو جی چاہے پڑھے مگر اس طرح کہ دوسرے کو حرج نہ ہو ورنہ منع کیا جائے گا (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۶۱) (۱) اس بارے میں دیوبندی، بریلوی کا مسئلہ کھڑا کرنا جہالت اور نادانی ہے۔ بریلوی حضرات کی مشہور کتاب بہار شریعت میں ہے کہ اس بیٹھنے میں اسے اختیار ہے کہ چپ بیٹھا رہے یا کلمہ پڑھے یا تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے یا چار رکعت نفل نماز پڑھے جماعت سے مکروہ ہے یا یہ تسبیح پڑھے سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا ینام ولا یموت سبح قدوس ربنا ورب المملکۃ والروح لا اله الا الله نستغفر الله نستلک الجنة ونعوذ بک من النار (ج ۲ ص ۳۱)

تراویح باجماعت سنت ہے یا نہیں :

(سوال ۲۱۵) تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا کیا ضروری ہے؟ گھر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے مگر سنت کفایہ ہے یعنی مسجد میں اگر تراویح کی جماعت نہ ہوگی تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور تارکیں سنت بھی اگر بعضوں نے باجماعت مسجد میں اور بعض نے گھر میں ادا کرے تو ترک سنت کا گناہ نہ ہوگا مگر جماعت اور مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے (صغیری ص ۲۰۵ فصل فی التراویح)

داڑھی منڈھے کا تراویح پڑھانا:

(سوال ۲۱۶) جو حافظ کہ داڑھی منڈاتا ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) داڑھی منڈانا حرام ہے اور داڑھی منڈانے والا از روئے شرع فاسق ہے لہذا ایسے کو تراویح کے لئے امام بنانا جائز نہیں۔ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۵۲۳) (۲)

نابالغ کو امام بنانا:

(سوال ۲۱۷) حافظ لڑکا نابالغ ہے مگر قریب البلوغ (مراہق) ہے تو کیا اس کو نماز تراویح میں امام بنا سکتے ہیں۔

(الجواب) نابالغ بالغوں کا امام نہیں بن سکتا۔ لہذا اس کو تراویح کے لئے امام نہیں بنایا جاسکتا۔ (۳)

(۱) ویجلس ندبا بین کل اربعة بقدرها و کذا بین الخامسة والوتر ویخبرون بین تسبیح وقرأت وسکوت وصلاة فرادی باب الوتر والنفل مبحث صلاة التراویح

(۲) قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الكبائر کشارب الخمر والزانی واکل للربا ونحو ذلك باب الامامة

(۳) وعلى قول آئمة بلخ یصح الاقتداء بالصبيان فی التراویح والسنن والمطلقة کذا فی فتاویٰ قاضی خان المختار أنه لا یجوز فی الصلوات کلها کذا فی الهدایة الفصل الثالث فی بیان من یصح اماما لغيره فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۵

تراویح سمجھ کر وتر میں اقتداء کرنا:

(سوال ۲۱۸) امام کے وتر شروع کرنے کے بعد مصلیٰ نے تراویح سمجھ کر اس کی اقتداء کی تو اب وتر ادا ہوں گے یا نہیں؟
(الجواب) صورت مسئلہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد چوتھی رکعت شامل کر کے نماز کو تمام کرے اور یہ چار رکعت نفل ہو جائیں گی، وتر ابھی ذمہ باقی رہیں گے ان کو ادا کرنا ہوگا (صغیری ص ۲۱۱ فصل فی التراویح)

تراویح میں قرأت قرآن کے وقت بیٹھے رہنا:

(سوال ۲۱۹) تراویح کے وقت بعض لوگ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔
(الجواب) اس طرح کرنا منع ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹) (۱)

مقتدی تراویح میں قعدہ اخیرہ میں سو جائے:

(سوال ۲۲۰) مقتدی تراویح کے قعدہ اخیرہ میں سو جائے۔ جب امام نے سلام پھیرا تو بیدار ہوا تو اب کیا کرے؟
(الجواب) صورت مسئلہ میں تشہد پڑھ کر سلام پھیر لے نماز صحیح ہو جائے گی (صغیری ص ۲۱۰)

یکبارگی تراویح میں بیس ۲۰ رکعت کی نیت کرنا:

(سوال ۲۲۱) تراویح کی بیس رکعت کے لئے شروع میں ایک مرتبہ نیت کرنا کافی ہوگا یا ہر دو رکعت پر نیت کرنا پڑے گی؟

(الجواب) تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے۔ ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے (۲) واللہ اعلم۔

(سوال ۲۲۲) تراویح کی دوسری رکعت میں آخری قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اب قیام کے بعد قوم نے لقمہ دیا مگر بیٹھا نہیں تیسری رکعت پوری کر کے چوتھی رکعت بھی پڑھ لی اور سجدہ سہو کر لیا، اسی طرح تراویح کی چار رکعات پوری کی، پھر اٹھا رہ رکعت ادا کی پہلی چار پڑھی ان چار رکعات پر ترویجہ نہیں کیا تھا، بلکہ دو رکعت کو نفل اور دو رکعت کو تراویح خیال کیا آیا ان چار رکعات میں دو رکعت تراویح کی شمار ہوں گی یا نہیں۔ یا چار رکعات نفل ہو گئی ان دونوں رکعتوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ ہے تو امام و قوم مل کر اعادہ کرے یا تنہا تنہا۔ بیوا تو جروا۔

(الجواب) آپ نے غلطی کی مقتدی نے جو لقمہ دیا وہ صحیح تھا آپ پر لازم تھا کہ بیٹھ جاتے لیکن جب چار رکعات پر سجدہ سہو کیا ہے تو تراویح ہو گئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۱) ویکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم وکذا اذا غلبته النوم (فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۹)
(۲) فاذا صلی التراویح مع الامام ولم یجد لکل شفیع نية جاز کذا فی السراجیۃ فتاویٰ عالمگیری، فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۷
(۳) واضح رہے کہ ان چار رکعتوں میں سے صرف دو رکعتیں تراویح کی ادا ہوں گی یہ مسئلہ اسی باب میں تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرنے کو کیا حکم ہے، کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے وہی دیکھ لیا جاوے۔

تراویح کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۲) تراویح کے وقت نیند کا غلبہ زیادہ ہو، منہ پر پانی چھڑکنے کے باوجود نیند ستائے تو جماعت ترک کر کے سونے کے لئے گھر جاسکتا ہے؟

(الجواب) جی ہاں! جاسکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، غلبہ نوم کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے، نیند پوری ہونے کے بعد بقیہ تراویح کو وقت کے اندر (صبح صادق تک) پڑھ لے۔ (صغیری ص ۲۱۱)

رکعات تراویح میں اختلاف واقع ہو جائے:

(سوال ۲۲۳) رکعات تراویح کے بارے میں مقتدی حضرات کے درمیان اختلاف ہوا بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ بیس ۲۰ ہوئیں تو اب کس کا قول معتبر ہوگا؟

(الجواب) امام جس طرف ہوگا اس جماعت کا قول معتبر ہوگا۔^(۱)

(سوال ۲۷۷) امام اور مقتدی کو شبہ ہو کہ اٹھارہ رکعت ہوئی یا بیس ۲۰؟ تو کیا کیا جائے دو رکعت اور پڑھ لی جائے؟

(الجواب) سب کو اگر شک ہو جائے تو دو رکعت اور پڑھ لی جائے۔ لیکن باجماعت نہیں۔ علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں (صغیری ص ۲۰۸)

نماز عشاء تنہا پڑھنے والا تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے:

(سوال ۲۲۴) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے؟

(الجواب) پڑھ سکتا ہے۔ (صغیری)

(سوال ۲۷۹) جس شخص نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہو وہ نماز وتر جماعت سے ادا کر سکتا ہے۔

(الجواب) ادا کر سکتا ہے۔^(۲) فقط واللہ اعلم

تراویح میں درمیان سورہ بسم اللہ جہر پڑھی جائے یا سرّاً:

(سوال ۲۲۵) تراویح میں جب کہ حافظ قرآن سنار یا ہو تو اس کو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن

الرحیم جہراً پڑھنا چاہئے یا سرّاً؟ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں دو رائے ہیں اول یہ کہ پڑھنا چاہئے۔ دوسری رائے

یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل ہوگا اور پورے قرآن میں صرف کسی ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی ہر

سورت کے شروع میں نہیں، ہم کس رائے پر عمل کریں۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) خارج نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرائت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابو حنیفہؒ

کے مسلک کی پیروی کی جائے۔ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظم کے مسلک کے موافق

(۱) اذا سلم الا امام في تروية فقال بعض القوم صلى ثلاث ركعات وقال بعضهم صلى ركعتين ما خذ الا امام بما عنده الخ فتاوى عالمگیری فصل في التراويح ج ۱ ص ۱۱۷

(۲) واذا صلى معه شيئا من التراويح او لم يدر شيئا منها او صلاها مع غيره له ان يصلي الوتر معه هو الصحيح كذا في القنية فتاوى عالمگیری فصل في التراويح ص ۱۱۷

پڑھی جائے اور بسم اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل میں ہے۔
 (الجواب) درمختار میں ہے۔ کما تعود سمي الخ قال في الكفاية عن المجتبى والثالث انه لا يجهر بها في الصلوة عندنا خلافاً للشافعي وفي خارج الصلوة اختلافات الروايات والمشائخ في التعوذ والتسمية قيل يخفى التعوذ دون التسمية والصحيح انه يتخير بينهما ولكن يتبع امامه من القراء وهم يجهرون بهما الا حمزة فانه يخفيها ۱۵ (شامی ج ۱ ص ۲۵۷ باب صفة الصلوة) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سرا پڑھنا چاہئے۔ اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاق نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل و تراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القراء خارج صلوٰۃ میں ہے نہ صلوٰۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماء احناف کو پایا ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۲ ص ۲۶۲ و ۲۶۵)

اسی طرح ”امداد الفتاویٰ“ میں ہے۔

(الجواب)۔ بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جرزیت تو لازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت یا ہر سورت کا جزو نہیں پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جبر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ گو قاری کو تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جائے گا، کیونکہ بعض اجزاء کا جبر بعض کا اخفاء جائز ہے فن قراءت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ تتمہ خامسہ ص ۳۸ (امداد الفتاویٰ ص ۳۰۶ جلد اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت کے بعد اجتماع دعا مانگنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۲۶) ہمارے یہاں ایک عرصہ سے آخری ترویج کے بعد (یعنی بیس رکعت کے بعد) اجتماعی دعا کا رواج نہ تھا۔ تمام مقتدی اپنے اپنے طور پر منفرداً دعا مانگ لیتے تھے یا ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن امسال امام تراویح نے اجتماعی طور پر دعا مانگی، اس پر بعضوں نے اعتراض کیا کہ نئی بات پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور بعض اس کو پسند کر رہے ہیں کہ اسی طریقہ کو جاری رکھا جائے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اقرب الی السنۃ اور بہتر طریقہ کون سا ہے۔ تحریر فرمادیا جائے۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ہر ترویج (یعنی چار رکعت) کے بعد توقف کرنا مستحب ہے لیکن آخری ترویج کی وہ تاکید اور اہمیت نہیں ہے جو پہلے چار ترویجوں کو حاصل ہے، فقہاء کے کلام سے مصرح ہے کہ مقتدیوں پر گران گذرتا ہو تب بھی دیگر ترویجے چھوڑے نہ جائیں۔ ہاں مقدار کم ہو سکتی ہے لیکن آخری ترویج کے لئے لکھا ہے کہ مقتدیوں پر بار گذرتا ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ فاذا اتمھا (ای عشرين ركعة) ينتظر قدر ترويحة ثم يوتر الا ان يعلم انه يثقل على القوم. (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۰)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ويستحب الجلوس بين التريحتين قدر ترويحة وكذا بين الخامسة والوتر كذا في الكافي وهكذا في الهداية ولو علم ان الجلوس بين الخامسة والوتر يثقل

على القوم لا يجلس هكذا في السراجيه ثم هم مخيرون في حالة الجلوس ان شاؤوا سبحوا وان شاء واقعدوا ساكتين واهل مكة يطوفون اسبوعاً ويصلون ركعتين واهل المدينة يصلون اربع ركعات فرادى كذا في التبيين (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۴۷ فصل فی التراویح)

لہذا اجتماعی دعا جاری کر کے اختلاف پیدا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ فقہاء نے تمام ترویحوں میں آزادی دے رکھی ہے کہ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھتے رہیں پھر آخری ترویج کو اجتماعی دعا کے لئے مخصوص کر لینا سمجھ میں نہیں آتا۔ هذا ما ظهر لي . والله اعلم بالصواب .

تراویح میں ختم قرآن کے وقت آخری رکعت میں اَلَمْ سے مفصل حون تک پڑھنا:

(سوال ۲۲۷) تراویح میں جب کہ قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے تو یہاں عام طور پر رواج ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورہ فلق اور دوسری رکعت میں سورہ والناس اور اَلَمْ سے مفصل حون تک مع سورہ فاتح پڑھتے ہیں۔ آیا اس کا ثبوت شریعت میں ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح میں ختم قرآن کے وقت انیسویں رکعت میں سورہ فاتحہ اور معوذتین (سورہ فلق و سورہ ناس) پڑھنا اور بیسویں رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کا کچھ حصہ (مفصل حون تک) پڑھنا مستحب ہے یہ حدیث سے مستنبط ہے۔ وفي الولوالجيه من يختم القرآن في الصلوة اذا فرغ من المعوذتين في الركعة الاولى يركع ثم يقوم في الركعة الثانية يقرأ بفاتح الكتاب وشيئ من سورة البقرة لان النبي صلى الله عليه وسلم قال خير الناس الحال المرتحل اي الخاتم المفتوح انتهى (كبيرى شرح منيه ص ۶۳ تنمات فيما يكره من القرآن في الصلوة وما لا يكره الخ) یہ جو بعض جگہ راجع ہے کہ بیسویں رکعت میں چار مرتبہ سورہ اخلاص اور سورہ فلق۔ سورہ ناس اور سورہ بقرہ مفصل حون تک اور دوسری دعائیں پڑھتے ہیں یہ صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا قرآن کی تراویح پڑھنا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟:

(سوال ۲۲۸) امام صاحب پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھاتے ہیں مگر قرآن پاک تراویح میں ختم کرنے سے عاجز ہیں، مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ کئی سالوں سے تراویح پڑھانے کی عادت چھوٹ گئی ہے۔ کمیٹی والے امام صاحب کو مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی تراویح پڑھنا امام کی ذمہ داری ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حقیقتاً قرآن پاک کی تراویح پڑھنا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟ اور کیا امام کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح میں جب کہ امام قرآن مجید ختم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو اہم ترکیف سے پڑھانے کے ذمہ دار ہیں، اگر مقتدی تراویح میں قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو اس کا انتظام وہ کریں، لوجه اللہ تراویح پڑھانے والا مل سکے تو کسی حافظ کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کر دیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں اس کے ذمہ لازم کر دی جائیں اور وہ تراویح بھی پڑھائے۔ تو اجرت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مجبوری ہے (فتاویٰ)

رحیمیہ ج ۱ ص ۳۴۹) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھا جائے گا۔ (مکتبہ) اس کے علاوہ کبیر (۱) ہے "فقط واللہ اعلم بالصواب"۔

ادائیگی سنن کے بغیر تراویح میں شامل ہو سکتا ہے

(سوال ۲۲۹) ایک شخص نے عشاء کی فرض نماز تو پڑھ لی ہے مگر تراویح شروع ہو جانے کی وجہ سے سنتیں نہیں پڑھ سکا۔ اب وہ شخص تراویح میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور بعد تراویح سنن پڑھے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) صورت مسئلہ میں سنتیں چھوڑ کر تراویح میں شامل ہو جانا چاہئے۔ سنتیں بعد میں پڑھ لے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی اس کے پیچھے تراویح پڑھی گئی تو تراویح کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے:

(سوال ۲۳۰) عشاء کی جماعت ہو گئی اس کے بعد جب تراویح کی جماعت ہونے لگی تو دوسرے حافظ کہ جنہوں نے ابھی عشاء کی فرض نماز ادا نہیں کی تھی مصلی پر کھڑے ہو گئے اور دو رکعت تراویح پڑھا دی۔ مقتدیوں میں سے بعض نے اعتراض کیا تو حافظ صاحب کو ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد امام کی اقتداء میں بقیہ تراویح ادا کی گئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقتدیوں کی اگلی دو رکعتیں صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ان کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) صورت مسئلہ میں تراویح کی دو رکعتیں قابل اعادہ نہیں الصبیح ان وقتها بعد العشاء لا تجوز قبلها وهو المختار لانها نافلة سنة بعد العشاء. الى قوله ويتنبى على انها تبع العشاء لا تجوز قبلها انه لو صلى العشاء بامام وصلى التراويح بامام اخر ثم علم ان الامام الاول كان قد صلى العشاء على غير وضوء او علم فسادها بوجه من الوجوه فانه يعيد العشاء لفسادها ويعيد التراويح تبعاً لها (کبیری ص ۳۸۵ و ص ۳۸۶ صلاة التراويح) اسی وقت اعادہ کر لینا تھا اور اگر اعادہ نہ کیا گیا تو بعد میں صبح صادق سے پہلے فرادی فرادی پڑھی جاسکتی تھی۔ اب وقت نکل گیا اس کی قضا نہیں ہے استغفار کریں اور ان دو رکعتوں میں جتنا قرآن پڑھا گیا تھا اس کو لوٹا یا نہ ہو تو دوسرے دن لوٹا لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت ادا کر سکتا ہے یہی صحیح ہے!

(سوال ۲۳۱) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی وہ وتر اور تراویح باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کی طرف سے جواب موصول ہوا ہے کہ وتر باجماعت نہیں پڑھ سکتا (بہار شریعت حصہ چہارم) درمختار: آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۲۲۹ پر یہ ہے کہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ یہ دونوں جواب متضاد ہیں لہذا جواب سے توازیں اور کون سا قول رائج اور مفتی بہ ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(۱) واذا كان امام مسجد حيه لا يختتم فله ان يترك الى غيره انتهى صلاة التراويح ص ۱۲۰

(۲) ولو فاتته وخاف لو اشتغل بها نفوته متابعه الامام اولى بحر الرائق باب الوتر والنوافل

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور تہجد باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ واذا لم یصل الفرض مع الامام قبل لا یتبعہ فی التراويح ولا فی التہجد وکذا اذا لم یصل معہ التراويح لا یتبعہ فی التہجد والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ الخ (صغیری ص ۲۱۰ صلاة التراويح) (کبیری ص ۲۹۱ سلمۃ التراويح) واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھانے والی کو خوشی سے ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ قبول کر سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال ۲۳۲) احقر ہمت نگر میں سات سال سے تراویح پڑھاتا ہے مگر الحمد للہ کبھی بھی پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لئے۔ لوگ بھی بہت خوش ہیں امسال وہ خوشی سے کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں تو میں ہدیہ لے کر غریب کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ یا اپنے استعمال میں لا سکتا ہوں؟ نیز میں نماز ظہر بھی روزانہ پڑھاتا ہوں، بیٹو! تو جروا۔ محمد یونس ویسنگرنی

(الجواب) آپ سات سال سے تراویح پڑھاتے ہیں اور ہدیہ نہیں لیتے۔ اگر امسال بھی اسی جگہ تراویح پڑھا رہے ہیں اور وہ لوگ خوشی سے کچھ پیش کرنے پر مصر ہیں تو قبول کر سکتے ہو کہ محض ہدیہ ہے۔ قبل ازیں سات سال تک لینے دینے کا سلسلہ نہیں رہا یا اس کی دلیل ہے۔ اگر نئی جگہ ہے تو قبول نہ کیا جائے کہ ہدیہ نہیں ہے بلکہ اجرت پیش کی جا رہی ہے اس لئے کہ لوگ اجرت دینے کے عادی ہیں لہذا قبول نہ کیا جائے غریب کو دینے کی نیت سے بھی نہ لیا جائے۔ ظہر پڑھانے سے آپ امام یا نائب امام کے درجہ میں نہیں آجاتے اس لئے کہ جب آپ کو تراویح کے لئے متعین کیا تو امام یا نائب کی بات کر کے نہیں رکھا تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۹۶ھ۔

تراویح میں سجدہ سہو نہ کیا تو دو رکعتیں قابل اعادہ ہیں:

(سوال ۲۳۳) تراویح میں حافظ صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کر کے بجائے ایک سجدے کے دو سجدے کئے کیا اس صورت میں دو سجدے کرنے سے قیام میں تاخیر ہونے کی بنا پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر لازم ہوتا ہو اور سجدہ سہو نہ کیا تو کیا دو رکعت واجب الاعادہ ہیں؟ اعادہ باجماعت کریں یا فرداً پڑھ لیں؟ بیٹو! تو جروا۔

(الجواب) نماز تراویح میں ایک سجدہ زائد ہونے کی وجہ سے تاخیر لازم آئی سجدہ سہو کر لینا تھا۔ نہیں کیا گیا اس لئے وقت کے اندر اندر اعادہ ہے لوگ موجود ہوں تو جماعت سے ورنہ تنہا تنہا پڑھ لیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

تراویح میں ختم قرآن کے بعد شیرینی تقسیم کرنا!

(سوال ۲۳۴) رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن ہوتا ہے اس دن شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ بیٹو! تو جروا۔
(۲) شیرینی صرف ایک شخص کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے۔ چندہ نہیں کرتے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ (۳) شیرینی جماعت خانہ میں تقسیم کر سکتے ہیں؟ یا صحن میں کی جائے؟ بیٹو! تو جروا۔ (از سگرام پورہ سورت)

(۱) ولا تقضی الترویج اصلاً بفواتہا عن وقتہا مفرداً ولا بجماعة علی الاصح ... وہی سنة الوقت لا سنة الصوم مرقی الفلاح علی هامش طحطاوی، فصل فی صلاة التراويح ص ۲۲۶ وفي الفتاوی من ترک السنة یسنل عنہا واذا فات عن وقتہ لا یؤمر بالقضاء فتاوی تانار خانہ نوع آخر فی قضاء التراويح

(الجواب) ضروری نہیں ہے لوگوں نے اسے ضروری سمجھ لیا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو چندہ دیئے پر مجبور کیا جاتا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شور وغل وغیرہ خرابیوں کے پیش نظر اس دستور کو موقوف کر دینا ہی بہتر ہے۔

(۲) امام تراویح یا اور کوئی ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے۔ تو درست ہے۔

(۳) مسجد کا فرش خراب نہ ہو، خشک چیز ہو اور مسجد کی بے حرمتی لازم نہ آئے تو درست ہے بہتر یہ ہے کہ دروازے پر تقسیم کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

چند حفاظ مل کر تراویح پڑھائیں تو درست ہے یا نہیں؟

(سوال ۲۳۵) ہمارے یہاں مسجد میں چار حفاظ مل کر تراویح پڑھاتے ہیں۔ پہلے حافظ صاحب چار رکعت پڑھاتے ہیں دوسرے امام آٹھ رکعت پڑھاتے ہیں۔ تیسرے چار رکعت اور چوتھے چار رکعت۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) افضل یہ ہے کہ ایک یا دو حفاظ مل کر تراویح پڑھاویں، اگر ایسے جید اور باہمت حافظ نہ ہوں اور متعدد حفاظ تراویح پڑھاویں تو یہ بھی درست ہے۔ تراویح ہو جاتی ہے۔ والا فضل ان یصلی التراويح بامام واحد فان صلواہا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فان انصرف علی تسلیمة لا یتحب ذلک فی الصحیح اہ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ فضل فی التراويح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ترویحوں میں سوال میں مندرج کلمات پڑھنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۳۶) ہمارے یہاں تراویح شروع کرنے سے قبل ایک شخص بلند آواز سے یہ کلمات پڑھتا ہے۔ "صلوۃ التراويح سنة رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد" اس کے بعد تراویح شروع ہوتی ہے اور رکعت کے بعد یہ بیچ یا کریم للمعروف یا قدیم الاحسان، احسن الینا ربنا یا حسناک القدیم یا اللہ یا اللہ یا اللہ فضل من اللہ ونعمة ومغفرة ورحمة لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد پڑھتا ہے۔ اور چار رکعت کے بعد البدر محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد پڑھنے کے بعد یا کریم المعروف الخ پڑھتا ہے، اور دوسرے ترویجہ میں خلیفۃ رسول اللہ بالصديق والتحقیق امیر المؤمنین سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، اور پھر تیسرے ترویجہ میں مزین المسجد والمنبر والمخرب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے اور چوتھے ترویجہ میں جامع القرآن کامل الحیاء والایمان امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ الخ اور پانچویں ترویجہ میں اسد اللہ الغالب مظهر العجائب والغرائب امام المشارق والمغرب امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ الخ

پڑھتا ہے۔ اور سبحان الملک القدوس الخ بھی ایک آدمی پڑھتا ہے اور یہ تمام اوراد بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگ تسبیح وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اور وتر سے پہلے۔ الوتر واجب رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ الخ پڑھتا ہے۔ کیا ان تمام کلمات کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) یہ سب باتیں سنت کے مطابق نہیں ہیں، رکعی ورواجی ہیں لہذا قابل ترک ہیں۔ دو رکعت پر ترویجہ نہیں ہے البتہ چار رکعت کے بعد ترویجہ ہے اور اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بارگاہ گزرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے، لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں، چاہے تلاوت کریں یا نفل پڑھیں، یا ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔ یا درود شریف پڑھتے رہیں۔ یا خاموش بیٹھے رہیں سب جائز ہے۔ ایک چیز کا سب کو پابند بنانا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحمیہ ج ۱ ص ۳۵۲ اردو (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں تراویح میں ہر چار رکعت پر دعاء مانگنا صحیح ہے یا نہیں، عنوان کے تحت دیکھئے۔ ص ۲۶ ج ۶ مرتب) فتاویٰ رحمیہ انگریزی و گجراتی جلد اول میں بھی یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پر اجرت لینا:

(سوال ۲۳۷) حافظ صاحب لوجہ اللہ بلا معاوضہ تراویح پڑھاتے ہیں۔ مقتدی حضرات خوشی سے کچھ عنایت کریں تو کیا حکم ہے؟ اور اگر پہلے سے مقرر کر کے دی جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔ (الجواب) حافظ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے۔ اور مقتدی خوشی سے تعاون کریں تو جائز ہے۔ لیکن لینے دینے کا طریقہ رائج ہو گیا ہے اس لئے حافظ کے دل میں لالچ اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور نمازیوں کو بھی دینے کی فکر ہوتی ہے۔ ”لہذا بہ تاعده المعروف کا لمشروط“ معاوضہ (مختار) کے حکم میں اور اس کے ہم مثل ہو جاتا ہے اس لئے کراہت سے خارج نہیں، گناہ کا موجب ہے۔ حفاظ کرام کیوں اپنے کو اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں شامی میں ہے۔ وان القراءة لشئ من الدنيا لا يجوز وان الأخذ والمعطى آثمان یعنی دنیا کی کسی چیز کے لئے قراءت ناجائز ہے لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔“ (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ باپ قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الرصیۃ بالاحتیاط والتہلیل ج ۵ ص ۴۷ کتاب الاجارۃ الاستنجار علی الطاعات)۔

حدیث شریف میں ہے اقرؤ القرآن ولا تأکلوا بہ شامی کتاب الاجارۃ مطلب فی الاستنجار علی الطاعات یعنی قرآن پڑھو اور اس کو کسب کا ذریعہ نہ بناؤ۔ لہذا حفاظ کرام کو سوچنا چاہئے کہ دنیا کے چند لوگوں کے خاطر خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت کا غلط استعمال کر کے گناہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے؟ اگرچہ مقتدیوں کو تراویح پڑھنے اور قرآن سننے کا ثواب مل جائے گا انشاء اللہ (مگر اتنا نہیں جتنا لوجہ اللہ پڑھانے والے امام کے پیچھے ملتا ہے۔) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ (قرآن) سنا جدا عمل ہے اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں۔ اس کا ثواب ہوگا (امداد الفتاویٰ تتمہ ثالث ص ۶۳)

جس جگہ لوجہ اللہ قرآن سنانے والا حافظ نہ ملتا ہو اور قرآن سننے سے محرومی کی نوبت آتی ہو تو مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ امام تراویح کو رمضان کے لئے نائب امام مقرر کر لیا جائے اور اس کے ذمہ مغرب عشاء اور دو تین

نمازیں پڑھانا لازم کر دیا جائے تو اجرت لینے کی جواز کی صورت ہو جائے گی۔ اس قسم کا احقر کا فتویٰ مع تصدیقات مفتیان کرام ۱۳۱۷ھ میں پندرہ روزہ ”اخبار“ ”جماعت“ (سورت) اور ماہنامہ ”پیغام“ (کاوی) میں شائع ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد اول (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں دوسری رکعت میں قرائت طویل کرنا :

(سوال ۲۳۸) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ حافظ صاحب تراویح کی پہلی رکعت میں قرائت مختصر اور دوسری رکعت میں طویل قرائت پڑھتے ہیں۔ سامع کہتے ہیں کہ نماز میں پہلی رکعت میں قرائت لمبی اور دوسری میں مختصر ہونی چاہئے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ سنت نماز میں پہلی رکعت میں قرائت مختصر اور دوسری رکعت میں لمبی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔ فقط بینوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح اگرچہ سنت ہے لیکن باجماعت پڑھی جاتی ہے اس لئے مشابہ بالفرض ہو جاتی ہے۔ لہذا تراویح میں دوسری رکعت میں قرائت لمبی کرنا پسندیدہ نہیں کسی وقت ہو جائے تو قابل گرفت بھی نہیں اس کی عادت بنالینا خلاف مستحب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ نماز تراویح میں دوسری رکعت کی قرائت طویل کرنا پسندیدہ ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مستحب یہ کہ دونوں رکعتیں برابر ہوں۔ اور امام محمد کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قرائت کچھ طویل ہونی چاہئے۔ ویستحب التسویۃ بین الرکعتین عنہما وعند محمد رحمہ اللہ یطول القراءة فی الاولیٰ علی الثانیہ، ہکذا فی محیط السیر خمسۃ (عالمگیری ج ۱ ص ۵۷ فصل فی التراویح کبیری ص ۳۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کے بعد باری باری ہر گھر پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۳۹) ہمارے گاؤں میں ماہ رمضان میں تراویح کے بعد ختم قرآن کا سلسلہ جاری کیا ہے ترتیب وار سب کے یہاں ختم کے لئے جاتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں اس طرح قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟ اس رواج سے لوگ تشویش میں ہیں۔ تفصیلی جواب سے اطمینان بخشئے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ختم قرآن کا یہ طریقہ کہ باری باری ہر گھر جمع ہوں مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ مشتبہ اور قابل ترک ہے اپنے اپنے طور سے پڑھنا چاہئے۔ جمع ہو کر پڑھنے کا شوق ہو تو کسی جگہ بیٹھ جایا کریں اور اس طرح پڑھیں کہ ہر شخص ایک ایک رکوع پڑھے اور سب سنیں اس طرح پڑھنے میں ختم بھی ہو جائے گا اور اصلاح بھی ہو جائے گی کہ حاضرین میں کچھ لوگ صحیح خواں بھی ہوں گے تو جو لوگ صحیح نہیں پڑھ سکتے ان کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور تعلیمی سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام تراویح سامع کا لقمہ لینے تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴۰) ہمارے یہاں تراویح میں حافظ صاحب سے ایک غلطی ہوئی تو پیچھے سے سامع نے لقمہ دیا اور پوری

آیت پڑھی اتنی دیر امام صاحب خاموش رہے ایت یہ ہے۔ ”ام حسبتم ان تترکوا سے خبیرو بما تعملون“ تک تو سجدہ سہو واجب ہو گا یا نہیں؟ اگر واجب ہو۔ اور نہ کیا ہو تو ان دو رکعت کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) تراویح ادا ہو گئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حافظ کے لقمہ سننے کے لئے ضرورتاً امام کا اس قدر خاموش رہنا مفید صلوٰۃ نہیں ہے اور سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک شخص فرض اور وتر پڑھائے اور حافظ صرف تراویح پڑھائے تو کیسا ہے؟

(سوال ۲۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب عشاء کی فرض نماز اور وتر پڑھاتے ہیں اور دوسرے حافظ صاحب تراویح پڑھاتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ بینوا تو جروا۔
(الجواب) کوئی مضائقہ نہیں، حضرت عمرؓ فرض نماز اور وتر پڑھاتے تھے اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تراویح پڑھاتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ واذا اجازت التراویح بامامین علیٰ هذا الوجه جاز ان یصلی الفریضة احدهما ویصلی التراویح الآخر وقد کان عمر رضی اللہ عنہ یؤمهم فی الفریضة والو تراوی رضی اللہ عنہ یؤمهم فی التراویح کذا فی السراج الوہاج (عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ فصل فی التراویح) واللہ اعلم۔

تراویح میں تنہا عورتوں کی جماعت:

(سوال ۲۴۲) ہمارے یہاں دو عورتیں حافظ قرآن ہیں اگر وہ تراویح میں قرآن شریف نہ سنائیں تو بھول جائیں گی اس بناء پر ایک مولوی صاحب نے تراویح باجماعت پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ محلہ کی عورتیں شامل ہو کر باجماعت تراویح ادا کرتی ہیں۔ حنفی مذہب میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں؟۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) عورت حافظ قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے۔ تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں۔ عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو^(۱) ”مالا بد منه“ میں ہے جماعت زناں تنہا نزد امام ابو حنیفہ مکروہ ست و نزدیکر ائمہ جائز است۔ ترجمہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ (ص ۳۵)

بعض علماء نے عورت کی آواز کو عورت (قابل ستر) قرار دیا ہے۔ چنانچہ مالا بد منه میں ہے ”در نوازل گفتہ کہ آواز زن عورت است ابن ہمام گفتہ کہ بریں تقدیر اگر زن قراءت بہ جہر خواند نمازش فاسد شود۔

ترجمہ: فقہ کی معتبر کتاب ”نوازل“ میں ہے کہ عورت کی آواز عورت (قابل ستر) ہے حافظ ابن ہمام

(۱) ویسکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح قال فی الشامیۃ تحت قوله ولو فی التراویح افاد ان الکراہۃ فی کل ما شرع فیہ جماعۃ الرجال فرضا او نفلا در مختار مع الشامی باب الامامۃ ص ۵۶۵

فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق عورت قرأت زور سے پڑھے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مالا بد منہ ص ۳۰) مجلس الا برار میں ہے، الا ان المرأة لا ترفع صوتها لان صوتها عورة، مگر عورت تکبیر تشریق کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے کہ اس کی آواز عورت (سترات ص ۳۱ مجلس نمبر ۳۵)

بیس رکعت تراویح سنت ہے یا بدعت ہے:

(سوال ۲۳۳) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت ہے یا بدعت عمری؟ غیر مقلدین بدعت عمری کہتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع حجت شرعیہ ہے۔ لہذا بدعت کہنا گمراہی ہے اور روافض کی موافقت کرنا ہے حضرت عمرؓ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين مشكوة باب الاعتصام بالكتاب والسنة ص ۳۰ اور ارشاد فرماتے ہیں۔ اقتدوا بالذين من بعدي ابى بكر وعمر (رضی اللہ عنہما) مشکوة باب مناقب ابی بکر وعمر صفحہ ۵۲ اور ابو نعیم نے عروبة الکندی کے حوالہ سے نقل کیا ہے روى ابو نعیم من حديث عروبة الكندی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ستحدث بعد اشياء فاحبثها الى ان ترمى ما احدث عمر رضى الله عنه . یعنی رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سی باتیں ایجاد ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہوگی جس کو عمرؓ نے ایجاد کیا ہو تم سب اس پر عمل کرنا اور اسے اپنے اوپر لازم کر لینا۔ (بحوالہ طحاوی علی مرقی الفلاح ص ۲۳۹ فصل فی صلاة التراويح)

شیخ الاسلام علامہ بدر الدین مینی شارح صحیح بخاری بنایہ شرح ہدایہ میں ارقام فرماتے ہیں۔ سيرة العمر لا شك في ان في فعلها ثواب وفي تركها عقاب لانا امرنا بالاقتداء بها لقوله عليه الصلوة والسلام اقتدوا بالذين بعدي ابى بكر وعمر فاذا كان الاقتداء بهما مأموراً به يكون واجباً وتارك الواجب يستحق العقاب والعتاب.

یعنی! حضرت عمرؓ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں بلاشبہ ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عقاب ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک ”اقتدوا بالذين من بعدي ابى بكر وعمر“ میں ہمیں آپ کی اقتداء کا حکم کیا گیا ہے تو جب ان دو حضرات کی اقتداء مامور بہ (جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا) ہے تو یقیناً اقتداء کرنا واجب ہوگا۔ اور واجب کو ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ قیام الملة والدين ص ۳۷۸)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ قد ثبت ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان يقوم بالناس عشرين ركعة في رمضان ويوتر بثلاث فرأى كثير من العلماء ان ذلك هو سنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر.

بے شک یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ پس اکثر علماء نے بیس رکعت ہی کو سنت نبوی قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب حضرات مہاجرین و انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں بیس ۲۰ رکعت پڑھاتے تھے کسی نے بھی ان کے اس فعل پر انکار و اعتراض نہیں کیا (اگر بیس رکعت ثابت نہ ہوتی تو مہاجرین و انصار ضرور اعتراض کرتے) (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۹۱)

شیخ احمد رومی فرماتے ہیں:- والصحابۃ حینئذ متوافرون منهم عثمان وعلی و ابن مسعود والعباس وابنہ والزبیر ومعاذ و غیرہم من المهاجرین والانصار وما رد علیہ واحد منهم بل ساعدوہ ووافقوا وامروہ بذلك وواظبوا علیہا حتی ان علیاً اتی علیہ ودعاه بالخیر وقد قال نور اللہ مضجع عمرؓ کما نور مساجدنا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی وهی عشرون رکعة.

یعنی:- (اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھانے کے لئے نامزد کیا) اس وقت صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاذؓ، اور ان کے علاوہ سب ہی مہاجرین و انصار موجود تھے۔ کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا اور آپ کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے آپ کا تعاون کیا اور آپ کی موافقت اور تائید کی اور اس کو جاری و رائج کیا اور صحابہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور ان کی لئے دعائے خیر کی (حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں منور کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے میرے طریقہ اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑنا۔ اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں۔ (مجالس الابراہیم ص ۸۷ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیت التراویح وفضاہا۔)

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:- عمل فاروقؓ (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے دلیل آنحضور ﷺ کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين ہے۔ (العرف اشذی ج ۱ ص ۲۶۰ باب ماجاء فی قیام شہر رمضان) ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ بیس رکعت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہذا یہ بدعت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے:

(سوال ۲۴۴) ماہ رمضان میں تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا فقہاء نے سنت لکھا ہے اس سے کوئی سنت مراد ہے مؤکدہ یا غیر مؤکدہ؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:- صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ قوم کی

کا، ہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے اور دو ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین ختم کرنا افضل ہے جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے اس سے ظاہر اسنت مؤکدہ مراد ہے۔ الخ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۰۰)

والختم مرة سنة مؤكدة (نہایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱ فصل فی التراویح) والجمهور على ان السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم فالحاصل ان المصاييح في المذهب ان الختم سنة (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸، ۲۹ باب الوتر والنوافل) ارید الختم بالتراویح بناء على انه سنة على القول (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۴ باب قیام شهر رمضان) واكثر المشايخ على ان السنة فيها الختم مرة فلا يترك لكسل القوم (هدایہ ج ۱ ص ۱۳۱ فصل فی التراویح) (قوله ولا يترك لكسل القوم) تأكيد في مطلوبة الختم وانه تخفيف على الناس لا تطويل. (فتح القدير ج ۱ ص ۹۰۹ ایضاً) السنة فی التراویح انما هو الختم مرة فلا يترك لكسل القوم والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات افضل (فتاویٰ عالمگیری فصل فی التراویح ص ۱۱)

در تمام رمضان ختم قرآن شود و از کسل قوم ازین کم نکند و اگر قوم راغب باشد در تمام رمضان دو ختم یا سه ختم یا چهار ختم کند (مالا بامنہ ص ۶۳) مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت ہے (علم الفقہ ج ۲ ص ۵۷) ہاں بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی جگہ کے لوگ اتنے سست اور بد دل اور بد شوق ہوں کہ پورا قرآن مجید سننے کی تاب نہ رکھتے ہو تو اتنا پڑھ لے کہ مسجدیں جماعت سے خالی نہ پڑ جائیں۔ ایسی ابتر حالت نہ ہو تو ایک ختم سے کم نہ کرے کیونکہ یہی سنت ہے۔ لکن لا يلزم منه عدم تركه اذ لزم منه تنصير القوم وتعطيل كثير من المساجد (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۱۹ باب الوتر والنوافل)

اگرچہ آنحضرت ﷺ سے تراویح میں قرآن مجید ختم کرنے کے بارے میں کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں مگر اس قدر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ تہائی رات اور آدھی رات تک اور ایک مرتبہ سحری تک تراویح پڑھی ہے دیکھو (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۲) (۱) (ترمذی شریف و نسائی شریف و ابوداؤد) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں بعض لوگوں کو مسجد کے کونے میں جماعت سے نماز پڑھنے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کو قرآن یاد نہیں اس لئے (حافظ قرآن) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کی تعریف کی کہ اچھا کر رہے ہیں۔ (باب قیام شہر رمضان ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تراویح کے لئے حافظ امام کی تلاش کا مقصد ختم قرآن ہے۔ اس حدیث کے راوی مسلم بن خالد کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بارے میں دیکھو ("المعلیق المجد" ص ۱۱۱)

(۱) عن أبي ذر قال سمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قائم حتى ذهب حتى ينظر الليل فقلت يا رسول الله لو نفلتنا قيام هذه الليلة قال فقال ان الرجل اذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال فلما كانت الرابعة لم يقم فلما كانت الثالثة جمع اهله ونساءه والناس فقام بنا حتى حسنا ان يفوته الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر باب في قيام شهر رمضان)

کتب حدیث و فقہ میں ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کی امامت کے لئے حافظوں کو بلا کر ان کی قرأت سنی پھر تیز پڑھنے والی کو تین ختم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی ہر عشرہ میں ایک ختم مہینے میں تین عشرے ہیں اور ہر عشرہ کی الگ فضیلت ہے حدیث میں ہے۔ اولہ، رحمة و اوسطہ، مغفرة و اخرہ، عتق من النار) اور معمولی تیز پڑھنے والے (یعنی تداویر پڑھنے والے) کو دو ختم کرنے کے لئے فرمایا۔ اور آہستہ یعنی ترتیل سے پڑھنے والے کو ایک ختم کرنے کے لئے کہا۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے شوق اور ہمت کے مطابق مذکورہ اماموں میں سے کسی ایک کی اقتداء کی ہدایت فرمائی۔ عن ابی عثمان النهدی قال دعا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بثلاثة من القراء فاستقرأهم فامر اسرعهم قراءة ان یقرأ للناس بثلاثین آية فی کل رکعة و امر او سطهم ان یقرأ خمساً و عشرين و امر ابطأهم ان یقرأ للناس عشرين آية و کذا رواه الثوری عن عاصم (السنن الکبریٰ مع الجوهر النقی باب قدر قراءتہم فی قیام شہر رمضان ج ۲ ص ۴۹۷) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲)

کبیری شرح منیہ میں ہے:- و روی البیہقی باسنادہ عن ابی عثمان النهدی قال دعا عمر بثلاثة من القراء فاستقرأهم فامر اسرعهم قراءة ان یقرأ للناس بثلاثین آية فی کل رکعة و او سطهم بخمسة و عشرين آية و ابطأهم بعشرين آية قال قاضی خاں و قال بعضهم و هو رواية الحسن عن ابی حنیفة یقرأ فی کل رکعات عشر آیات و هو الصحیح لان فیہ تخفیفاً علی الناس و بہ تحصیل السنة و هو الختم مرة واحدة لان عدد رکعات التراویح فی ثلاثین ليلة ست مائة و آیات القرآن ستة آلاف و شینی فاذا قرأ فی کل رکعة عشر آیات یحصل الختم . و الفضیلة فی الختم مرتین و ینبغی للامام و غیرہ اذا صلی التراویح و عاد الی منزل و هو یقرأ القرآن ان یصلی عشرين رکعة یقرأ فی کل رکعة عشر آیات احرازاً للفضیلة و ہی الختم مرتین انتہی و فی الہدایة و اکثر المشانخ علی ان السنة فیہا الختم فلا یتروک لکسل القوم قال الشیخ کمال الدین ابن الہمام قوله ولا یتروک لکسل القوم تاکید فی مطلوبیة الختم و انه تخفیف علی الناس لا تطویل کما صرح بہ فی النہایة و اذا کان امام مسجد حیہ لا یختم فله ان یتروک الی غیرہ انتہی (صلوة التراویح کبیری شرح منیة المصلی ص ۳۸۸)

صلوة مسعودی میں ہے:- مسئلہ:- در تراویح سنت است کہ قرآن ختم کند اما صحابہؓ دروے اختلاف است کہ دروے چند ختم کند بر قول امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ ختم در ہر دہ روزے یکے ختم کند۔ و بعضے گفتہ اند کہ ایک ختم کند قاضی امام کبیری الدین میگوید کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ امام میگرداز بہت گذاردن نماز تراویح یکے را گفت تو سہ ختم کن و یکے را فرمود کہ تو دو ختم کن و یکے را فرمود کہ تو یک ختم کن از گاہ صحابہؓ را امر کرد و گفت ہر کہ قوی حال است و توانا است جائے گذارید کہ سہ ختم کنند و ہر کہ میانے حال است جائے گذارید کہ یک ختم کنند پس دانستم کہ ختم کردن سنت است۔ در خواندن قراءت دروے اختلاف است امیر المؤمنینؓ گفتہ است کہ در ہر رکعتی سی آیت خواند تا کل ماہ رمضان سہ ختم شود و در ہر دہ روزے یک ختم شود ظاہر روایت آنست کہ در ہر رکعتی دہ آیت خواند کل ماہ رمضان یک ختم

شواہخ۔ (صلوٰۃ مسعودی فارسی ج ۳ ص ۱۸۸)

قاضی خاں میں ہے۔ فصل فی مقدار القراءة فی التراویح۔ اختلف المشائخ فیہ قال بعضهم یقرء فی کل شفع مقدار ما یقرأ فی صلوٰۃ المغرب لان التطوع اخف من المكتوب فیعتبر باخف المكتوبات وهو المغرب وهذا لیس بصحیح لان بهذا القدر لا یحصل الختم فی التراویح، والختم فی التراویح مرة واحدة سنة وقال بعضهم یقرأ مقدار ما یقرء فی العشاء لا یتبع للعشاء. وقال بعضهم یقرء فی کل رکعة من عشرين اية الى ثلثین. وقال بعضهم وهو رواية الحسن عن ابی حنیفة رحمہ اللہ یقرء فی کل رکعة عشر ایات وهو الصحیح لان فیہ تخفیفاً علی الناس وبہ تحصل السنة وهی الختم مرة واحدة الخ (قاضی خاں ج ۱ ص ۱۱۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے تراویح میں قرآن ختم کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی کوئی دلیل ہوگی۔ ورنہ آپ اس کا حکم نہ فرماتے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعاً اس کو تسلیم کرتے۔ اگر خلفائے راشدین کے بعض اعمال کی صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہمیں نظر نہ آئے گی لیکن مقاصد شرعیہ کے لحاظ سے ان کا عین سنت اور عین شریعت ہونا ضروری ہے۔ لہذا جن کو ختم قرآن کی موجودہ صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نظر نہیں آتی ان کو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاص معتمد وزیر اور عیادت کے ساتھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو دل سے مان کر سنت یقین کریں۔

اصول فقہ کی مشہور و معتبر کتاب ”اصول الشاشی“ میں ہے، والسنة عبارة عن الطريقة المسلوكة المرضية فی باب الدین سواء كانت من رسول الله صلى الله عليه وسلم او من الصحابة رضي الله عنهم. قال عليه الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا علیها بالنواجد.

یعنی سنت اس طریقہ مرضیہ مسلوک فی الدین کو کہتے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ کا یا آپ کے صحابہ کا عمل ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ میرے طریقہ کو اور (میرے بعد) خلفاء کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ (اصول الشاشی ص ۱۰۴ الجث الرابع فی القیاس فصل فی الفرض)

اس لئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ”وکتبتہ رحمہ اللہ، راشدین ہم سنت پیغمبر است“ حقیقت یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی (پیغمبر علیہ السلام) کی سنت ہے (اشعة المصابیح ج ۱ ص ۱۳۱ الاعتصام بالکتاب والسنة)

محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے درحقیقت آنحضرت ﷺ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء (الراشدين) فانهم لم يعملوا الا بسنتی (مرفقة شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۲ ملتانی ایضاً)

محدث علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ”عمل فاروق (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت موکدہ ہے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة

الخلافاء الراشدین المہدیین ہے (العرف اشہدی ص ۳۶۰ باب قیام شہر رمضان)

خلاصہ یہ کہ تراویح میں ایک ختم تاکید سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے۔ ردافض وغیرہ اس سے محروم ہیں اور حفظ قرآن نیز یقاً قرآن کا بڑا ذریعہ ہے اگر خدا نخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور حفاظ و متقا ہو جائیں گے لہذا کسی بھی صورت میں اس کو سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سنت پر تیرا لقرون اور صحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذاہب کے علماء فقہاء مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ اس پر دل و جان سے عامل اور متفق ہیں علامہ بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں۔ ویسن الختم فیہا مرة وما زاد فحسن ہکذا جرى التوارث من زمان امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ الیٰ هذا الآن وهذه الاحکام مما اتفق علیہ فقہاء المذاهب الاربع من غیر خلاف (رسائل الاکان ص ۱۳۹) وان کسل القوم من استماع القراءة مع القدرة علیہ اساءة ولا بترک الختم لکسل القوم (رسائل الاکان ص ۱۳۹) واما القراءة فالمختار الذی قالہ الا کثرون واطبق الناس علی العمل بان تقرأ الختمة بکمالہا فی التراویح فی جمیع الشهر فیقرأ کل ليلة نحو جزء امن ثلثین جزءاً (کتاب الاذکار للامام السنووی ص ۸۳۰) اسلاف کامل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے، اتفاق سلف و تعارف ایساں اصل عظیم است در فقہ، یعنی سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ج ۲ ص ۸۵)

ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ عمل سلف سے متوارث ہو اس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔ لان المسلمین توارثوا ہکذا فوجب ان یتبع توارث المسلمین۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۵ باب العیدین تحت قولہ من بعد فجر عرفہ)

بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختم قرآن کے لئے مشروع ہوئی ہے لانہا (ای التراویح) شرعت لا جل ختم القرآن (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۲۱ فصل فی صلاة التراویح) اور ہر ایک محلہ کی مسجد میں جماعت سے تراویح ہونے کا اہتمام اور تاکید حکم کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ واما قراءة القرآن فی التراویح فمستحب (ای مسنون) باتفاق ائمة المسلمین بل من اجل مقصود التراویح قراءة القرآن فیہا یسمع المسلمون کلام اللہ فان شہر رمضان فیہ نزل القرآن وفیہ کان جبرائیل یدرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۴۷)

قال الباجی فی شرح المؤطا وانما جعل ذلک فی المساجد فی رمضان لکی یحصل لعامة الناس فضيلة القيام بالقرآن کله وسماع کلام ربهم فی افضل الشهور انتہی۔ (کتاب المدخل ج ۲ ص ۸۹)

صاحب مذہب امام ابو حنیفہ تراویح میں ایک ختم کرتے تھے۔ اور ان کو ایک رات کو ایک، سب مل کر رمضان المبارک میں اکٹھے ۶۱ ختم فرماتے (فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۱۱۲) امام بخاری بھی ایک ختم فرماتے تھے (رکعات

تراویح ص ۱۱۷-۱۱۸ تصنیف محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم

عمدة الفقہ میں ہے۔ (۱۷) رمضان المبارک میں تراویح میں ایک بار قرآن مجید کا ترتیب وار ختم سنت ہے قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں (عمدة الفقہ ج ۲ ص ۳۶۸ مصنفہ مولانا زوار حسین صاحب رحمہ اللہ مطبوعہ پاکستان) فقط واللہ اعلم۔

ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں ادا کیں، دو رکعت پر نہ قعدہ کیا اور نہ سجدہ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۴۵) ہمارے یہاں حافظ صاحب نے تراویح دو رکعت کے بجائے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کیں۔ جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو لقمہ دیا گیا حافظ صاحب نے لقمہ نہ لیا اور آخر میں سجدہ سہو بھی نہ کیا تو صورت مسئلہ میں کتنی رکعت تراویح ادا ہوئی۔ اور بر صورت عدم صحت تراویح قراءت کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) زید جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگا اور اس کو لقمہ دیا گیا تو زید کے لئے لازم تھا کہ بیٹھ جاتا مگر جب لقمہ نہ لیا اور کھڑا ہو گیا اور چار رکعتیں ادا کیں تو سجدہ سہو کر کے سلام پھیرنا چاہئے تھا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوتیں اور دو رکعت نفل، مگر جب سجدہ سہو نہ کیا تو برا کیا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوئی مگر وہ واجب الاعادہ ہیں۔ وقت کے اندر اعادہ کر لینا چاہئے تھا وہ نفل جانے کے بعد اس کی قضا نہیں۔ ان چار رکعت میں جتنا قرآن پڑھا گیا ہے۔ اس کا اعادہ کر لیا جائے۔ اور اگر دو رکعت پر قعدہ کیا ہو تو چار تراویح ادا ہو گئیں اور قراءت کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں۔^(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔

تراویح کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۲۴۶) ہمارے یہاں حفاظ الحمد للہ کثیر تعداد میں ہیں۔ قرآن کریم ان کو یاد رہے۔ اس مقصد سے ہم نے رمضان المبارک میں یہ معمول بنا رکھا ہے کہ عشاء کی نماز ہم تمام محلہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں اس کے بعد کچھ حفاظ مدرسہ کی عمارت میں تراویح پڑھاتے ہیں۔ جہاں تھوڑے اور مصلی بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اور بقیہ حفاظ اسی مسجد میں جہاں نماز عشاء ادا کی گئی تراویح پڑھاتے ہیں۔ مدرسہ میں تراویح پڑھنے پڑھانے والے وتر بھی وہیں پڑھتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے۔ قرآن کی حفاظت کی نیت سے اس طور پر تراویح کی دو جماعتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔ (از بوڈھان ضلع سورت)

(الجواب) عشاء کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کر کے چند حفاظ اور ان کے ساتھ کچھ مصلی تراویح اور وتر

(۱) وعن أبي بكر الاسكاف انه سئل عن رجل قام الى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال ان تذكر في القيام بسعي ان يعود ويقعد وسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف اليها ركعة اخرى كانت هذه الاربعة عن تسليمه واحدة وان قعد في الثانية قدر الشاهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمين هو الصحيح هكذا في فتاوى قاضي خان فتاوى عالمگیری، فصل في التراويح ص ۱۱۸ واذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلاة الجائز ايضا

مدرسہ کی عمارت میں جماعت کے ساتھ اس مقصد سے پڑھتے ہیں جو سوال میں مذکور ہے، مسجد کی جماعت سے مختلف مقصود نہیں ہے اس لئے یہ صورت جائز ہے ممنوع نہیں۔ مدرسہ میں یا جماعت ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اس کی تلافی حفاظت قرآن کے مقصد سے پوری ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔ وقال الصدر الشہید الجماعة سنة كفاية حتى لو اقامها البعض في المسجد بجماعة وباقامة أهل المحلة اقامها منفرداً في بيته لا يكون تاركاً للسنة الى قوله. وان صلى بجماعة في بيته فالصحيح انه نال احدى الفضيلتين فان الاداء في المسجد له فضيلة ليس للاداء في البيت ذلك وفي الطحاوی وفي النهر انها في المسجد افضل على ما عليه الا اعتماداً. (مراقی الفلاح مع حاشیة طحطاوی ص ۲۴۰ فصل فی صلاة التراويح) فقط واللہ اعلم بالصواب.

گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے مائٹک میں تراویح پڑھانا کیسا ہے؟

(سوال ۲۴۷) تراویح مائٹک میں پڑھانا کیسا ہے؟ یہاں گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے تراویح مائٹک (آل مکبر الصوت) میں پڑھائی جاتی ہے تو یہ جائز ہے؟ بیٹو! توجروا۔

(الجواب) جب کہ امام کی آواز نمازیوں کو پہنچ جاتی ہے تو مائٹک میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ ورنہ مکروہ تنزیہی۔^(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی تین رکعتیں پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۴۸) امام تراویح نے تراویح کی دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا۔ اور تین رکعت پر قعدہ کر کے سلام پھیر کر نماز پوری کی تو اس صورت میں دو رکعت تراویح ادا ہوئی یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ نفل اور سنت کی تین رکعتیں نہیں ہوتیں اس لئے تراویح کی یہ تینوں رکعتیں فاسد ہو گئیں کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹو! توجروا۔

(الجواب) صورت مسئلہ میں تراویح کا دو گنا نہ معتبر نہ ہوگا۔ اعادہ ضروری ہے اور جو قرآن پڑھا گیا ہے۔ اس کا لوٹانا بھی ضروری ہے۔ شامی میں ہے۔ وفي التارخانية لو صلى التطوع ثلثاً ولم يقعد على الركعتين فالاصح انه يفسد (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا اور چار رکعت پر قعدہ کیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۴۹) تراویح کے آخری قعدہ میں سہوا کھڑا ہو جائے۔ (بغیر قعدہ کئے ہوئے) اور چار رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کرے تو صرف دو رکعت ہوں گی۔ اور یہ دو رکعت تراویح گنی جائیں گی؟ کیا سنت ونوافل میں آخری قعدہ فرض

(۱) ویجہر الامام وجوباً لحسب الجماعة فان زاد عليه اساء قال في الشامية تحت قوله فان زاد عليه اساء وفي الذاهدي عن أبي جعفر لو زاد على الحاجب فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذى غيره فہستانی ذو مختار مع الشامی فصل فی القراءة ج ۱ ص ۴۹۔ اگر ضرورت سے زیادہ اونچا پڑھے لیکن کسی کو تکلیف نہ ہو تو ایسی صورت میں مائٹک سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی تو نہیں ہوگا لیکن خلاف اولیٰ ہوگا جیسے حوالے سے واضح ہے۔

نہیں ہے؟ اس صورت میں فرض ادا کرنے میں کیا صرف تاخیر ہو رہی ہے یا فرض فوت ہو رہا ہے؟ اشکال دور فرمائیں۔
 بیّنوا تو جروا۔ (حیدر آباد)

(الجواب) نفل میں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا ضروری ہے لہذا نفل نماز میں دو رکعت پر قعدہ نہ کیا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ وفي التارخانية لو صلى التطوع ثلاثاً ولم يقعد على الركعتين فلا صح انه يفسد ولو ستاً او ثمانياً بقعدة واحدة اختلفوا فيه والا صح انه يفسد استحساناً وقياساً اه (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل)

البتہ چار رکعت اور چار سے زیادہ ۶-۸-۱۰-۱۲-۱۴-۱۶-۱۸-۲۰ رکعات تراویح پڑھی جائے۔ اور درمیان کا قعدہ نہ کیا جائے تو سجدہ سہو کر لینے پر دو رکعت تراویح معتبر..... ہونے کی بعض فقہاء قائل ہیں اور ان حضرات کے نزدیک قعدہ منتقل ہو کر آخر میں آجائے گا تو فرض کی ادائیگی میں صرف تاخیر ہوگی جس کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جائے گی۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا درجہ فرض اور واجب کے قریب قریب ہے۔ محض نفل نہیں ہے۔ اس لئے تراویح میں بعض فقہاء دو رکعت کی ادائیگی کے قائل ہیں۔ شامی میں ہے لکن صححوافى التراويح انه لو صلاها كلها بقعدة واحدة وتسليمه انها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح اه (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل) فقط والله اعلم بالصواب
 ۱۲۔ شوال المکرم ص ۱۳۹۹=

تراویح پڑھانے پر اجرت لینا اور دینا کیوں درست نہیں؟:

(سوال ۲۵۰) ماہ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ صاحب کو رکھا جاتا ہے آنے والے حافظ کو مسجد کے پیسوں سے نان و نفقہ نیز کپڑوں کی دھلائی کا خرچ دینا اور آخر میں بطور اجرت کچھ پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟ جب کہ یہ مصلیوں کی ضرورت ہے۔ بالفرض اگر دینا صحیح ہے اور مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور کوئی شخص یہ بار اپنے ذمہ لے لے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا۔ (ازکھلوذ ضلع سورت)

(الجواب) اصل حکم تو یہی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے مگر متاخرین نے بقاء دین کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے جواز کا حکم انہی میں منحصر رہے گا۔ تراویح مستثنیٰ کردہ چیزوں میں نہیں ہے اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا۔ شامی میں ہے۔ وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على ان المفتي به ليس هو جواز الاستیجار على كل طاعة بل على ما ذكره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن أصل المذهب الخ (شامی ج ۵ ص ۴۶، کتاب الاجارة)

تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم ترکیف سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں ہے۔ لہذا مسجد کے پیسوں سے حافظ کو اجرت وغیرہ دینا صحیح نہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔ مگر مشکلات بھی

نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں اس کے لئے ایک قابل عمل شکل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص ۳۳۹ (جدید ترتیب کے مطابق یہ فتویٰ، اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتبہ ۲۳۴۵) پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصلیوں میں سے اگر کوئی صاحب خیر حافظ صاحب کے افطار و سحری وغیرہ کا انتظام کر دیں اور آخر میں بطور ہدیہ یا بطور امداد کچھ پیش کریں تو یہ قابل اعتراض نہیں۔ بطور اجرت دینا ممنوع۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

تراویح کے لئے نائب امام رکھا تو اصل امام کی تنخواہ کم کر سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۵۱) امام تراویح کو نائب امام بنا کر عشاء اور فجر کی نماز سپرد کی جائے تو اس صورت میں مسجد کے پیسوں سے تنخواہ دینا درست ہوگا۔ اصل امام صاحب سے نماز عشاء و فجر کے بار کی کمی ہوئی لہذا ان کی تنخواہ میں کمی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اصل امام صاحب بھی پانچوں نمازوں میں حاضر رہیں گے (اور یہ معاملہ بھی صرف ایک ماہ کا ہے) اس لئے ان کی تنخواہ میں کمی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

لڑکا جب پندرہ برس کا ہو جائے تو وہ شرعاً بالغ ہے تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۵۲) میری تاریخ پیدائش ۲۶ جون ۱۹۶۲ء ہے انگریزی سن کے اعتبار سے رمضان کی پہلی تاریخ کو میری عمر پندرہ برس کی ہو جائے گی تو میں اس سال تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جب آپ کی عمر یکم رمضان کو انگریزی سن کے اعتبار سے پندرہ برس کی ہو جائے گی تو جبری سن کے اعتبار سے بطریقہ اولیٰ ہو جائے گی اس لئے آپ تراویح پڑھا سکتے ہیں۔ پندرہ برس سے پہلے اگر بلوغت کی علامت (احتلام، انزال، احيال) پائی نہ جاوے تو پندرہ برس کی عمر سے لڑکے کو (اسی طرح لڑکی کو بھی) شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے (فان لم يوجد فيهما) شینی (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي) لقصر اعمار اهل زماننا (درمختار ج ۵ ص ۳۲ فصل بلوغ الاحتمال الخ کتاب الحجر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے:

(سوال ۲۵۳) میں ایک مسجد میں امام ہوں اور میں نے تقرر سے پہلے یہ شرط لگائی تھی کہ میں ہی تراویح پڑھاؤں گا اب مسجد کے متولی میری موجودگی میں دوسرے حافظ کو بلانا چاہتے ہیں (جس سے میں ناراض ہوں) تو کیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟ تراویح پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے۔ اگر امام نہ پڑھا سکے یا امام اجازت دے دے تو دوسرے حافظ کو سپرد کرنا چاہئے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من زاد قوما فلا يؤمهم ولؤمهم رجل منهم والعمل على هذا عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم قالوا صاحب المنزل احق بالا مامة من الزائر وقال بعض اهل العلم اذا لم يزل باس ان يصلى به ترمذی باب ما جاء من زاد قوما فلا يصل علم ج ۱ ص ۸۲

گھر میں حافظ بالغ لڑکے کی اقتداء میں محرم و غیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو کیا حکم ہے؟
(سوال ۲۵۴) گھر میں کوئی بالغ لڑکا حافظ قرآن تراویح پڑھائے اور اس کے ساتھ دو تین آدمی ہوں اور پیچھے پردے میں عورتیں باجماعت تراویح پڑھیں جن میں محرم بھی ہوں اور غیر محرم عورتیں بھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

(الجواب) حافظ بالغ لڑکا محرم عورتوں کی امامت کر سکتا ہے اور ان کے ساتھ غیر محرم عورتیں بھی پردے کی پابندی کرتے ہوئے شامل ہو جائیں تو شامل ہو سکتی ہیں البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ نامحرم عورتوں کا شامل ہونا جائز نہیں۔ اس پر فتنہ زمانہ میں عورتیں اپنے اپنے گھروں میں تراویح پڑھیں یہی افضل اور بہتر ہے، اسی میں ان کو زیادہ ثواب ملے گا (۲)۔
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنانا:

(سوال ۲۵۵) ہماری مسجد میں جس رات تراویح میں قرآن ختم ہوتا ہے اس رات حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے۔ یہ فعل کیسا ہے؟ آیا اس کا کسی کتاب سے ثبوت ہے میں حافظ ہوں اور امسال میں نے تراویح پڑھائی ہے اور اعتکاف بھی کیا ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ میں اس طرح کہوں کہ ہار پہننے سے میرا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اس طرح جھوٹی بات کہہ کر ہار پہننے سے انکار کر سکتا ہوں یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

(الجواب) ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے یہ رواج برا اور قابل ترک ہے اور اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو ان کو عربی رومال یا شمال کیوں نہیں پہناتے؟ آپ ہار پہننا نہیں چاہتے تو اس کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں بلکہ صاف صاف کہہ دیا جائے کہ ہمیں یہ رواج پسند نہیں اور یہ خلاف شرع ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) رمضان المبارک میں امام و مؤذن کے لئے چندہ کرنا۔ (۲) تراویح میں ختم کے دن

شیرینی تقسیم کرنا۔ (۳) امام کا اپنے شاگرد کو ختم کے دن مسجد میں تحفہ گھڑی دینا:

(سوال ۲۵۶) محترم و معظم حضرت مفتی صاحب مدظلہ بعد سلام سنون و آداب کے عرض ہے کہ ہماری مسجد میں پہلے سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جاتا ہے لوگ خوشی سے چندہ دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کی تنخواہ = ۲۵ روپے اور مؤذن صاحب کی = ۱۰ روپے متعین ہے۔ چندہ میں معقول رقم جمع ہو جاتی ہے۔ ہم نے سال گذشتہ سہولت کی خاطر تین افراد پر مشتمل ایک چندہ کمیٹی کی تشکیل کی۔ جنہوں نے بڑے شوق اور محنت سے حسب سابق چندہ کر کے معقول رقم جمع کی۔ مگر سوء اتفاق اگلے سالوں کے مقابلہ میں

(۱) ویکرہ حضور من الجماعة ولو لجمعة وعبد و وعظ مطلقا ولو عجزوا لایلا علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان کما نکرہ امامۃ الرجل لیس فی بیت لیس معین رجل غیرہ ولا محرم منہ کا ختہ او زوجتہ او امته اما اذا کان معین واحد ممن ذکر او امہن فی المساجد لا درمختار علی ہامش شامی باب الامامة ج ۱ ص ۵۳۹

۵۰۔ ۶۰ روپے کم ہوئے۔ چندہ کی ہوئی رقم کمیٹی کے ایک رکن نے امام صاحب کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے بے رخی سے فرمایا ”اتنی رقم میں میرا کیا ہوگا؟ لہذا دوسرے دن مسجد میں چندہ کمیٹی کے اسی رکن نے اعلان کیا ”افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب کے لئے چندہ کم ہوا ہے اس لئے یقینہ حضرات دل کھول کر اس میں حصہ لیں“ اس کے بعد کچھ اور چندہ ہوا۔ اور اگلے سالوں کے اعتبار سے زیادہ رقم جمع ہوگئی۔ اس کے باوجود امام صاحب کو شکایت ہے اور لوگوں کے سامنے شکوہ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ چندہ کی رقم واپس کر دوں۔ اس صورت میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

(سوال ۱) (۱) طویل مدت میں رمضان المبارک میں امام و مؤذن کے لئے چندہ کرنے کا رواج چلا آتا ہوں تو اس رواج پر متولی اور مقتدیوں کا عمل کرنا جائز ہے؟

(۲) مقتدی حضرات اس چندہ کو امام اور مؤذن کا حق سمجھ کر دیں اور امام و مؤذن اس چندہ کو اپنا حق سمجھ کر لیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) امام صاحب چندہ کی رقم کو کم بتلا کر اپنے حق کا اظہار کریں تو ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا اور ایسے امام کا تراویح پڑھانا کیسا ہے؟

(۴) بدیہ تحفہ کی رقم اگر رسماً دی جائے تو کیا حکم ہے؟

(۵) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

(۶) مسجد میں ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا وہ یہ کہ موصوف امام نے تراویح پڑھانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو اپنے ساتھ مقرر کیا اور ختم قرآن کے دن سب کے سامنے مسجد میں اپنے شاگرد کو گھڑی تحفہ دی، ایک شخص نے کھڑے ہو کر امام صاحب کے تحفہ کی قدر کرتے ہوئے کہا ”یہ ہمارے لئے شرم کی بات ہے“ تحفہ ہم کو دینا چاہئے۔ امام صاحب کا یہ فعل درست ہے؟

(الجواب ۱) (۲-۱) تنخواہ معقول نہ ہونے کی بنا پر امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جائے اور مصلی حضرات بخوشی چندہ دیتے ہوں اور تنخواہ کی کمی کو پورا کیا جاتا ہو اور چندہ جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو تو مضائقہ نہیں ہے اگر اس طرح امام و مؤذن کی امداد نہ کی گئی تو ان کا گذر کیسے ہوگا؟ اور وہ کس طرح رہ سکیں گے؟ بہتر تو یہی ہے کہ تنخواہ معقول دی جائے اور چندہ کی رسم کو ختم کیا جائے، فقط۔

(۳) چندہ تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر کیا جاتا ہو تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور تراویح پڑھانا مشتبہ ہو جائے گا۔ فقط۔

(۴) چندہ دینے والے بخوشی دیتے ہوں اور امام و مؤذن کی مدد کرنا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ فقط۔

(۵) شیرینی تقسیم کرنے کے لئے مسجد کی وقف رقم استعمال کرنا یا چندہ کرنا درست نہیں ہے البتہ کوئی شخص اپنی مرضی سے شیرینی تقسیم کرتا ہو تو قابل اعتراض نہیں ہے۔ فقط۔

(۶) امام کا اپنے شاگرد کو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے تحفہ دینا درست ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے، اخلاص شرط ہے، مصلیوں میں سے کوئی بھی تحفہ دے سکتا ہے، تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر دینا لینا درست نہیں

ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵۔ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ۔

تراویح سے متعلق ایک اہم سوال:

(سوال ۲۵۷) ہمارے یہاں مساجد و مدارس کا انتظام چلانے کے لئے ہر سال انتخاب کے بعد ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے، وہ لوگ مسجد و مدرسہ کے تمام انتظامات کرتے ہیں، ان میں ایک مسجد کمیٹی ہوتی ہے اس کے ذمہ مدرسین اور ائمہ مساجد کا تقرر کرنا ہوتا ہے، کمیٹی میں کم و بیش دیندار قسم کے لوگ تو ہوتے ہوں گے مگر اہل علم بہت کم ہوتے ہیں اور نہ ان سے مشورہ لیا جاتا ہے، اکثریت عوام کی ہوتی ہے۔

رمضان شریف سے پہلے تراویح کے لئے حفاظ کا تقرر اور انتخاب بھی کمیٹی کرتی ہے، حفاظ کا تقرر اس طرح ہوتا ہے کہ مسجد کے بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے یا اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو تراویح پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ تحریری یا زبانی درخواست مسجد کمیٹی کو دیں، اب آنے والی درخواستوں یا کمیٹی کے مقرر کردہ حفاظ میں نہ تو اس بات کی تحقیق کی جاتی ہے کہ کن حفاظ کا قرآن کچا ہے اور کن کا پکا، کس کی تلاوت صحیح ہے اور کس کی غلط، ان کو تجوید سے واقفیت ہے یا نہیں، ہاں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ تراویح پڑھانے والا تیز رفتار ہو اور کم سے کم وقت میں بیس رکعت ختم کر دے چاہے سماعین کو یا علموں و تعلموں کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آوے اور ضعیف و ناتواں حضرات رکوع اور سجدہ میں تھک ہی کیوں نہ جاویں اور ساتھ ساتھ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی آواز سربلی اور اچھی ہو چاہے تجوید اور ترتیل کی رعایت رہے یا نہیں، غنہ، اخفا، اداء و پانہ ہو، حروف کی ادائیگی صحیح ہو یا نہ، اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کس کا لڑکا ہے، ذمہ دار حضرات کے اور بڑے لوگوں کے لڑکوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تراویح کے لئے حفاظ کے انتخاب کرنے کے اہل کون لوگ ہیں؟ اور ان کو کس قسم کے حفاظ کا انتخاب کرنا چاہئے؟ نماز تراویح کی صحت اور تلاوت قرآن شریف کی صحت کے لئے کیا کیا شرائط ہیں، یہ ضرور مفصل تحریر فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں ہزاروں مسلمان نماز اور تراویح جیسی عظیم عبادت صحیح طریقہ پر ادا کر سکیں اففظ بینوا تو جروا۔

(الجواب) امام تراویح اور ائمہ مساجد کا انتخاب علماء اور حفاظ کا کام ہے غیر علماء اور غیر حفاظ عامی کا علماء و حفاظ کرام کے مشورہ کے بغیر کام کرنا بڑی خرابیوں کا موجب اور قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ”غرض آج کل ہر شخص مفسر و مترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے، حالانکہ یہ تو قانون الہی ہے، جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص و کلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے؟ (وعظ ”الباب“ ص ۱۸)

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں قرآن شریف ختم کرنا بھی سنت ہے فضائل رمضان کا مطالعہ کیا جائے۔ رمضان میں تراویح کی نماز میں ایک ختم کرنا سنت ہے، دو یا تین ختم کرنا مستحب اور افضل ہے، لہذا کم از کم ایک ختم پوری صحت اور اطمینان کے ساتھ ہونے کا ضرور اہتمام کیا جائے، ہم جیسا کہ عمل کریں گے ہمارے بعد آنے والی ہماری نسل

بھی اس کا ویسا ہی اہتمام کرے گی اگر ہم نے برائے نام زبردستی تراویح پڑھی اور ختم کیا تو بعد میں آنے والے بھی ویسا ہی کریں گے اس کی ذمہ داری ہم پر ہوگی اور گناہ میں ہمارا بھی حصہ ہوگا۔

قرآن پڑھنے میں صحت کا لحاظ از حد ضروری ہے، حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص، ث، اور ص کی جگہ س، ث کی جگہ ز، ذ کی جگہ ض، ز۔ ت کی جگہ ط، اور ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لُحْن جلی لازم آتا ہے اور کبھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مد، غنہ، اخفا اور اظہار کی غلطی لُحْن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہو جائے گی، رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینہ میں بھی اگر تراویح میں ختم قرآن باقاعدہ اور پوری دلچسپی اور شوق ذوق سے نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مجالس الابرار میں ہے۔ فانہم قد جعلوا التراویح عادة لا عبادة يتقرب بها الى الله تعالى علی ما شرطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا من القراءة وغیرہا فیتخذون صلاحہا خلف امام لا یتیم الركوع والسجود والقومة والجلسة ولا یرتل القرآن کما امر اللہ بہ بل هو من غایة السرعة یقع فی اللحن الجلی بترک بعض حروف الكلمة او حرکاتها.... الخ. یعنی:۔ ان لوگوں نے تراویح کو عادت بنا رکھا ہے نہ کہ عبادت کہ جس سے قرب الہی حاصل کریں اور اس شرط کے موافق جو رسول اللہ ﷺ نے قراءت وغیرہ کی تراویح میں شرط کی ہے، پس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجود اور قومیہ اور جلسہ نہیں کرتا، اور جس طرح خدا کا حکم ہے اس طرح قرآن کو صاف صاف نہیں پڑھتا بلکہ نہایت جلدی کے سبب بعض حروف یا حرکات کے رہ جانے سے کھلی ہوئی غلطی واقع ہوتی ہے۔

اور فتاویٰ بزاز یہ میں ہے کہ غلط پڑھنا یا اتفاق حرام ہے اور دوسرے فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے اور چلے جانے سے وہ گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا، اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر مسجد جانا چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے سجدہ کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور سے پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

سو بے شک جس نے تراویح اس طور سے پڑھی کہ قومیہ جلسہ اور طمانیت کو جس کی ادنیٰ مقدار رکوع اور سجدے میں ایک تسبیح کے برابر ہے چھوڑ دیا تو وہ گنہگار اور دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ یہ سب چیزیں امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں، ان چیزوں کے چھوڑنے سے ان حضرات کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک (مذکورہ چیزیں) ایک روایت میں واجب ہیں ان کے چھوڑنے سے نماز کا دہرانا

واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ چیزیں سنت ہیں اور اس روایت کے بموجب ان چیزوں کا چھوڑنے والا عتاب اور شفاعت سے محرومی کا مستحق ہے اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیا میں اکارت ہوئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کو خدا کی طرف سے وہ بات پیش آئی جس کا ان کو گمان نہ ہوتا تھا اور یہ کھلا خسارہ اور بڑا نقصان ہے۔

پھر یہاں ایک نکتہ ہے جس سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ جس شخص میں انصاف اور حق کی جانب میلان ہو وہ اس سے نصیحت حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہے اور پھر ان دونوں میں طمانینہ (یعنی ان کو اطمینان سے ادا کرنا) ضروری ہے اور قومہ اور جلسہ میں سے کسی ایک میں بھی طمانینہ کا چھوڑنا گناہ ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی طمانینہ جاتی رہی تو بیس گناہ ہوئے اور اگر قومہ اور جلسہ دونوں میں طمانینہ چھوڑ دی تو چالیس گناہ ہوں گے اور اگر وہ دونوں (یعنی قومہ اور جلسہ) چھوٹ گئے تو سب مل کر اسی ۸۰ گناہ ہوئے اور اگر اس کے ساتھ اظہار کا گناہ بھی ملا لیں تو سب مل کر ایک سو ساٹھ گناہ ہو جائیں گے اور اگر اس کے ساتھ اس نماز کے نہ لوٹانے کا گناہ بھی ملا لیں تو اب مجموعہ ایک سو اسی ۸۰ گناہ ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ چیزوں کا ترک کرنا اس کا سبب ہو جاتا ہے کہ انتقالات کے اندر جوڑ کر ہیں وہ تمام انتقالات کے بعد ادا کئے جائیں اور انتقالات کے اندر مقرر کئے ہوئے اذکار کو بعد میں ادا کرنے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو اس کے موقع پر ادا نہ کرنا اور دوسرے اس کو بے موقع ادا کرنا تو اب ہر رکعت میں چار مکروہ ہوئے اور اس کی وجہ سے چار سنتوں کا ترک لازم آتا ہے۔ یہ نکتہ اس نے قومہ یا اس کے اطمینان کو چھوڑ دیا تو مع اللہ من حمدہ اور اللہ اکبر جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ اللہ اکبر سجدہ میں واقع ہوگا اور سنت یہ ہے کہ مع اللہ من حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے اور اللہ اکبر سجدہ کے لئے جھکتے وقت کہے اسی طرح اگر جلسہ یا اس کا اطمینان چھوڑ دیا جائے تو پہلی تکبیر کا کچھ حصہ جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ دوسری تکبیر کا کچھ حصہ سجدے میں جانے کے بعد پڑے گا حالانکہ سنت پہلی تکبیر کا سر اٹھاتے وقت کہنا ہے اور دوسری تکبیر کا جھکتے وقت تو اب مکروہات کا شمار تمام رکعتوں میں اسی ۸۰ ہو جائے گا، جس کی وجہ سے اسی سنتوں کا چھوڑنا لازم آئے گا اور جب ان مکروہات کے اظہار کا گناہ بھی اس میں شامل کر لیں تو اب مجموعہ ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب اور ایک سو ساٹھ سنتوں کا ترک ہوا، اب جو شخص رمضان کی مبارک راتوں میں سے ہر رات فقط تراویح میں اسی گناہ اور ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب کرتا ہے اور ایک سو ساٹھ سنتوں کو چھوڑتا ہو تو کیا ایسے شخص کا شمار عقلاء میں ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ہر سنت کے چھوڑنے میں ایک خاص عتاب اور شفاعت سے محرومی ہے پس کیا کوئی عاقل اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اپنے کو رسول خدا ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دے جن کی شفاعت کے اللہ کی تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء اور صلحاء خواستگار ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ خدا ہم کو محروم لوگوں میں سے نہ کرے۔ آمین ثم آمین۔ (مجالس الا برار ص ۱۹۰ مجلس نمبر ۲۹ فی بیان کیفیت التراویح و فضیلتها)

صاحب مجالس الا برار کے اس تفصیلی بیان کو بار بار پڑھئے اور پھر اپنی تراویح پر نظر ڈالئے کہ ہماری تراویح میں یہ تمام خرابیاں ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو خدا کا شکر ادا کیجئے اور اگر ہیں تو ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کیجئے اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جبکہ حافظ صحیح خواں اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنے والا ہو اور مقتدی بھی ذوق و شوق سے اس عظیم

عبادت کو عبادت اور تقرب الہی کا ذریعہ سمجھ کر ادا کرنے کی فکر کریں، کچھ وقت زیادہ صرف ہو تو اس کا خیال نہ کیا جائے کہ وقت عبادت ہی میں صرف ہو رہا ہے۔

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے، اسی لئے قراء نے قراءت کے تین درجے مقرر کئے ہیں، ترتیل، تدویر، حد، ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے، تدویر میں اس سے تیز اور حد میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خرابی نہ آنے پائے۔

خدا را تراویح کی عظمت کو سمجھنے اور اس میں ہونے والی اغلاط کی اصلاح کیجئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں عورتوں کو تراویح پڑھانا کیسا ہے؟

(سوال ۲۵۸) حافظ قرآن اپنے گھر کی مستورات کو (جن میں محرم اور غیر محرم عورتیں ہوں) قرآن کی تراویح پڑھائے تو یہ کیسا ہے؟ اور اگر محد کی دس بیویاں بھی اس جگہ تھیں کہ وہ حافظ قرآن سے نماز تراویح میں پورا قرآن سنا چاہیں، اسکی اجازت یا نہیں؟ بینوا تو جوا۔ (الجواب) (۱-۲) گھر کا آدمی حافظ قرآن ہو اور وہ گھر میں تراویح پڑھائے اور اس کے پیچھے گھر کی محرم و غیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو جائز ہے، محلہ یا بستی میں سے عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت نہیں کہ فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، اگر اجازت ہوتی تو مسجد سے کیوں روکا جاتا۔

درمختار میں ہے:-

کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم منہ کا ختہ او زوجتہ

اوامتہ اما اذا کان معہن او امہن فی المسجد لا درمختار مع الشامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۲۹۔

یعنی:- یہ مکروہ ہے کہ مرد گھر میں عورتوں کی امامت کرائے اور ان عورتوں کے ساتھ نہ کوئی مرد ہو اور نہ امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی عورت ہو جیسے امام کی بہن یا اس کی بیوی، مگر جب کوئی مرد ہو یا کوئی محرم عورت ہو تو مکروہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عشاء کی چار رکعت تنہا پڑھ لینے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو کیا جماعت والی چار رکعت تراویح میں شمار کی جاسکیں گی؟

(سوال ۲۵۹) رمضان شریف ایک بیمار آدمی نے گھر میں نماز عشاء پڑھی۔ پھر کچھ ہمت ہوئی تو مسجد میں گیا

جماعت ہو رہی تھی۔ وہ آدمی تراویح کی نیت سے اس میں شامل ہوا تو یہ چار رکعت تراویح میں شمار ہوں گی یا نہیں؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ تراویح میں شمار نہ ہوں گی۔ کیونکہ تراویح کا درجہ اگرچہ فرضوں سے کم ہے مگر وہ ایک مخصوص اور

مستقل سنت مؤکدہ ہے اس کی خصوصیت کا لحاظ ضروری ہے۔ ”فتاویٰ قاضی خاں“ میں ہے۔ اذا صلی التراويح

مقتدیاً بمن یصلی المکتوب اختلفوا فیہ والصحیح انہ لا یجوز (فصل فی نية التراويح ص ۱۱۱)

ج ۱) (وہ متقل بمفترض فی غیر التراويح) (تنویر الابصار) اما فیہا فلا یصح الاقتداء بالمفترض

علیٰ انہا تراویح بل یصلیٰ علیٰ انہا نفل مطلق. (شامی ص ۵۵۲ ج ۱ باب الامامة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کیا جماعت والی نماز قضاء میں شمار کی جاسکے گی؟

(سوال ۲۶۰) مذکورہ بالا صورت میں بہ نیت قضاء شامل ہو تو قضاء صحیح ہوگی یا نہیں؟
(الجواب) صورت مسئلہ میں قضاء صحیح نہیں کہ امام کی نماز وقتی ادا ہے اور مقتدی کی قضاء ہے۔ یہ دونوں نمازیں صفت میں متحد نہیں ”نور الایضاح“ میں ہے۔ وان لایکون الا امام مصلیاً فرضاً غیر فرضہ (۸۱ باب الامامة) (و) لا (مفترض بمقتضیٰ وبمقتضیٰ فرضاً آخر) (درمختار) قوله وبمقتضیٰ فرضاً آخر سواء تغاير الفرضان اسماً او صفة کمصلي ظهر الا مس بمصلي ظهر اليوم (درمختار مع الشامی ص ۵۴۲ ج ۱ باب الامامة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد کے اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت:

(سوال ۲۶۱) ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشاء کے بعد جماعت خانہ میں ایک یا سو اچارے کی تراویح ہوتی ہے اور مسجد کی چھت پر تین سپارے کی تراویح ہوتی ہے، ایک ہی مسجد میں اس طرح کی دو جماعتیں ہو سکتی ہیں؟ وضاحت اور رہبری فرمائیں بنیواتو جروا۔ (سورت) جانب ابراہیم دادا۔

(الجواب) بہتر اور اعلیٰ صورت یہ ہے کہ تمام لوگ عشاء کی نماز ایک جماعت کے ساتھ ادا کریں اور اس کے بعد جو حضرات تین سپارے کی تراویح پڑھنا چاہتے ہیں وہ کسی گھر میں پڑھیں، مسجد کی چھت یا مسجد کی دوسری منزل پر نہ پڑھیں، دوسرے منزلہ پر چڑھنا بھی مسجد کی چھت پر چڑھنے کے حکم میں ہے شرعی ضرورت کے وقت ہی اوپر جانا چاہئے مزید تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۳۰، ۳۱ (جدید ترتیب کے مطابق مکروہات صلوٰۃ میں، بعنوان نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر اداء کی جائے الخ کے تحت دیکھ لیا جائے ص ۱۳۶ مرتب) نیز جلد ششم ص ۴۳۸، ۴۳۹ (جدید ترتیب کے مطابق باب الامامة والجماعت کے باب میں بعنوان مسجد کی چھت پر جماعت کرنا، کے تحت دیکھ لیا جائے ص ۱۳۶ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ اشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ۔

مسجد کا مستقل امام تراویح پڑھانے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال ۲۶۲) تراویح کا پیسہ (اجرت) لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید جو ایک مسجد کا امام ہے اور اسی مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں مسجد کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ امامت کا پیسہ لیتا ہوں، تراویح کا نہیں، کیا زید کی یہ بات درست ہے؟ اور یہ حیلہ صحیح ہے؟ بنیواتو جروا۔

(الجواب) صورت مسئلہ میں اس حیلہ سے زید کے لئے اجرت کے طور پر مسجد کے پیسے لینا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جو شخص کسی مسجد میں پہلے سے امام مقرر ہو تو اس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ رمضان المبارک میں تراویح بھی پڑھائے جس طرح اس کی ذمہ داری میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھائے موقع آجائے تو عید کی نماز بھی

پڑھائے جنازے کی نماز پڑھائے اور اگر مقرر امام کسی وجہ سے (مثلاً حافظ نہ ہو یا اور کوئی عذر ہو) تراویح میں قرآن ختم کرنے سے عاجز ہو تو وہ الم تر کیف سے پڑھانے کا ذمہ دار ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۳۸۴) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، کیا قرآن کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے۔ مرتب) اس لئے اس صورت میں مقرر تنخواہ کے علاوہ جو کچھ مسجد کی طرف سے دیا جائے گا وہ تراویح ہی کی اجرت ہوگی جس کا ناجائز ہونا بالکل ظاہر ہے، یہ حیلہ کہ میں مسجد کا امام ہوں اور امامت کی تنخواہ لیتا ہوں اس کے حق میں مفید نہ ہوگا بلکہ حق یہ ہے کہ مقرر امام کے بارے میں اس کو حیلہ کہنا بھی درست نہیں اس کی تنخواہ تو پہلے سے متعین اور مقرر ہے پھر مستقل اجرت یا خاص رمضان المبارک میں تنخواہ میں اضافہ کس بنیاد پر؟؟؟ ہاں البتہ کوئی حافظ رمضان المبارک میں امام کے علاوہ تراویح کے لئے مقرر کیا گیا تو اس کے لئے بھی تو اعلیٰ اور بہتر صورت یہی ہے کہ وہ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے لیکن اگر کسی جگہ لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ ملتا ہو اور مقتدی قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو مجبوراً یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ حافظ صاحب کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کر دیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں ان کے ذمہ لازم کر دیں اور ساتھ ساتھ تراویح بھی پڑھائے تو اس حیلہ سے مسجد کے پیسوں سے نائب امام کی تنخواہ کے طور پر لینا دینا جائز ہوگا جس کی تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص ۳۴۹ ع ۳۵۰ پر درج ہے، نیز فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ اوپر پہلے حوالہ ص ۳۸۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے۔ مرتب)

امام صاحب لوجہ اللہ تراویح پڑھائیں اور مقتدی اپنی خوشی سے ہدایا پیش کر کے امام صاحب کی خدمت کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے، امام صاحب کا معین رقم کا مطالبہ کرنا اور نہ ملنے پر شکایت کرنا درست نہ ہوگا دل میں لالچ اور حرص نہ ہونی چاہئے، قرآن مجید بہت عظیم نعمت ہے، حفاظ کرام کو اس نعمت کی قدر اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اجرت کی لالچ رکھ کر اپنے کو کیوں اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں وہ ان القراءة لشنی من الدنيا لا تجوز وان الاخذ والمعطى اثمان یعنی دنیا کی کسی حقیر چیز کے لئے قرأت ناجائز ہے لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں (شامی ج ۱ ص ۶۸۷) (حوالہ آگے آ رہا ہے۔ مرتب) (نیز ج ۵ ص ۴۷)

یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ مسجد کا مقرر امام بھی امام ہے اور تراویح کے لئے جو حافظ مقرر کیا گیا وہ بھی امام تراویح ہے تو مقرر امام کی تنخواہ کیوں جائز اور امام تراویح کی اجرت کس بنا پر ناجائز؟ اصل مذہب یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز نہیں مگر فقہاء نے بقاء دین کی ضرورت ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور ان پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، تراویح مستثنیٰ چیزوں میں شامل نہیں اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا، نیز تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم تر کیف سے بجز پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں، لہذا تراویح کی قرأت مثل تلاوت مجرہ ہے جس پر اجرت لینا ناجائز ہے، شامی میں ہے وان القراءة لشنی من الدنيا لا تجوز وان الاخذ والمعطى اثمان لان ذلك ليشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لا يجوز فكذا ما اشبهه كما صرح ذلك فى عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وانما افتى المتأخرون بجواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على

التلاوة وعللوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستيجار على التلاوة كما اوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الاجارة الفاسدة ان شاء الله تعالى (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ باب قضاء الفوائت قبیل باب سجود السهو)

نیز در مختار میں ہے (ولا) لا جل الطاعات مثل (الاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقہ ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقہ والامامة والاذان ويجبر المستاجر على دفع ما قبل الخ (در مختار) شامی میں ہے (قوله ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن الخ) قال في الهدايه وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالى استحسنا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الامور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن عليه الفتوى اه وزاد في مختصر الوقاية ومتن الاصلاح تعليم الفقہ زاد في متن المجمع الامامة ومثله في متن الملتقى ود ر البحار وزاد بعضهم الاذان والاقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها ولكن الذي في اكثر الكتب الاقتصار على ما في الهداية فهذا مجمع ما افتي به المتأخرون من مشائخنا الى قوله . والصواب اي يقال على تعليم القرآن فان الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فانه لا ضرورة فيها . الى قوله . والاستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به احد من الائمة وانما تنازعوا في الاستيجار على التعليم (در مختار وشامی ص ۴۶، ۴۷ ج ۵ باب الاجارة الفاسدة) فقط والله تعالى اعلم بالصواب.

تراویح میں کس تاریخ کو قرآن شریف ختم کیا جائے:

(سوال ۲۶۳) رمضان المبارک میں ۲۷ ویں کو ختم کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اجماع کے عمل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اس کو ضروری قرار دینا کیسا ہے؟ بیوا تو جروا۔

(الجواب) تراویح میں ایک ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اس کی پوری مفصل بحث فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم اسی باب میں، تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے، کے عنوان کے تحت دیکھ لیں ص ۳۰۵ تا ۳۱۲ میں ہے، ۲۷ ویں شب کو ختم کرنے کا دستور ہو گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ ویں شب مبارک اور بڑی رات ہے اس کی برکتیں حاصل ہو جائیں اس غرض سے قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے، جس طرح رمضان المبارک میں بغرض حصول زیادتی ثواب زکوٰۃ ادا کرنے کا دستور ہو گیا ہے (لہذا اس کو سنت صحیحہ بغیر اس پر عمل کرے) تو قابل اعتراض نہیں ہے، اسی طرح ۲۹ ویں رمضان المبارک کی شب میں قرآن ختم کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے جریمین شریفین میں اسی پر عمل ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے قال الصدوق الشہید الختم فی التراويح سنة والختمان فضيلة فيقرأ في كل ركعة عشر آيات حتى يحصل الختم في الليلة السابعة والعشرين (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۶۳ ج ۱ کتاب الصلوة الفصل الثالث فی التراويح)

فقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے سن قراءة القرآن بتمامه فيها يختمه اخر ليلة من الشهر الا اذا تضرر المقتدون به فلا فصل ان يراعى حالهم (ص ۳۴۳ تراویح) الجزء الثاني مطبوعه البشق

کتب خانہ استنبول) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تراویح میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنا ضروری ہے:

(سوال ۲۶۴) تراویح میں بعض حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ حروف اچھی طرح ادا نہیں ہوتے، قریب ہونے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کیا پڑھا تو اس طرح جلدی جلدی پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس طرح پڑھنے سے ختم قرآن کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینواتو جروا۔ (حافظ عبدالحمید خاں)

(الجواب) تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے (دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۰۵ تا ص ۴۱۲ ج ۴ فتاویٰ رحیمیہ کا حوالہ بالا) قرآن مجید پڑھنے میں صحت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص یا ث، یا ص کی جگہ س یا ث، یا ض کی جگہ ز یا ذ، یا ذ کی جگہ ض یا ز، یا ت کی ط، یا ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لحن جلی لازم آتا ہے اور کبھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہو جاتی ہے، مد، غنہ، اخفاء اور اظہار کی غلطی لحن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہو جائے گی، رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینے میں اگر تراویح میں باقاعدہ اور پوری صحت، دلچسپی اور ذوق و شوق سے قرآن مجید ختم نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے اسی لئے قراء نے قرأت کے تین درجے مقرر کئے ہیں ترتیل، تدویر اور حد، ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے تدویر میں اس سے تیز اور حد میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خامی نہ آنے پائے، جو امام تراویح ایسا جلدی اور تیز پڑھتا ہے کہ پاس والے مقتدیوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتا تو ایسی قراءت نہ ہونے کے برابر ہے، اور اگر ایسی غلطی ہو جائے کہ جس سے لحن جلی لازم آئے اور معنی بدل جائے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی تراویح صحیح نہ ہوگی اور رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ایک مرتبہ قرآن ختم کرنے کی جو سنت ہے وہ سنت بھی کسی کی ادا نہ ہوگی۔

امام پر لازم ہے کہ صحیح صحیح پڑھے تمام حروف خارج سے ادا کرنے کا اہتمام کرے اور مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ ایسے شخص کو امام بنائیں (فرض نماز ہو یا تراویح) جو قرآن مجید صحیح صحیح پڑھتا ہو، آج کل حفاظ اور لوگوں نے تراویح میں بہت ہی لاپرواہی اختیار کر رکھی ہے جس مسجد میں جلد تراویح پوری ہوتی ہو اور جو حافظ غلط سلط پڑھ کر جلد ختم کر دیتا ہو نہ سنت کے مطابق رکوع سجدہ کرتا ہو نہ قومہ جلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت کرتا ہو اس کی تعریف کی جاتی ہے کس قدر افسوس کی بات ہے یہ صورت بھی ہجران قرآن (قرآن چھوڑنے) میں داخل ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آیت قرآنی وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مہجوراً (ترجمہ:- اور (اس دن) رسول (ﷺ) حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور) کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس قوم نے) اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا) کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، قرآن کی تصدیق نہ کرنا اس میں تدبر نہ کرنا اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ

سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ (قوائد عثمانی پارہ نمبر ۱۹ سورہ الفرقان آیت نمبر ۳۰)

علم الفقہ میں ہے: قواعد کی پابندی سے قرآن پڑھنا چاہئے، راگ سے پڑھنا اور گانا قرآن مجید کا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھے غلت سے پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں، ایسی غلت کہ جس سے الفاظ کے سمجھنے میں دقت ہو بالاتفاق مکروہ ہے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اسی لئے جمعی لوگ جو قرآن مجید کے معانی نہیں سمجھتے ان کو بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مفید ہے (اتقان) افسوس ہمارے زمانہ میں قرآن مجید کی سخت بے تعظیمی ہوتی ہے، پڑھنے میں ایسی جلدی کی جاتی ہے کہ سوا بعض بعض الفاظ کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا، تراویح میں اکثر حافظوں کو ایسا ہی دیکھا گیا خدا جانے ان پر کس نے جبر کیا جو یہ تراویح پڑھتے آئے اس سے بہتر ہوتا ہے کہ ایسے حضرات نہ پڑھتے قرآن مجید کی بے ادبی تو نہ ہوتی (علم الفقہ مع حاشیہ ص ۱۹۰، ص ۱۹۱ جلد دوم)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

(سوال ۱۷۸۴) بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے علموان اور تعلموان کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بعض مقتدی بھی ایسا تیز پڑھنے کو تراویح کے جلدی ختم ہو جانے کی وجہ سے پسند کرتے ہیں ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) درمختار میں ہے ویجتنب المنکرات ہذرمۃ القراءة وترک تعوذ وتسمیۃ وطمأنینۃ الخ یعنی ختم قرآن میں منکرات سے بچے، یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ باللہ وبسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے (درمختار علی بامش رد المحتاص ۶۶۳ بحث التراویح) اس سے معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا امر منکر ہے جو بجائے ثواب کے سبب معصیت بن جاتا ہے (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ص ۲۵ ج ۴، مسائل تراویح)

مجالس الاہرام میں ہے۔

وقد ذکر فی البرازیۃ ان اللحن حرام بلا خلاف و ذکر فی الفتاویٰ ان الامام اذا کان لحناً لا بأس للرجل ان یتَرَک مسجده ویحول الی مسجد آخر فانه لا یأثم بذلك لا بد قصد الصلوۃ خلف تقی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حملنی خلف عالم تقی فحانما صلی خلف نبی من الانبیاء وفیہ اشارۃ الی انه لو ترک مسجده بعذر لا یکون آثماً فکیف بکون حال الذی یتَرَکون مسجدهم بلا عذر ویسرون الی مسجد یترون فیہ انواع من الانام والالحن ویطلبون اماماً لا یتَم الرکوع والسجود ولا یرتل القرآن بل وبما ینکرون علی من یتَم الرکوع والسجود ویرتل القرآن وینفرون ویکنونون من الذین اتخذوا دینهم لعباً ولہواً وغرتهم الحیوۃ الدنیا وہم عن الآخرۃ غفلون (مجالس الاہرام ص ۱۹۰ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضیلتها)

ترجمہ: فتاویٰ بزاز یہ میں ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے، اور دیگر فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے، اور چلے جانے سے وہ

گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر (محلہ کی) مسجد چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے رکوع کرتا ہے نہ سجدہ (اور نہ قومہ و جلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت) کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور پر پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے (اور تعدیل ارکان کی رعایت کرتے ہوئے قومہ اور جلسہ کرتا ہے) اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے اور دینی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ میں بھی اطمینان اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس میں بھی بڑی کوتاہی ہوتی ہے صاحب مجالس الا برار نے تفصیل سے ان کوتاہیوں کو بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲۔ جلد پنجم اردو۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، تراویح سے متعلق ایک اہم سوال کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے۔ مرتب) تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع سجدہ سنت طریقہ کے مطابق اطمینان سے ادا کرے اور قومہ اس طرح ادا کرے کہ رکوع کے بعد بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے اور کمر کا ہر ایک جوڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے اور کم از کم اتنی دیر بیٹھے کہ سبحان اللہ کہہ سکے احادیث میں تعدیل ارکان کی بہت تاکید آئی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۱ جلد پنجم) خدا تراویح کی عظمت کو سمجھے اور اس میں ہونے والی اغلاط اور کوتاہیوں کی اصلاح کیجئے اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس لڑکے کی عمر اسلامی حساب سے پندرہ سال ہو چکی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۶۵) کتنے سال کا بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے، بیٹو تو جروا۔

(الجواب) بچہ بالغ ہو جائے تو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے، اگر بلوغت کی علامت (احتمام، انزال، احوال) ظاہر نہیں ہوئی مگر اس کی عمر اسلامی حساب سے پورے پندرہ سال کی ہو گئی ہو تو شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے اور اس صورت میں وہ تراویح پڑھا سکتا ہے اگر بلوغت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور بچہ کی عمر اسلامی اعتبار سے پورے پندرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تو مختار قول کے مطابق ایسا بچہ تراویح نہیں پڑھا سکتا، ہدایہ اولین میں ہے ولا یجوز للرجل ان یقتداو بإمرأة اوصبی واما الصبی فلا نہ متفل فلا یجوز اقتداء المفترض بہ وفي التراویح والسنن المطلقة جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلھا لان نقل الصبی دون نقل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا ینبئ القوی علی الضعیف الخ. (ہدایہ اولین ص ۱۰۳ باب الامامۃ) عالمگیری ج ۱ ص ۸۵ الفصل الثالث فیمن یصلح اماما لغيرہ)

درمختار میں ہے (فان لم یوجد فیہما) شینی (فحتی یتم لكل منہما خمس عشر سنة به یفتی لقصر اعمار اهل زماننا) (درمختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الحجر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس کا پیشہ واڑھی مونڈنے کا ہو وہ امام تراویح بن سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال ۲۶۶) الحمد للہ میں حافظ قرآن ہوں تراویح پڑھانا چاہتا ہوں مگر میرا پیشہ نائی (حجامت بنانے) کا ہے۔ مجبوراً واڑھی مونڈنا پڑتی ہے، تو میں تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ایک مشت واڑھی رکھنا واجب ہے، خود اپنی واڑھی مونڈنا یا دوسرے کی واڑھی مونڈنا دونوں حرام اور موجب فسق ہیں، اگر آپ سچے دل سے توبہ کر لیں اور آج ہی سے واڑھی مونڈنا چھوڑ دیں اور آئندہ کے لئے ایسا پیشہ چھوڑنے کا پختہ عزم ہو تو آپ امام تراویح بن سکتے ہیں، وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الكبائر کشارب الخمر والزانی وأکل الربا ونحو ذلک، شامی باب الامامة ج ۱ ص ۵۲۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کے وقت بیٹھے رہنا اور باتیں کرنا:

(سوال ۲۶۷) بعض لوگ تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو باتیں اور شور کرتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو جلدی جلدی کھڑے ہو کر رکوع میں شریک ہو جاتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) رمضان المبارک میں اللہ اللہ کر کے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم ہوتا ہے بعض لوگ اس کی بھی قدر نہیں کرتے اور تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، اور جب امام رکوع کرتا ہے تو جلدی سے کھڑے ہو کر شامل ہو جاتے ہیں یہ عمل سستی اور کوتاہی پر دلالت کرتا ہے اور منافقوں کے عمل سے ملتا جلتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں منافقوں کے حق میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الى الصلوة قاموا کسالی اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (قرآن مجید پ ۵)

اور پیچھے بیٹھ کر باتیں کرنا اور شور کرنا تو بہت ہی جہالت کی بات ہے اور افسوس ناک ہے ایسے لوگ فرشتوں کی لعنت کے حق دار بنتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی خاموش ہو جا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے دشمن چپ ہو جا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر لعنت ہو اللہ کی، خاموش رہ۔

وروی عنہ ایضاً علیہ الصلوۃ والسلام انه قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول الملائكة اسکت یا ولی اللہ فان زاد تقول اسکت یا بغیض اللہ فان زاد نقول اسکت علیک لعنة اللہ (کتاب المدخل ص ۵۵ ج ۲)

نیز حدیث میں ہے عن الحسن مرسلًا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تی علی الناس زمان یکون حدیثہم فی مساجدہم فی امر دنیاہم فلا تجالسہم فلیس للہ فیہم حاجة،

رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)
حضرت حسن سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی
نیوی باتیں ان کی مساجد میں ہونے لگیں گی ان کے ساتھ نہ بیٹھو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں
ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غور کیجئے کتنی سخت وعید ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص اس کی جرأت کر سکتا ہے خاص کر نماز کے وقت،
اگر ہماری گفتگو اور شور و شغب سے لوگوں کی نماز میں خلل ہو تو گناہ اور زیادہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نیک
توفیق عطا فرمائے کہ ایسی غلط اور نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی قضاء:

(سوال ۲۶۸) رمضان کے چاند کی خبر دیر سے آئی جس کی وجہ سے تراویح نہ پڑھ سکے، تو اب اس تراویح کی قضاء
باجماعت پڑھیں یا انفراداً۔

(الجواب) تراویح اپنے مقرر وقت (یعنی صبح صادق تک) پڑھ سکتے ہیں، وقت کے نکل چکنے کے بعد اس کی قضا نہیں
نہ تو باجماعت اور نہ تنہا، اس کے باوجود کوئی پڑھے گا تو تراویح نہیں بلکہ نفل شمار ہوگی اور نفل نماز یا جماعت مکروہ ہے جب
کہ امام کے سوا تین یا اس سے زائد مقتدی ہوں فان فاتت (التراویح) لا تقضی اصلاً لا بالجماعة ولا
بدونہا لان القضاء من خواص الفرض (مجالس الارار، المجلس الثامن والعشرون ص
۱۹۹)۔ یکرہ ذلک (ای التطوع بجماعة) علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی
الدرر (قولہ اربعة بواحد) اما اقتداء واحد بواحد او اثنين بواحد فلا یکرہ وثلاثة بواحد فیہ
خلاف (شامی ج ۲/ص ۴۹ آخر باب الوتر والنوافل مطلب فی کراہیۃ الاقتداء فی النفل الخ)
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فاسد شدہ رکعت کی قرأت کا اعادہ:

(سوال ۲۶۹) تراویح کی انیس رکعتیں ہوئیں بایں طور کہ دو رکعت کے بجائے ایک رکعت پڑھی تو اس میں پڑھی گئی
قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(الجواب) جی ہاں فاسد شدہ رکعتوں کی قرأت کا اعادہ ضروری ہے، لہذا ان رکعتوں کے اعادہ کے وقت قرأت کا
اعادہ بھی کرے، اگر اسی دن اعادہ نہ ہو سکے تو دوسرے دن کی تراویح میں اعادہ کر سکتے ہیں۔

واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القراءة لیحصل له الختم فی
الصلاة الجائزة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸ فصل فی التراویح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں سامع نے بھول سے سجدہ کی آیت پڑھ دی:

(سوال ۲۷۰) تراویح میں سامع نے لقمہ دینے میں غلطی سے سجدہ کی آیت پڑھ دی امام اور مقتدیوں نے بھی سنی تو

اس سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) چونکہ مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی ہے اس لئے اس پر اور دیگر مقتدیوں پر ایسے ہی امام پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۱) ویلزم الماموم بسہو امامہ لا بسہوہ لانہ لو سجدہ و حدہ کان مخالفاً لامامہ ولو تابعہ

الا امام ینقلب التبع اصلاً فلا یسجد اصلاً (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۵۲ باب سجود السہو۔

بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے حدیث اور تعامل صحابہؓ سے ثابت ہے اس کے

منکر سنت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور اجماع صحابہ کی

خلاف ورزی کرنے والے ہیں:

(سوال ۲۷۱) بیس رکعت تراویح کا کیا ثبوت ہے؟ غیر مقلد اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بیس

رکعت کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور لوگوں کو ورغلا تے ہیں کہ حدیث سے صرف آٹھ

رکعت کا ثبوت ہے، اور اس سلسلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابرؓ کی حدیث پیش

کرتے ہیں اس کی وجہ سے مولوں میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے، آپ مدلل جواب تحریر فرمائیں جزا کم اللہ

تعالیٰ بعبادتہ و اتوا حروا۔

(الجواب) احادیث و مصلیاء و مسلماء و هو الموافق۔ غیر مقلدوں کا مذکورہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور گمراہ کن ہے

اور احادیث مبارکہ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے عمل سے ناواقف ہونے کی صریح دلیل ہے، حضور اقدس ﷺ نے

بیس رکعت تراویح پڑھی ہے، اور اس کا ثبوت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔۔۔ حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا ابراہیم بن عثمان عن

الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی

رمضان عشرين رکعة والوتر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر

پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲، کتاب الصلوٰۃ کم یصلی فی رمضان من رکعة)

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی

فی شہر رمضان فی غیر جماعة عشرين رکعة والوتر۔ بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس

رکعت اور وتر پڑھتے تھے (سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰۃ باروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرين رکعة لیلین فلما کان فی اللیلة الثالثة

(۱) حضرت مفتی صاحب سے یہاں حوالہ دیتے میں یہودیہ صاحب نے سجدہ ہو کا حوالہ دیا ہے حالانکہ سجدہ تلاوت کا حوالہ دینا چاہئے

تھا اگرچہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہی لکھا ہے۔ وان تلا الماموم لم یلزم الا امام ولا السؤتم المسجود لا فی الصلاة ولا بعد الفراغ

منہا کذا فی السراج الوہاج، فتاویٰ عالمگیری الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة ج ۱ ص ۱۳۳۔

اجتمع الناس فلم يخرج اليهم ثم قال من الغد انى خشيت ان تفرض عليكم فلا تطيقونها۔
ترجمہ:- آنحضرت ﷺ نے دو رات بیس رکعت تراویح پڑھائی، جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے
مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا مجھے خیال ہو گیا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو بھانہ سکو گے۔
حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل فرماتے ہیں متفق علی صحت اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق
ہے۔ (تلخیص الحیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ص ۱۱۹ ج ۱)

علامہ طحاوی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں: فعلى هذا يكون عشرون ثابتاً من فعله صلى الله
عليه وسلم، یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر بیس رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں۔ (طحاوی علی الدر
المختار ص ۳۶۸ ج ۱ باب الوتر والنوافل، صلاة تراویح)

شمارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمائی فرماتے ہیں: او هو معارض بما روى انه صلى
الله عليه وسلم صلى بالناس عشرين ركعة ليلتين۔

یعنی:- غیر مقلدین آنحضرت کے ثبوت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے
ہیں اس سے تہجد مراد ہے اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت کے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ
نے دو رات تک بیس بیس رکعت پڑھائی (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری
ص ۱۵۶، ص ۱۵۷ ج ۱ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

مذکورہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس حدیث کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ
عنہم اجمعین کے عمل اور مواظبت سے ہوتی ہے، خلفاء راشدین اور صحابہ کا عمل مستقل حجت ہے، علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ
تحریر فرماتے ہیں:- ”ومواظبة الصحابة على عشرين قرينة صحة هذه الرواية“ یعنی بیس رکعت پر
صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی مواظبت اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ (رسائل الارکان باب قیام
النبی باللیل فی رمضان وغیرہ) اور صحابہ کے عمل اور عادت کے متعلق غیر مقلدوں کے مسلم پیشوا مولانا سید نذیر حسین
محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

”صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف
سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے۔“ (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ص ۳۵۸ ج ۱)

اسی طرح بیس رکعت تراویح پر صحابہ، کرام کے مقدس دور سے لے کر آج تک تمام علماء محدثین اور ائمہ
مجتہدین اور فقہاء رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اور جمہور امت کا تعامل ہے، یہ اتفاق، یہ عملی توازن اور تلقی بالقبول بجائے خود سند
اور نہایت قابل وثوق سند ہے۔

لہذا جب مذکورہ حدیث ابن عباسؓ کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی مواظبت اور علماء
محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام اور جمہور امت کے تعامل سے ہوتی ہے تو اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔
نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف
راوی نہیں، اور جس راوی کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا، لہذا حضرت عمرؓ اور

صحابہ کرامؓ کے اعتبار سے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ کا عمل ضعیف حدیث کی بنیاد پر تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی اہمیت بیان کر دی جائے، از روئے قرآن و حدیث خلفاء راشدین کی اطاعت اور اتباع لازم اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا الْأَوْلىٰ الْأَمْرَ مِنْكُمْ**۔ ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی (اطاعت کرو) (قرآن مجید، سورہ نساء آیت، نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۵) اولوالامر کے مصداق میں خلفاء راشدین داخل ہیں اور اس کا اعتراض خود غیر مقلدین کے مسلم پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی کیا ہے، ان کی تفسیر ”فتح البیان فی مقاصد القرآن“ میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا الْأَوْلىٰ الْأَمْرَ مِنْكُمْ، لما أمر الله سبحانه القضاة والولاة اذا حكموا بين الناس ان يحكموا بالحق امر الناس بطاعتهم هنا واولوا الامرهم الاثمة والسلطين و القضاة و امراء الحق و ولاة العدل كالخلفاء الراشدين و من يقتدى بهم من المهتدين الخ (فتح البیان فی مقاصد القرآن ص ۵۸۵ ج ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَمَّا اتَّكُمُ الرَّسُولَ فَخُذُوهُ**۔ ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ تم کو جو پکچھ دو اس کو قبول کرو (قرآن حکیم، سورہ حشر ص ۲۸) اور حضور اقدس ﷺ نے خلفاء راشدین کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه . الى قوله . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه من يعش منكم بعدى فسيري اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۹، ص ۳۰)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے۔ الی قولہ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے (ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ڈاڑھوں سے اس کو مضبوط تھام لو) مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۲۹، ص ۳۰

مذکورہ آیت اور حدیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ خلفاء راشدینؓ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان مالی ہے۔

عن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انى لا ادرى ما بقائى فيكم فاقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ مناقب ابی بکر و عمر) ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا، میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرنا۔ نیز ارشاد فرمایا:۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانه عمر ، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ مناقب ابی بکر و عمر ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں محدث (جن کو حق باتیں الہام کی جاتی ہیں) گزرے ہیں، میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا:-

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ رواہ الترمذی وفی روایۃ ابی داؤد عن ابی ذر قال اللہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷ باب مناقب عمر)

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کیا ہے رواہ الترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے آپ حق بات ہی کہتے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا:-

عن عقبۃ بن عامر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۸ مناقب عمرؓ ترجمہ:- نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بالفرض و التقدیر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

روی ابو نعیم من حدیث عروبة الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ستحدث بعدی اشياء فاحبها الی ان تلزموا ما احدث عمر (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹ باب التراویح)

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد بہت سی باتیں رونما ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہے جس کو عمرؓ نے جاری کیا ہو تو سب اس کو لازم کر لینا۔

مذکورہ احادیث سے خلفاء راشدینؓ خاص کر حضرت عمرؓ کے قول اور عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولایۃ الامر من بعده سننا الاخذ بها تصدیق لکتاب اللہ واستکمال لطاعة اللہ وقوة علی دین اللہ من عمل بها مهتدی ومن استنصر بها منصور ومن خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولایۃ ما تولى وصلاه جهنم وساءت مصیراً (جامع بیان العلم وفضله ص ۱۸۷ ج ۲)

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے جانشین اولوالامر

حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ کی اطاعت کو مکمل کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا ہے جو اس پر عمل کرے گا راہ یاب ہوگا اور جو اس سے قوت حاصل کرے گا مدد کیا جاوے گا، اور جو ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے طور طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے پھر اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بہت بری جگہ ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل اور مواظبت بھی بہت اہمیت رکھتا ہے، صحابہؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا از روئے حدیث وہ ہدایت ہی ہے اور جو ان کے طریقہ کو اختیار کرے گا انشاء اللہ وہ ہدایت پر ہی ہوگا، ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کے طریقہ کی عظمت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیا تین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حدوا لنعل بالنعل وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلہم فی النار الا ملة واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی . (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے، بنو اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے، میری امت کے بہتر ۷۳ فرقے ہو جائیں گے، وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ ارشاد ہوا ”ما انا علیہ واصحابی“ وہ ملت جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی علامت بیان فرماتے ہوئے صرف ”ما انا علیہ“ نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ”واصحابی“ بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنستہ الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی آں فرقہ واحدہ ناجیہ آنا نند کہ ایشان بطریقے اند کہ من براں طریقہ واصحاب من براں طریق اند ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تا بداند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست و پس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس اطاعت رسول عین اطاعت حق سبحانہ و خلاف اطاعت او صلی اللہ علیہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ و تقدس پس در مانحن فیہ دعویٰ اتباع آن سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعویٰ باطل است بلکہ آں اتباع عین معصیت رسول است پس نجات را در ان طریق مخالف چہ مجال (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۲ ص ۱۰۳ ج ۱)

ترجمہ:- آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ظاہر اتنا فرما دینا کافی تھا کہ ”جس طریقہ پر میں ہوں“ صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی

وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد من یطع الرسول فقد اطاع اللہ نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی معصیت اور حکم عدولی ہے، پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ غیر مقلدوں کا طریقہ ہے) (دعویٰ باطل ہے) بلکہ یہ اتباع یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا دعویٰ پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

ومیزان در معرفت حق وباطل فہم صحابہ وتابعین است انچہ اس جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ انضمام قرآنِ حالی ومقالی فہمیدہ اند در آن تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۷ ج ۱)
ترجمہ: حق وباطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرآنِ حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی) اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔
مندرجہ بالا حدیث اور ان دونوں بزرگوں کی عبارت سے واضح ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہمارے لئے بہت قوی حجت ہے۔

مزید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آپ نے فرمایا ”رضیت لامتی ماضی لہا“ ابن ام عبد میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) پسند کریں۔ (مظاہر حق ص ۶۸۹، ص ۶۹۰ جلد نمبر ۴)

نیز ارشاد فرمایا تم سکو بعہد ابن ام عبد ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو لازم اور مضبوط پکڑو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷۸ باب جامع المناقب الفصل الثانی)

حضرت ابن مسعودؓ نے جماعت صحابہ کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے دل کی گہرائی سے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من کان مستنًا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا نور من علیہ الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم . کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمتها علما و اقلها تکلفا اختارهم اللہ لصحبة نبیہ ولا قامۃ دینہ فاعرفوا لهم فضلہم واتبعوا علی آثارہم و تمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم وسیرہم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: سیدنا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: کسی کی اتباع اور اقتداء کرنا ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی ہی اقتداء کرو، کیونکہ یہ حضرات قلوب کی صفائی علم کی گہرائی اور تکلف و تصنع سے دوری میں پوری امت کے اندر سب سے بہتر تھے اللہ تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے لہذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پیچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو وہ سیدھے اور صاف راستہ پر تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس وصیت کو بار بار غور سے پڑھئے جماعت صحابہؓ پر کس قدر اعتماد فرما رہے

ہیں، لہذا صحابہؓ نے جو عمل کیا اور جس طریقہ پر وہ چلے وہ ہمارے لئے حجت ہے اور بلا شک و شبہ اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اب وہ عبارتیں اور حوالے ملاحظہ ہوں جن سے حضرت عمرؓ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عبدقاریؓ کی سند سے نقل کیا ہے۔

”رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابہ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دو تو بہت بہتر اور افضل ہو، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کر دیا، فجمعہم علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ الخ (بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۱، باب فضل من قام رمضان)

(۱) حدیث کی مشہور کتاب ”کنز العمال“ میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ فصلی بہم عشرين رکعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ و تابعین و) بیس رکعت پڑھائی (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۴)

(۲) سنن بیہقی میں ہے: کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرين رکعة والوتر، یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القيام فی شهر رمضان نصب الراية ص ۲۹۴ ج ۱ فی قیام شهر رمضان ولللفظ لہ)

(۳) مؤطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين رکعة. (مؤطا امام مالک ص ۴۰ باب ماجاء فی قیام رمضان)

(۴) ”معرفة السنة“ میں ہے امام بیہقی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں، حضرت علیؓ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ عن عبد الرحمن بن السلمي ان عليا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا ان یصلی بالناس عشرين رکعة وکان علیاً یوتر بهم (معرفة السنة للبیہقی ج ۱ ص ۴۷۷ و سنن کبری للبیہقی ص ۴۹۶ ج ۲) باب ماروی فی عدد رکعات القيام فی شهر رمضان)

(۵) محدث ابن قدامہ کتاب ”المغنی“ میں رقم طراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہوا ہے (وعن علی أنه أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرين رکعة وهذا کالاً ”جماع“ باب قیام شهر رمضان عشرون رکعة هی صلاة التراویح المغنی ص ۸۰۳ ج ۱)

(۶) محدث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے (تحفة الاخیار ص ۱۹۷)

(۷) مشہور حافظ حدیث علامہ عبدالبر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت

نمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۷۴ باب قیام شہر رمضان)

(۸) حضرت ابوالحسنؑ سے روایت ہے: ان علیاً امر رجلاً یصلی بہم فی رمضان عشرين رکعة

حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت پڑھائیں۔ (کم یصلی فی رمضان من

رکعة مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۹۶ باب ماروی فی

عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

(۹) حضرت نافعؓ شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں: کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرين

رکعة، اسنادہ حسن (آثار السنن ص ۵۶ ج ۲) حضرت ابن ابی ملیکۃ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے

تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کم یصلی فی رمضان من رکعة ص ۳۹۳ ج ۲)

(۱۰) حضرت اعمشؓ فرماتے ہیں: ان عبد اللہ بن مسعودؓ کان یصلی عشرين رکعة ویوتر

بثلاث۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (عمدة

القاری شرح بخاری ج ۱ ص ۱۲۷) (قیام اللیل ص ۹۱)

(۱۱) حضرت محمد بن کعب قرظیؓ نے فرمایا: کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطابؓ فی رمضان

عشرين رکعة۔ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۱۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباحؓ فرماتے ہیں: ”ادرکت الناس ہم یصلون

ثلاثاً عشرين رکعة بالوتر و اسنادہ حسن“ میں نے صحابہ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں تیس رکعت

پڑھتے دیکھا ہے اس کی سند حسن ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹، قیام اللیل ص

۹۱، آثار السنن ص ۵۵ ج ۱ باب فی التراویح بعشرين رکعة واللفظ له)

(۱۳) حضرت شیخ بن شاکلؓ (حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد) و رمضان المبارک میں امامت کرتے

تھے اور بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر

رمضان بیہقی ص ۳۹۶ ج ۲) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۷۴ ج ۲ باب قیام شہر رمضان)

(۱۴) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی

امامت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے (مرقاۃ ص ۷۵ ج ۲) فلما کان ذلک

یشق علی الناس قام بہم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرين رکعة یوتر بعدها (فتاویٰ

ابن تیمیہ ص ۱۴۸ ج ۱) آگے چل کر اس سے زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرين رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث

فرأى كثير من العلماء ان ذلك هم السنة لانه قام بين المهاجرة والا نصار ولم ينكره منكر

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۹۱ ج ۱)

ترجمہ:۔ بے شک ثابت ہو گیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رمضان میں

بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر کبیر نہیں فرمائی۔

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلدین اپنا پیشوا کہتے ہیں، اس فتویٰ میں صراحت ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہیں (۱۵) داؤد ظاہری بھی بیس رکعت کے قائل ہیں۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:۔ واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس في رمضان فاختر مالک في احد قوليه وابو حنيفة والشافعي واحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة والوتر بثلاث. (بدایۃ المجتہد ص ۲۰۲)

(۱۶) مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن بھوپالیؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے (عون الباری ج ۴ ص ۳۰۴ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۱۷) حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی تحقیق: بالآخر بیس رکعت پر اتفاق ہوا، اور یہی متواتر ہے۔ ثم استقر الامر على العشرين فانه المتواتر (فتح القدیر ص ۲۰۷ ج ۱ صلاة التراويح)

(۱۸) علامہ بحر العلوم ملا عبد العلی مولانا نظام الدین متوفی ۱۳۲۵ھ فرماتے ہیں: ثم استقر الامر على عشرين ركعة والوتر فصار هذا سنة۔۔۔ وہی سنة علينا لا شك فيه لان سنة الخلفاء الراشدين بسنته صلى الله عليه وسلم في لزوم والا ساءة في الترك فانه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في موعظته فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين متمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وصلوة التراويح عشرون ركعة بعد صلوة العشاء وستتها بعشر تسليمات۔۔۔ وهذه الاحكام مما اتفق عليه فقهاء المذاهب الاربعة من غير خلاف۔ یعنی پھر بیس رکعت تراویح اور وتر پر اتفاق ہو گیا، بیس رکعت ہمارے لئے بلاشبہ سنت ہے اس لئے کہ خلفاء راشدین کی سنت پر بھی عمل کرنا لازم ہے، اور اس کا ترک قبیح ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، تم اپنے اوپر میری سنت کو لازم کرو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرو اس کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، تراویح بیس رکعت ہیں نماز عشاء کے بعد دس سلام کے ساتھ۔۔۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء بلا کسی اختلاف کے متفق ہیں۔ (رسائل الارکان ص ۲۸ فصل فی صلوة التراويح)

(۱۹) شیخ احمد رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والصحابہ حينئذ متوافرون منهم عثمان وعلي وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبير ومعاذ وغيرهم من المهاجرين والانصار مارد عليه واحد منهم بل ساعدوه ووافقوه وامروه بذلك وواظبوا عليها حتى ان علياً اثني عليه ودعاه بالخير وقال نور الله مضجع عمر كما نور مساجدنا وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى۔۔۔ وہی عشرون ركعة۔۔۔ (مجالس البرار ص ۱۸۷ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیت التراويح وفضيلتها)

ترجمہ:- اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا اس وقت حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، ابن مسعود، عباس اور ان کے صاحبزادے ابن عباس، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاذ اور ان کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین و انصار موجود تھے کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا ان کی تائید و موافقت کی اور اسی کو جاری و رائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اور ان کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقہ اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اور تراویح کی بیس رکعت ہیں۔

(۲۰) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”من بعد عدد بست و سہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود“ یعنی صحابہ کرام نے تیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی، اور اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۶ ج ۱)

(۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرين رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلد نابمکة یصلون عشرين رکعة (ترمذی شریف ص ۹۹ ج ۱، ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شهر رمضان)

ترجمہ:- حضرت عمرؓ حضرت نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت امام شافعیؒ تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔

(۲۲) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے۔

والتراویح سنة مؤکدة عشرون رکعة بما روی ابو بکر عبدالعزیز الشافعی عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شهر رمضان عشرين رکعة (ونحوہ فی فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۰)

ترجمہ:- یعنی تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں اس حدیث کی بناء پر جو ابو بکر عبدالعزیز شافعی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

(۲۳) علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو سند صحیح ثابت

ہے (شرح المنہاج)

(۲۴) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہی عشرون رکعة یجلس عقب کل

د کعتیں ویسلم (ترجمہ) اور وہ (تراویح) بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے۔۔۔ وینوی فی کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونة (ترجمہ) اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ص ۱۰، ج ۲) (۲۵) علامہ حلبی کبیری میں فرماتے ہیں۔

علم من هذه المسئلة ان التراویح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعند مالک ستة وثلاثون ركعة احتجاجاً بعمل اهل المدينة وللجمهور ما رواه البيهقي باسناد صحيح عن السائب ابن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة و عثمان على مثله وهذا كالا جماع (کبیری ص ۳۸۸ صلاة التراویح)

ترجمہ:- یعنی۔۔۔ بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعت ہیں وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے دور میں یہ اجماع کے مثل ہے۔

(۲۶) علامہ بیہقی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:- کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعی، امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں، ان سب کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بیہقی نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزید سے نقل کیا ہے، صحابہ کرام حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ بیس رکعت پڑھتے تھے، پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل و انسب طریقہ اصحاب محمد ﷺ کا ہے۔ (عمدة القاری شرح بخاری ص ۷۸ ج ۷ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲۷) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں ”لم يقل احد من الائمة الا ربعة باقل من عشرين ركعة وعليه جمهور الصحابة رضي الله عنه“ یعنی چاروں اماموں میں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں، جمہور صحابہ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا، امام مالک رحمہ اللہ بیس سے زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں۔ (عرف الشذی ص ۳۲۹ ج ۱ ابواب الصوم باب ما جاء فی قیام شهر رمضان فی الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالک کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح بیس رکعتیں پڑھنی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویجہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے، جو حضرات مکہ مکرمہ میں حرم شریف میں تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویجہ کے وقفہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر لیا کرتے تھے، اہل مدینہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تدارک اس طرح کیا کرتے تھے کہ چار ترویجوں میں سولہ رکعتیں (نفل) پڑھ لیا کرتے تھے۔ (عرف الشذی ص ۳۲۹ ایضاً)

مندرجہ بالا احوالات سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہو گیا حضرت عمر فاروقؓ کے بعد باقی خلفاء راشدین حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا اور ان حضرات کے بعد جمہور علماء ائمہ مجتہدین،

ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک اور اسی پر ان کا عمل رہا اور آج تک جمہور امت کا بھی اسی پر عمل ہے، جرین شریفین زاد ہما اللہ عز و شرفاً و کرمۃ میں بھی بیس رکعت تراویح پر عمل زمانہ قدیم سے آج تک جاری ہے۔

ائمہ اربعہ کا کسی مسئلہ میں متفق ہو جانا اس کے ثبوت کی بہت بین دلیل ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله صلى الله عليه وسلم العلم ثلاثة آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة وما كان سوى ذلك فهو فضل . الى قوله . والقائمة ما لم ينسخ ولم يهجر وما لم يشذ راويه وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين اعلاها ما اتفق فقهاء المدينة والكوفة عليها و آية ان يتفق على ذلك المذاهب الاربعة . (حجة الله البالغه ص ۴۱۲، ص ۴۱۳ ج ۱ مع ترجمه من ابواب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ:- آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”علم تین ہیں، آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے۔“ الی قولہ۔ اور سنت قائمہ وہ ہے جو نہ منسوخ ہو نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹا ہو اور جمہور صحابہ و تابعین کا اس پر عمل رہا ہو، ان سب میں اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ و کوفہ متفق ہوں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر مذاہب اربعہ متفق ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ عبارت پر غور کیجئے، آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ سنت قائمہ وہ ہے جس پر جمہور صحابہ و تابعین کا عمل رہا ہو اور اس میں بھی سب سے اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ و کوفہ متفق ہوں، اور فقہاء مدینہ و کوفہ کے متفق ہونے کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہوں، یہ سنت قائمہ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور مندرجہ بالا حوالوں سے آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کوئی بھی امام بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں ہے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زبانی بیس رکعت تراویح ”سنت قائمہ“ بلکہ سنت قائمہ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نیز تراویح باجماعت شعار اہل سنت والجماعت ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔ فقال الشافعي و جمهور اصحابه و ابو حنيفة رحمه الله و احمد رحمه الله و بعض المالكية و غيرهم الا فضل صلوتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب و الصحابة رضی اللہ عنہ و استمر عمل المسلمين عليه لانه من الشعائر الظاهرة فاشبهه صلوة العيد . (نورى شرح مسلم ص ۲۵۹ ج ۱ باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح)

غرض یہ کہ بیس رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، غیر مقلدین جو آٹھ رکعات کے قائل ہیں وہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر صحابہ، خلفاء راشدین، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین سے لے کر خلف لاحقین کا اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔

بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:-

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه اخبره انه سأل عائشة كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلثا فقالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عيمى تنامان ولا ينام قلبى. (بخارى شریف کتاب التہجد پ ۵ ص ۱۵۴ ج ۱ ص ۲۶۹ ج ۱)

ترجمہ:- حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں۔ آپ علیہ السلام چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو! پھر چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو! پھر تین رکعت وتر پڑھتے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

سامرودی صاحب اور ان جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا، یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی فہم اور منشا، سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی و ذہین صاحب سلیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا؟ اب کھلی ہوا ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد ہے، تراویح۔ اسی خود بخاری شریف کی روایت پہلے گزر چکی ہے، آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی پھر صحابہ کرام تشریف لائے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی، پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے مگر نہ کبھی اس میں اس طرح کا اجتماع ہوا نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی، یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء کبار نے تصریح کر دی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

شمارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمائی فرماتے ہیں اما ان المراد بها صلوة الوتر

والسوال والجواب واردان علیہ (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اوہو معارض بما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرين ركعة ليلتين (اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ وروایۃ السمیت مقدمۃ علی روایۃ النافی (اور تعارض کی صورت میں (بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے) مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے (اللوکب الداری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۶، ۱۵۵ ج ۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزار دہمہ تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی (اشعۃ اللمعات ص ۵۴۲ ج ۱ باب قیام شہر رمضان)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی) (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۵ ج ۱)

(۴) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ: وقد اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکعة وثلاث وخمس وهذا بالا وتار الی احدى عشرة ركعة والرواية مترددة فی ثلث عشرة وفي حديث شاذ سبع عشرة وكانت هذه الركعات اعني ما سميها جملتها وتر اصلوة باللیل وهو التهجد (احیاء العلوم ص ۲۰۲ ج ۱ روایت الفرائض)

آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے، تیرہ رکعت کی روایت متردہ ہے، اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہے، اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے، یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل الخ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ابواب قیام اللیل باب فی صلوة اللیل، ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸، باب ماجاء فی وصف صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار مؤطا امام مالک ص ۴۲، باب ماجاء فی صلوة اللیل، امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب ”قیام اللیل“ میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱۱۹۲، حافظ حدیث ابن قیم نے بھی زاد المعاد ص ۸۶ ج ۱ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے

طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہو گئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے، تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے، پس اگر بالفرض کہیں نقل ہو گئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا، اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبی کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں (عینی شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷ طبع جدید باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں اس کے برخلاف بیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کر لیا ہے، امام ابو داؤد کا فیصلہ ہے اذا تنازع الخبر ان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لم الصید) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی حدیثیں تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہؓ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابا بکر و عمر عملا باحد الحدیثین وترکا الاخر کان ذلک دلیلاً علی ان الحق فیما عملا بہ۔ یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے۔ (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد ص ۴۴ تراویح)

(۲) امام ابو داؤد سجستانی (المتوفی ۳۰۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں: اذا تنازع الخبر ان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے گا صحابہؓ نے کس پر عمل کیا ہے (جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے) (ابوداؤد شریف حوالہ بالا ص ۲۶۳ ج ۱)

(۳) امام مجتہد ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں: متی روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر ان متضاد ان وظهر عمل السلف باحدہما کان الذی ظهر عمل السلف بہ اولیٰ بالاثبات۔

یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا تو وہی اولیٰ بالاثبات ہوگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱ بحث بسم اللہ فصل امام الجمعہ بھا)

(۴) امام بیہقی رحمۃ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل فرماتے ہیں: لما اختلفت احادیث الباب ولم یتبین الراجح منها نظرنا الی ما عمل بہ الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجحنا بہ احد الجانبین او یعنی جب ایک باب کی مختلف حدیثیں آگئیں ہوں اور رائج کا یقین نہ ہو سکے

تو ہم خلفاء راشدین کے عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۶۹ ج ۲ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث و خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو کان هذا الحديث هو المعمول به لعملت به الا نمة ابو بكر وعمر وعثمان بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يصلي الا امام قاعداً ومن خلفه قعوداً. یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، تو اس حدیث پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ص ۲۴۷ ج ۶ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ ومما يصحح الحديث ايضا عمل العلماء على وفقه. یعنی جن امور کی بنا پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ علماء اس کے موافق عمل کریں (تو یہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی) (قبیل باب ايقاع الطلاق فتح القدير ج ۳ ص ۲۴۹)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۶۶ھ) فرماتے ہیں ”اتفاق سلف وتوارث ايشان اصل عظيم است ورفقه، یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵ ج ۲)

دلیل ثانی:

حدثنا محمد بن حميد الرازي ثنا يعقوب بن عبد الله ثنا عيسى بن جارية عن جابر رضي الله عنه قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ليلة ثمان ركعات والوتر فلما كان من القابلة اجتمعنا في المسجد ورجونا ان يخرج الينا فلم نزل فيه حتى اصبحتنا قال اني كرهت وخشيت ان يكتب عليكم الوتر (قيام الليل ص ۹۰)

غیر مقلدوں کو اس حدیث پر بہت ناز ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے سند میں ایک راوی ”ابن حمید رازی“ ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) وہو ضعيف۔ وہ ضعیف ہے۔ (حافظ ذہبی)

(۲) كثير المناكير۔ بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ (یعقوب بن شیبہ)

(۳) فيه نظر۔ اس میں نظر (اعتراض) ہے۔ (امام بخاری)

(۴) كذبه ابو زرعة۔ وہ جھوٹا ہے۔ (ابوزرعة)

(۵) اشهدانه كذاب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوچ)

(۶) في كل شئ يحد ثنا ما رأيت اجراً على الله منه كان يأخذ احاديث الناس فيقلب بعضه على بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا،

لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)

(۷) واللہ یکذب: خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)

(۸) لیس بثقة: معتبر نہیں ہے (امام نسائی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۰، ۴۹)

دوسرے راوی یعقوب ابن عبداللہ اشعری اقمی کے متعلق۔

(۱) لیس بالقوی، قوی نہیں ہے (دارقطنی) (میزان الاعتدال ص ۳۲۲ ج ۳)

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:-

(۱) عنده مناکیر۔ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

(۲) منکر الحدیث۔ منکر الحدیث ہے (نسائی)

(۳) متروک۔ متروک الحدیث ہے (نسائی)

(۴) منکر الحدیث۔ منکر الحدیث ہے (ابوداؤد، خلاصہ)

(۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲)

بلوغ المرام میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے، دیکھئے بلوغ المرام

ص ۴۲، ۴۳۔

دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر

ہے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۴۲، ۴۳ ج ۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے

ہیں۔ افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے

دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

نماز استسقاء کا طریقہ:

(سوال ۲۷۲) نماز استسقاء کا کیا طریقہ ہے؟

(الجواب) بارش کی معمولی ضرورت کے وقت نمازوں کے بعد دعا کی جائے یا خطبہ جمعہ میں دعا کی جائے۔ اور اگر بارش کی شدید ضرورت ہو تو سب بندگان خدا کو خلوص دل سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگنی چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی اجتماعی نظام ہو تو اس کے سربراہ کو یا امام شہر یا مفتی یا قاضی شہر جس کو سب مسلمان مانتے ہوں۔ اس کو چاہئے کہ وہ اصلاحی باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کرے۔ خصوصاً حقوق العباد (لوگوں کے حقوق) ادا کرنے کی۔ اس کے علاوہ صدقہ و خیرات کی تاکید کرے اور ہدایت کرے کہ مسلمان تین روز مسلسل روزے رکھیں پھر چوتھے روزے سب مسلمان۔ مرد۔ جوان۔ بوڑھے۔ بچے شہر کے باہر کسی میدان میں جمع ہوں۔ معمولی لباس پہن کر جائیں۔ دلوں میں خدا کا خوف اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا استحضار اور احساس ہو۔ عجز و انکسار سے گردنیں جھکی ہوئی ہوں اور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت کے ساتھ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کے امیدوار ہوں اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہو۔ پھر امام نماز کے لئے اپنے مصلے پر پہنچے۔ اذان اور تکبیر کے بغیر دو رکعت جہری قرأت کے ساتھ پڑھائے۔ پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ غاشیہ۔ یا پہلی رکعت میں سورہ ق اور دوسری میں سورہ قمر پڑھنا افضل ہے۔ نماز کے بعد مثل جمعہ کی دو خطبے پڑھے جائیں۔ خطبہ سے فارغ ہو کر امام قبلہ رخ کھڑے ہو کر بطور تفاؤل (نیک فالی) کے اپنی اوڑھی ہوئی چادر پلٹ دے اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جا کر سیدھے ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا گوشہ پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کا گوشہ پکڑ کر اس طرح پلٹ دے کہ دائیں ہاتھ والا گوشہ دائیں کندھے پر اور بائیں ہاتھ والا گوشہ بائیں کندھے پر آ جائے۔ اگر چادر مربع ہو تو اوپر کے حصہ کو نیچے اور نیچے کے حصہ کو اوپر کر دے اور جبہ کی طرح گول ہو تو دائیں جانب کو بائیں پر کر دے اور بائیں کودا ہنے پر۔ قولہ۔ حول ردائہ قال المنظور القرض من التحويل التفاؤل بتحول الحال یعنی حولنا احوالنا رجاء ان يحول الله علينا العسر باليسر والجذب بالخصب۔ و كيفية التحويل ان ياخذ بيده اليمنى الطرف الا سفلى من جانب يساره وبيده اليسرى الطرف الا سفلى ايضا من جانب يمينه و يقرب يديه خلفا ظهره بحيث يكون الطرف المقبوض بيده اليمنى على كتفه الا على من جانب اليمين والطرف المقبوض بيده اليسرى على كتفه الا على من جانب الشمال فيساراً واليسار يميناً والا على اسفل بالعكس۔ وقال ابن المالك ان كان مربعاً يجعل اعلاه اسفله وان كان مدوراً كالجبة يجعل جانبه الايمن على اليسر۔ (التعليق الصبيح ج ۲ ص ۱۸۵ باب الاستسقاء) پھر امام کھڑے کھڑے آہ و بکا کے ساتھ اونچے اور الٹے ہاتھ کر کے دعا کرے اور مقتدی بیٹھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ امام کی طرح ہاتھ بلند اور الٹے کر کے دعا میں مشغول ہو جائیں۔ اور امام کی دعا پر آمین، آمین کہتے رہیں اور گڑ گڑا کر دعا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ دریائے رحمت جوش میں آ جائے اور بامراد لوٹیں

ما ثورہ دعائیں یہ ہیں اللہم انت اللہ لا اله الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علينا الغيث واجعل ما
انزلت لنا قوة وملاغا الى حين۔ ترجمہ: اے اللہ تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں۔
ہمارے اوپر رحمت کی بارش برسا اور اس کو ہمارے لئے قوت کا باعث بنا کہ اس سے ہم مدت و راز تک منفعہ ہوتے
رہیں۔ دعائے اللہم اسقنا غيثاً مرغياً مرغياً مريعاً نافعاً غير ضار عاجلاً غير آجل۔ ترجمہ: اے اللہ ہمیں
یہ آب کر ایسی بارش سے جو ہماری فریاد پوری کر دے جو مددگار ہو، خوشگوار ہو، تازہ اور شاداب کرنے والی ہو، نفع بخشے
والی ہو۔ نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو۔ تاخیر سے نہ ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ باب استسقاء) دعائے اللہم اسق عبادک
وبہیمتک وانشر رحمتک احی بلدک المیت۔ ترجمہ: اے اللہ اپنے بندوں اور موسیٰ (جانوروں) کو
سیراب کر اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر دے۔ قحط کے مارے ہوئے کو شاداب کر دے۔ یہ دعائیں
یاد نہ ہو سکیں تو اپنی زبان میں بھی اس مطلب کی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح تین روز متواتر نکلنا چاہئے ہو سکے تو
روزہ رکھ کر اور صدقہ۔ خیرات کر کے نکلنا چاہئے۔ بارش ہو جائے تب بھی تین دن پورے کئے جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا
شکر ادا کیا جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۳ ج ۱ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء۔ در مختار مع
الشامی ج ۱ ص ۹۰ باب الاستسقاء) واللہ اعلم۔

نماز استسقاء کے لئے جنگل میں کب نکلے؟

(سوال ۲۷۳) بارش کی ضرورت ہے۔ مگر عوام میں کوئی خاص اضطراب اور بے چینی معلوم نہیں ہوتی تو ایسے وقت
میں نماز استسقاء کے لئے جنگل میں جانا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) معمولی حالات میں نمازوں کے بعد اور خطبہ جمعہ میں دعا کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ اور جب بارش کی اشد
ضرورت ہو۔ کنوئیں۔ تالاب خشک ہو جائیں۔ ندیاں اور نالے سوکھنے لگیں۔ جانوروں کے لئے گھاس چارہ کی تنگی ہو
۔ کھیتی خراب ہو رہی ہو۔ اور لوگوں میں پریشانی اور اضطراب پھیل جائے۔ اور بارش کی صحیح طلب ہو۔ وانما یكون

الاستسقاء فی موضع لایكون لهم اودية ولا انهار و ابار یسربون منها ویسقون مواشیهم اوزروعهم
اویکون لهم ولا یکفیهم ذلک فاما اذا کانت لهم اودية و ابار و انهار فان الناس لا یخرجون الی
الاستسقاء لانها انما تكون عند شدة الضرورة و الحاجة کذا فی المحيط فتاویٰ عالمگیری
، الباب التاسع عشر فی الاستسقاء ج ۱ ص ۵۴۔ تب ہی جنگل میں نکلا جائے تاکہ توبہ سچی ہو۔ دعا دل
سے نکلے آنکھوں سے آنسو ٹپکیں۔ اور رو کر دعا مانگی جائے تاکہ دریائے رحمت جوش زن ہو اور بامراد واپس ہوں۔
معمولی ضرورت میں یہ باتیں پیدا نہ ہوں گی۔ بہت ممکن ہے نامراد واپس ہوں جس سے نماز استسقاء کی قدر و منزلت
دلوں سے نکل جائے یا کم ہو جائے اور غیروں کو ہنسنے کا موقع ملے۔

مثنوی میں ایک صوفی شیخ احمد کا واقعہ لکھا ہے۔ کہ وہ قرض لے کر مریدوں اور مہمانوں کو کھلاتے رہتے
تھے۔ ان کے ذمہ قرض بہت ہو گیا تھا۔ بیمار ہوئے صحت سے مایوسی ہونے لگی تو قرض خواہوں کے تقاضے شروع ہوئے
۔ ایک روز سب قرض خواہ ایک ہی وقت پہنچ گئے یہ سب جمع تھے کہ ایک بچہ جو حلو بیچ رہا تھا آواز لگاتا ہوا ادھر سے گزرا۔
شیخ نے اسے بلوایا۔ اور سارا حلو خرید کر حاضرین کو کھلایا۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو فرمایا ان قرض خواہوں

کے ساتھ تو بھی بیٹھ جا۔ جب ان کو ملے گا، تجھے بھی مل جائے گا۔ بچہ نے رونا شروع کیا کہ خالی ہاتھ جاؤں گا۔ تو میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حاضرین کو بہت ناگوار ہوا کہ شیخ نے یہ کیا حرکت کی کہ ناحق بچہ کا دل دکھایا۔ شیخ خاموش تھے اور گویا کچھ انتظار کر رہے تھے۔ شیخ کا یہ انتظار جلد ہی اس طرح ختم ہو گیا۔ کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اس نے ایک بڑی رقم بدیہ میں پیش کر دی۔ شیخ نے فوراً ہی سب قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیا۔ یہ شیخ کی کرامت تھی مگر نہایت عجیب تھی۔ جس کا شیخ کے عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ خلوت میں ایک خادم نے عرض کیا۔ حضرت یہ کیا ماجرا تھا؟ آپ کے ذمہ اتنا قرض تھا، قرض خواہوں کے تقاضے تھے، وہ مطالبہ کے لئے جمع بھی ہو گئے تھے۔ آپ نے ”اس پر بھی اتنا زیادہ حلو خرید اور کھلا دیا، قرض اور بڑھالیا۔ لوگوں کو آپ کی یہ بات ناگوار بھی ہوئی۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بار قرض سے سبکدوش فرما۔ جواب ملا کہ کوئی رونا والا ہو تو دریائے رحمت جوش میں آئے۔ قرض خواہ حضرات تشریف فرما تھے مگر رونے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کے دلوں میں غصہ تھا اور ایک طرح کی سختی تھی۔ یہ کام بچہ نے کیا۔ جب میں نے اس کا سارا حلو خرید لیا۔ اور وہ داموں سے مایوس ہوا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کا رونا کسی وجہ سے بھی تھا مگر دل دکھے کا رونا تھا۔ اس رونے پر ہی رحمت حق جوش زن ہو گئی۔ اس با کرامت واقعہ کو حضرت مولانا رومیؒ کی مثنوی میں ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا فرماتے ہیں:-

تاناہ گرید کود کے حلوا فروش
بحر بخشاش نمی آید بجوش

یعنی جب تک حلوا فروش بچہ نہ روئے دریائے کرم جوش میں نہیں آتا۔

تاناہ گرید ابر کے خند و چمن
تاناہ گرید طفل کے جوشد لبس

یعنی رونا عجیب تاثیر رکھتا ہے کہ جب تک ابر پر گریہ طاری نہ ہو (بارش نہ برے) چمن کیسی ہنس سکتا ہے۔ اس کو شادابی کہاں نصیب ہو سکتی ہے (جب تک بچہ روئے نہیں۔ ماں کا دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے۔

اے کہ خواہی کز بلا جاں را بری
جان خود را در تضرع آوری

یعنی اگر بلا اور مصیبت سے نجات چاہتے ہو تو (حق تعالیٰ کے سامنے) گریہ و زاری سے کام لو۔

در تضرع باش تا شاداں شوی
گریہ کن تا بے وہاں خنداں شوی

یعنی حق تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری میں مصروف رہو۔ تاکہ مسرور اور شاد کام ہو جاؤ۔ گریہ کرتے رہو۔ تاکہ دہن نہیں بلکہ دل ہنسے اور خوش ہو۔ آخری بات یہ ہے۔

در پیش ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر میں مبارک بندہ ایست

یعنی ہر رونے کا انجام خوش ہونا ہے۔ جو شخص انجام پر نظر رکھے مبارک بندہ وہی ہے۔

لہذا جب تک حالات پریشان کن نہ ہوں، ان کے لئے جنگل میں نہ نکلا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خواتین کے لئے دلچسپ لوہائی اور مستند اسلامی کتب

حضرت تھانویؒ	انگریزی	اردو	تحفہ زوجین
• • •	• • •	• • •	بہشتی زیور
• • •	• • •	• • •	اسلام خواتین
• • •	• • •	• • •	اسلامی شادی
• • •	• • •	• • •	پردہ اور حقوق زوجین
مفتی ظہیر الدین	• • •	• • •	اسلام کا نظام عفت و عصیت
حضرت تھانویؒ	• • •	• • •	حیلا ناجزہ یعنی عورتوں کا حق سیخ نکاح
ابلیہ ظریف تھانوی	• • •	• • •	خواتین کے لئے شرعی احکام
سید شیدان مدوی	• • •	• • •	سیر الصبايات مع اسوۃ صبايات
مفتی عبدالرؤف صاحب	• • •	• • •	چھٹنہ گار عورتیں
• • •	• • •	• • •	خواتین کا ج
• • •	• • •	• • •	خواتین کا طریقہ نماز
ڈاکٹر حفاتی میاں	• • •	• • •	ازواج مطہرات
احمد منیل جمہ	• • •	• • •	ازواج الانبیاء
عبدالمسنر رشادی	• • •	• • •	ازواج صحابہ کرام
ڈاکٹر حفاتی میاں	• • •	• • •	پلے نئی کی پیاری صاحبزادیاں
حضرت میاں اختر حسین صاحب	• • •	• • •	نیک بیدیاں
احمد منیل جمہ	• • •	• • •	جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین
• • •	• • •	• • •	دور نبوت کی برگزیدہ خواتین
• • •	• • •	• • •	دور تابعین کی نامور خواتین
مولانا عاشق الہی راشدی	• • •	• • •	تحفہ خواتین
• • •	• • •	• • •	مسلم خواتین کے لئے بیک سبق
• • •	• • •	• • •	زبان کی حفاظت
• • •	• • •	• • •	شرعی پردہ
مفتی عبدالغنی صاحب	• • •	• • •	میاں جبری کے حقوق
مولانا ادریس صاحب	• • •	• • •	مسلمان بیوی
حکیم طارق محمود	• • •	• • •	خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق
نذیر محمد بکستہ	• • •	• • •	خواتین اسلام کا شافی کردار
قاسم عاشور	• • •	• • •	خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح
نذیر محمد بکستہ	• • •	• • •	امرا المعروف ونبی عن المنکر میں خواتین کی ذمہ داریاں
امام ابن کثیرؒ	• • •	• • •	قصص الانبیاء
مولانا اشرف علی تھانویؒ	• • •	• • •	اعمال وسمائی
صوفی حسنہ الرحمن	• • •	• • •	آئینہ عملیات
• • •	• • •	• • •	اسلامی وظائف

در خدمت کتب و دستاویزات
کتابت و تصانیف !!

قرآن و حدیث سے ناخوڑ وظائف کا مجموعہ

پتہ دار الاشاعت اردو بازار ایچ جناح روڈ کراچی فون: ۲۶۳۱۸۶۱۱-۲۶۳۱۸۶۱۸